

ارشادات

قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر اپنوری

۱۲۹۲ھ — ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء

صحیح کردہ

مولانا حبیب الرحمن اپنوری

ترقیہ تعلیم

مولانا محمد عبداللہ

مہتمم دارالحدیث، بھکر

ناشر

سید الخیر علی شاہ

۱۹۸۰ء کوئٹہ

ارشادات

قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبد القادر اپوری ^{رحمۃ اللہ علیہ}

۱۲۹۲ھ — ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء

جمع کردہ

مولانا حبیب الرحمن اپوری ^{رحمۃ اللہ علیہ}

ترتیب تلخیص

مولانا محمد عبد اللہ
مہتمم دار الہدی، بھکر



ناشر

سید محمد شہید ایکنی

۱۶۴/۳ کریم پارک ○ لاہور

نام کتاب	_____	ارشادات
صح کردہ	_____	مولانا حبیب الرحمن دہلوی
مرتب	_____	مولانا محمد عبداللہ
ناشر	_____	اولمپیا آرٹ پریس
طبع اول	_____	۱۹۹۷ء
طبع دوم	_____	۲۰۰۶ء
تعداد	_____	۱۱۰۰
قیمت	_____	

سننے کے پتے

۱۔ مکتبہ مناقب۔ محمد عرفان راق۔ بھکر

۲۔ قاری عبدالرحمن ضیا۔ مدرسہ حسنیہ تعلیم القرآن عقب نیازی ہسپتال سرگودھا

۳۔ مولانا محمد یعقوب احسن مدنی مسجد جلال ضلع سرگودھا۔

فہرست

۵۲	منفی محمد کفایت الشیخی قابلیت	۷	پیش لفظ
۵۵	ایعت خلافت	۲۲	صحبت میں مناسبت شرط ہے
۵۸	توبہ	۲۳	اکابر اور ہم عصر بزرگوں سے حقیت
۵۹	عشق حقیقی اور عشق مجازی	۲۵	مستقبل کی فکر
۶۰	ذکر جبر	۲۶	حضرت شیخ السنہ نے مولانا سندھی کو دہلی بھیجا
۶۱	افضل لباس	۲۷	عاجی عبدالرحمن صاحب کی تبلیغ
	میاں عبدالرحمن تھانویؒ، مکاشفہ شیخ	۲۸	مولوی فیض احمد نو مسلم مرحوم
	اور کیفیات	۲۹	حضرت بہاولنگریؒ کو فتوح باب
۶۲	شاہ عبدالرحیم صاحب کا سبب تعلیم	۳۱	ترقی جاری رہے گی
	شاہ عبدالرحیم کی میں صاحب بیت	۳۲	تربیت کے لیے تکالیف
	شاہ عبدالرحیم کا سفر کھیر لود حضرت	۳۳	حضرت دہلوی کی تبلیغ
۶۵	نگوہی سے بیت کا ارشاد	۳۴	مولانا سندھی کی باتیں
۶۸	توکل، باوا صاحب کی حکایت	۳۷	تحریک شیخ السنہ میں بعض کے بیانات
۷۰	صفت ولایت	۳۸	دجال کا تذکرہ
۷۱	نصاب تعلیم کیا ہو	۴۰	سماع
۷۲	امیر حبیبؒ کا سفر ہند، منفی اثرات	۴۱	نواب رام پور کے مظالم
۷۴	حضرت مدنیؒ کو ایذا دینے والوں کو بددعا	۴۳	مولانا عبدالرحمن کے دادا
۷۵	باہزت بھوتہ بھٹناک فقرہ	۴۴	سلب ولایت کی حقیقت
۷۶	انگریزی غلامت، نفرت کی حکایت	۴۶	حضرت شیخ السنہ کی اسارت مالٹا
۷۷	مذہب کا مستقبل	۴۷	مسئلہ تعلیم
	امیر عبدالرحمنؒ کا سفر ہند، تبرکت لکھنؤ	۴۹	شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد صاحب
		۵۱	زمینداروں کا تحفہ

- حضرت شاہ عبدالرحیم کا سفر گنج مراد آباد ۱۰۹
 حضرت گنگوڑی کا حضرت گنج مراد آبادی کو پیغام ۱۱۰
 ونبوح حق کے لیے دعا کی شرائط ۱۱۱
 آثارِ ذکر، تبلیغ ذریعہ تربیت ۱۱۲
 مودودی صاحب کی تحریک پر اظہارِ خیال ۱۱۵
 قبولیت دعا، دائمی حضوری ۱۱۸
 جدید علوم، مذہبی تعلیم ۱۲۰
 شاہ عبدالرحیم دہلوی، اشعار سعدی ۱۲۱
 ترکِ معاصی کیلئے کیا کیا جائے، تبلیغ کا کیا طریقہ ۱۲۲
 صحبتِ شیخ کی شرائط ۱۲۵
 مذہب سیاست کے بغیر نہیں چل سکتا ۱۲۷
 ذرا بار بیکر و عمر کے نقش قدم پر چلیں، گاندھی ۱۲۸
 قوتِ ملکوتی اور قوتِ بیہمی ۱۲۹
 عملیات اور کیمیا، ایک مہوسی ۱۲۹
 تصوف کیا ہے؟ ۱۳۱
 ہم حضرت مدنیؒ کے مقلد ہیں ۱۳۲
 سماع کی حقیقت ۱۳۳
 سلطانِ جی کے تین مریدوں کا واقعہ ۱۳۳
 افکار و اشغال، تاثرِ صحبت ۱۳۴
 جسمانی صحت، روحانی ترقی ۱۳۷
 دورِ اول کی اسلامی جنگیں مدافعت تھیں ۱۳۸

- جبری کلمہ کی حیثیت ۷۸
 ایک عورت کی بہادری ۷۹
 استغفار، موت کی یاد ۸۰
 اپنی زمین خود کاشت کرنے کے فوائد ۸۱
 ایک امام مسجد کا واقعہ ۸۲
 رویت باری تعالیٰ کا تحمل ۸۳
 انگریز کی سازش، سہارنپور کے فسادات ۸۵
 شیخ السنہ نے مولانا آزاد کو پہلی نظر سچاں لیا ۸۸
 زندگی کی بے ثباتی، شاہ زاہد حسن کی بیماری ۸۹
 بہار الدین زکریاؒ - مزے کی موت ۹۰
 حضرت بہادر گنگوڑی، فٹس جی، مولانا محمد عیسیٰؒ ۹۰
 خواب میں ملے ۹۰
 ایک بچے کا قبولِ اسلام اور عجیب موت ۹۲
 سلوک اور جذبہ، حضرت ابوذرؓ کا اسلام ۹۳
 حضرت آدم بنورثی کا حج کو جانا ۹۶
 چودھری افضل حق، انوار اور مبارک کیفیتیں ۹۸
 حضرت مدنیؒ سے بدتمیزی، بھگتان جگتا پڑ گیا ۱۰۰
 جہاں حضرت ہیں وہیں رائے پور ہے ۱۰۱
 مومنین کے تین طبقے ۱۰۳
 ذکر میں اصل اہم ذات سلطان باہو کے اشعار ۱۰۷
 حضرت شاہ عبدالرحیم کا حضرت شیخ گنگوڑی کا پیغام ۱۰۸

صاحب قبر سے مناسبت ہو تو فیض پہنچتا ہے ۱۳۹

کسر نفسی ۱۳۹

مکرم تحریر ، ایک اشکال کا جواب ۱۴۰

ورد شریف اور ذکر میں تصور ۱۴۱

مجاہد کیا ہے ۱۴۱

مجلس احرار ، اچھے لوگ ۱۴۱

حضرت مدنی پر لگیوں کا پتھر اور بد تمیزی کی نشا ۱۴۲

فیروز خان نون اور ان کے پیرو صاحب کا واقعہ ۱۴۲

صرف اللہ سے مانگنا چاہیے ۱۴۴

ایک متوسل کو ذکر اور قبر کے متعلق نصیحت ۱۴۸

مولانا پر ہاروی کی کتاب زمر و یا قوت امر ۱۴۹

ذکر نفسی اثبات ، اسم ذات ۱۵۰

تہذیب دینی ۱۵۰

مزارع کی خوشحالی کیسے ختم کی جاتی ہے ۱۵۳

درویش کو مارنے والے فوجی کی گردن ٹکڑی ۱۵۴

اسم اعظم ، اسم ربی ، لکڑاڑے کی حکایت ۱۵۵

جس علم پر نجات اور معصیت الہی کا مادہ ہے ۱۵۶

بزرگوں کی صحبت اور کتابوں کا اثر ۱۶۲

خواجہ اجیری نے بیس سال شیخ کی خدمت کی ۱۶۳

اب تصوف کا خلاصہ نکل آیا ہے ۱۶۴

ایک پیر صاحب کا لوگوں پر اثر و ان ۱۶۶

مخدوم سلیمان علیہ السلام کو فرشتوں کا خط پہنچا ۱۶۶

حاصل ہے۔ ۱۶۷

میاں صاحب کی قادیانی کے لیے چٹکائی ۱۶۹

ذکر کا طریقہ اور ثمرات ۱۷۲

حضرت تھانویؒ اور مسلم لیگ ۱۷۴

ہم حضرت مدنی کو نہیں چھوڑ سکتے ۱۷۶

مولانا محمد علی جالندھری کو حضرت عیسیٰ

علیہ السلام کی زیارت ۱۷۷

حضرت بہاؤ شاہ گجراتی پر علوم کا ورد ۱۷۸

مولوی عبد الکریم شاہ سپوری ، مولانا محمد عظیم ۱۸۰

خدا کے تعالیٰ کی محبت ۱۸۳

رویت باری تعالیٰ کی لذت ۱۸۴

حافظ امام دین احمد رضا کے والد کا تذکرہ ۱۸۵

ایک فقیر مذکور سے جوڑ جدا ہو گئے ۱۸۶

ایک عشق کی موجودگی میں دوسرا عشق ۱۸۷

شعری بشمول دل از نقش غیر حق کی تشریح ۱۸۹

قوی کی کمزوریوں سے زیادہ عشق کا نقصان ہے ۱۹۰

حضرت دہلوی کے طرز پر تبلیغ کریں ۱۹۲

حضرت دہلوی نے ایک بات میں صبح سے ظہر تک ۱۹۳

حضرت بہاؤ شاہ گجراتی کا ذکر خیر ۱۹۴

حضرت منشی رحمت علی کا تذکرہ ۹۹

شیخ کے وصال کے بعد نبیت ؟ ۱۰۰

ذکر جبریا ذکر قلبی ؟ ۱۰۰

- نعمیم اللہ خان کا واقعہ ۲۰۲
- اصلاح نیت اور اخلاق کو سنوارنا ۲۰۶
- سب طرف کا عامل خیال کو جمع کرنا ہے ۲۰۸
- حضرت مدنی کا قلم ہیں احرار کو اچھا سمجھتے ہیں ۲۰۹
- سب سے بڑا ادب شیخ کی محبت ہے ۲۱۱
- قصص کی تحقیق میں مولانا آدلو کو جہالت ہے ۲۱۲
- اب تقسیم ہونے کے بعد لڑائیاں رہیں گی ۲۱۴
- بھائی کریم علی مدنیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حکومت بھی دی ۲۱۵
- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان ۲۱۵
- سلوک طے کرنا ۲۱۶
- مصیبتیں بھی چوکیدار ہیں ۲۱۸
- تقسیم کے بعد فلسطین کا حسرتا نظر نہیں آتا ۲۱۹
- میل صاحب کا ایک مرید کو جہاد میں لے جانے سے منع کرنا۔ ۲۲۰
- ایمانیات میں کیا تردد ہوتا ہے ؟ ۲۲۱
- محبت نبویؐ نے صحابہ کو کیا سے کیا بنادیا ۲۲۲
- حضرت خالدؓ، روٹی غائب ہونے کا واقعہ ۲۲۳
- حضرت ابو عبیدہؓ کے گھر کا سامان ۲۲۳
- نسبت کی حقیقت ۲۲۴
- مسلمانوں کے ادبار کا سبب تہمت ہے ۲۲۶
- رعایا پر ظلم کا ایک واقعہ ۲۲۷
- طالب علم اور پیر صاحب کا قصہ ۲۲۹
- حضرت گلشن کی شان مجدد کی ہے ۲۳۰
- حضرت مدنیؒ جامع آدمی ہیں ۲۳۲

- ذکر الہی میں لگو اور اخلاق ستوارو ۲۳۲
- استعداد دیکھ کر ذکر شغل کرانا چاہئے ۲۳۸
- ہر ممکن الوجود چیز کی الگ روح ۲۴۰
- ہندوستان میں سلسلہ خشتیہ اور نقشبندیہ ۲۴۱
- تذکرہ سائیں توکل شاہ ۲۴۲
- میل صاحب کی بیعت کا ذکر ۲۴۴
- تصوف کیسے ۲۴۵
- مولانا شبیر احمد سے ملاقات ۲۴۸
- دونوں ملکوں کا اتفاق میں فائدہ ہے ۲۵۰
- مخت ۲۵۲
- ذکر و شغل کے اثرات ۲۵۵
- شاہ عبدالرحیم صاحب کی رخصت میں غوراک ۲۵۶
- شرعیات، طریقت، حقیقت، معرفت ۲۵۷
- نمائندہ تعلیم کے ساتھی عبداللہ خان ۲۵۹
- ایک خواب کی تعبیر ۲۶۱
- مولانا عبداللہ کے والد کا وظیفہ و عطا ۲۶۲
- مسلمانوں کے سامنے اب کی زندگی آئی چاہئے ۲۶۳
- میاں صاحب کے بعض عجیب حکمت ۲۶۳
- ذکر ایک روشنی ہے ۲۶۶
- انا عرضنا الامانة ۲۶۸
- انتقالی نسبت کی کیا حقیقت ہے ۲۷۱
- ایک حدیث کا مطلب ۲۷۳
- تعریف سے کیسے بچا جائے ۲۷۶
- ان الذین امنوا الذین ہادوا والذین ۲۷۷

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى

پیش لفظ

حضرت اقدس مرشدنا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے آباؤ اجداد علاقہ بوٹھوہار کے معروف گھاؤں تھوہا محرم خان کے رہنے والے تھے، جو تحصیل تہ گنگ (ضلع چکوال) میں ہیں، آپ کے والد صاحب کا اکہم گرامی حافظ احمد تھا، قوم کے اعوان تھے، انہیں ان کی لاولد خاتون نے اپنے ہاں ڈھڑیاں (ضلع سرگودھا) بلالیا تھا، بیٹے کی طرح رکھا اور اپنی جائیداد کا وارث بنا دیا، حضرت حافظ صاحب نے اپنے تینوں بڑے بھائیوں (مولانا محمد حسن، مولانا کلیم اللہ اور مولانا محمد حسین) کو بھی جائیداد میں شریک کر لیا اور تینوں بھائی بھی ڈھڑیاں آگئے، اللہ تعالیٰ نے حضرت حافظ صاحب کو قرآن مجید سے خاص لگاؤ اور مناسبت اور اس کے حفظ میں مثالی محنت عطا فرمائی تھی، ساری عمر قرآن مجید پڑھنے میں گزار دی، مقامی طلباء کے علاوہ ستراتی مسافر

۱۔ تہ گنگ۔ پہلے ضلع بہک کی تحصیل تھی، وہاں میں جب چکوال کو ضلع کا درجہ ملا تو تحصیل تہ گنگ کو ضلع چکوال میں شامل کر دیا گیا۔

طالب علم ہی آپ کے پاس قرآن مجید پڑھا کرتے تھے، حضرت حافظ صاحب کی پہلی الہیہ سے ایک بھی ہوئی تھی اور الہیہ کا انتقال ہو گیا تھا، اس کے بعد تتریا ساٹھ سال کی عمر تک شادی نہیں کی آپ کے بڑے بھائی مولانا کلیم اللہ صاحب نے آپ کی پشت میں نور ولایت محسوس کیا اور کوشش کر کے ملہانی (تحصیل ببلوال) کے ایک معزز گھرانے میں آپ کی شادی کرادی، جس سے اللہ تعالیٰ نے تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی عطا فرمائی، سب میں بڑے حضرت اقدس مولانا شاہ عابد القادر صاحب تھے، آپ کو بہت چھوٹی عمر میں مولانا کلیم اللہ صاحب اپنے پاس کھیڑو لے گئے، جب آپ پڑھنے کے قابل ہوئے تو خود ہی آپ کو قرآن مجید حفظ کرانا شروع کر دیا، ہمیشہ آپ پر اپنی اولاد سے زیادہ شفقت فرماتے تھے، مولانا کلیم اللہ صاحب عابد، زاہد اور بالکمال بزرگ تھے، حضرت مولانا عبد الغفور اخوند سوانی رحمۃ اللہ علیہ (المعروف بابا سید و صاحب) سے خلافت و اجازت تھی، ڈھڈیاں کے بالمقابل دریائے جہلم کے مغرب میں کھیڑو (ضلع جہلم) کی ایک مسجد میں رہا کرتے تھے، حضرت اقدس شاہ عبد القادر صاحب نے اپنے تایا صاحب سے قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد بھرت شریف اور جھادریاں میں حضرت مولانا محمد غلیل صاحب اور ان کے فرزند مولانا محمد رفیق صاحب سے ابتدائی کتابیں پڑھیں، پھر ہندوستان تشریف لے گئے، رام پور، دہلی، سہانپور، بریلی اور گلاؤٹھی وغیرہ مقامات پر علوم متداولہ کی تکمیل کی، بریلی میں حکیم مختار احمد مرحوم سے طب بھی پڑھی، کچھ عرصہ بریلی میں مولانا احمد رضا خان کے مدرسہ میں تدریس بھی کی، مولانا احمد رضا خان کے لڑکے بھی آپ کے پاس پڑھتے رہے، ان دنوں مولانا احمد رضا خان کی سرگرمیاں علمائے دیوبند کے خلافت زوروں پر تھیں، آپ کو ان کے اس رویہ سے اذیت اور تکلیف ہوتی، وہاں سے جی اچاٹ ہو گیا اور تدریس ترک کر کے فضل گڑھ ضلع بجنور میں مقیم کر لیا، شروع سے اللہ تعالیٰ کی معرفت کی طلب اور شوق دل میں جاگزیں تھا، عشق الہی کی چنگاری اندر ہی اندر سنگ رہی تھی، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "تحفۃ العشاق" پڑھی تو دل بے چین ہو گیا، قبرستان میں تشریف لے جاتے اور

خوب رویا کرتے، مشکل سے چھ مہینے فضل گڑھ میں گزارے اور دل کی بے قراری اور خدا طلبی کی تڑپ نے خانقاہ رائے پور میں پہنچا دیا، خانقاہ کے مندر نشین عارف باللہ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیعت کی درخواست کی، اور گھر جانے کا ارادہ بھی بیان فرمایا، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نے اللہ تعالیٰ کے ایک نام مبارک کا ورد بتا دیا اور فرمایا کہ گھر جاؤ پھر بیعت کریں گے، حضرت اقدس گھر سے واپس آئے تو حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نے ذکر کی کیفیت دریافت فرمائی اور بیعت بھی کر لیا، گھر کے افراد پوچھے تو آپ نے فرمایا کہ والد، بیوی، دو بھائی اور دو بہنیں ہیں، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نے فرمایا کہ یہ تو بڑا کنبہ ہے ہمارا تو جی چاہا تھا کہ ہم آپ لکھے رہتے، آپ نے عرض کیا کہ حضرت: سب کے ہوتے ہوئے بھی میرا کوئی نہیں، میں تو یہ نیت لے کر آیا ہوں کہ ساتھ ہی رہوں گا، آپ نے خانقاہ میں مستقل قیام کا فیصلہ کر لیا، خانقاہ سے ملحق حافظ یوسف علی خان مرحوم کا چھپر تھا جس کی چھت مین کی تھی، آپ نے حافظ صاحب سے اجازت لے کر اسی چھپر میں ایک طرف بستر کے لیے جگہ صاف کر لی کوڑے کے ڈھیر پر ایک پٹہ اپنا کبل مل گیا تھا اس کو دھو کر بچھا لیا، چودہ سال تک یہی بچھونا رہا۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ سردی کا موسم تھا، آپ کے پاس رضائی یا کوئی گرم کپڑا نہیں تھا، مغرب سے عشاء تک پانی گرم کرنے کی جگہ بیٹھے وظیفہ پڑھتے رہتے، عشا کے بعد مسجد کے دروازے بند کر کے مسجد کی چٹائی میں اپنے آپ کو لیٹ لیتے، سر اور پاؤں کی طرف سے سردی تنگ کر دیتی تو اٹھ کر ذکر میں مشغول ہو جاتے، ذکر کی گرمی سے رات گزار لیتے، سردی کا وہ سارا موسم اسی طرح گزارا لیکن آپ نے اس حال کو کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔

خانقاہ میں خورد و نوش کے اسباب کی بھی فراوانی نہیں تھی، قوت لایموت پر ہی گزارا وقت تھی، دس سال تو ایسے گزرے کہ خانقاہ کے تمام مقیم طالبین کو رات دن میں صرف ایک وقت کمی کی ایک ایک روٹی ملتی تھی، وہ بھی صحیح کچی ہوئی نہ ہوتی تھی، سالن وغیرہ کا کوئی انتظام نہیں تھا، گاؤں سے کبھی لہہ آجاتی تو وہ دن اس لحاظ سے خوشی کا دن ہوتا تھا، ایسے صبر آزمائیاں ہیں بھی

آپ کے عزم و استقامت میں فرق نہ آیا، اپنے شیخ سے والہانہ محبت و عقیدت تھی، حضرت کے ارشاد اور ہدایت کے مطابق اور او و وظائف بھی پورے کرتے اور سفر و حضر میں حضرت کی خدمت کے لیے ہر وقت مستعد رہتے تھے، حضرت کو آپ پر خصوصی شفقت، توجہ اور کمال اعتماد تھا، امتحان اور آزمائش کی کٹالیوں سے نکالا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ناز المرام فرمایا، طریقت کی گھاٹیاں عبور ہو گئیں اور خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ مقام عطا فرمایا کہ آپ کے شیخ اور مربی حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نے اپنے بعد خاتماہ کی آبادی اور سلسلہ مبارک کی ترویج کے لیے آپ کے متعلق اپنی مشارع ظاہر فرمائی اپنے متوسل خصوصی شاہ زاہد حسن صاحب رئیس بہٹ اور چودھری محمد صدیق مرحوم کو فرمایا کہ میرے بعد مولوی عبدالقادر صاحب کا خیال رکھنا، چودھری صاحب کو آپ کے لیے مکان تعمیر کرانے کا بھی حکم فرمایا تھا، حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کو فرمایا تھا کہ "شاہ زاہد حسن صاحب نے میری بہت خدمت کی ہے ان کا ہمیشہ خیال رکھنا، ان تینوں حضرات نے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کے فرمان کو خوب نبھایا، ساری عمر اس ارشاد کو سامنے رکھا اور اس کی تعمیل میں کبھی فرق نہیں آنے دیا۔

۲۶ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ ۲۹ جنوری ۱۹۲۰ء کو حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا سے سفر فرمایا، آپ نے اپنی رہائش کی کوٹھی مدرسہ کے نام وقف فرمادی تھی اور خود مدرسہ کو کرایہ ادا فرماتے تھے، یہ کوٹھی آپ کے بے حاجی سونے خان صاحب خا پوری مرحوم نے آپ کے کسی طویل سفر کے دوران آپ کی اجازت اور اطلاع کے بغیر خاتماہ میں تعمیر کرائی تھی، آپ نے وصال کے بعد آپ کے بھانجے مولانا اشفاق احمد صاحب اس کوٹھی میں رہتے تھے وہی مدرسہ کے متولی تھے، چونکہ حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب کے جانشین ہونے کا کوئی رسمی اعلان نہیں ہوا تھا، اس لیے بعض لوگ مولانا اشفاق احمد صاحب کو حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کی قرابت کی وجہ سے جانشین سمجھتے تھے، حضرت اقدس

شاہ عبدالغفور صاحب یہ خیال فرماتے تھے کہ از حالات میں رائے پور رہنے سے اختلاف کی کوئی شکل سامنے نہ آجائے اس لیے کچھ عرصہ باہر رہے، کبھی شاہ زاہد حسن صاحب کے ہاں بہٹ میں رہتے کبھی کھٹری یا مرزا پور کے مخلصین کے ہاں قیام فرماتے اور کبھی ڈھڈیاں تشریف لے جاتے تھے، رائے پور تشریف لاتے تو بہت مختصر قیام فرماتے، اصلاح و تربیت کے خواہشمند اور ذکر الہی کا شوق اور تڑپ رکھنے والے لوگوں کا بڑی تیزی سے آپ کی طرف رجوع ہونے لگا اور بہت جلدی آپ کی شخصیت کو مرکزیت حاصل ہو گئی، سال سوا سال بعد ہی اختلاف کے امکانات معدوم ہو گئے اور آپ نے اہل رائے پور اور دوسرے اہل تعلق حضرات کی آرزو پوری فرمائی اور رائے پور میں مستقل قیام فرمایا، چودھری محمد صدیق مرحوم نے آپ کے لیے مکان بنانا چاہا تو آپ نے منع فرمادیا، انہوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ بس میرے لیے ایک چھپر بنا دیکئے، چودھری محمد صدیق صاحب نے بھی حاجی سوندے خاں مرحوم والا طریقہ اختیار کیا، موقع کی انتظار میں رہے، حضرت اقدس کہیں سفر میں تشریف لے گئے تو انہوں نے دالان اور چند کمرے تعمیر کرا دیے، پھر ضرورت کے مطابق چھپر اور سائبان بنتے چلے گئے ہر طبقہ کے لوگ آنے لگے اور جوم بڑھتا چلا گیا، کوئی وقت اللہ کے ذکر سے غالی نہ ہوتا تھا، ذکر جہر سے فضا گونجتی رہتی تھی، حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کا جب وصال ہوا حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ

لے شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انگریزوں کو ہندوستان سے نکلنے اور ملک کو مکمل طور پر آزاد کرانے کا نظریہ سب سے پہلے پیش کیا تھا، اس مقصد کے لیے آپ نے وسیع بنیادوں پر تحریک منظم کی، دیوبند، دہلی، دین پور تشریف، امرت تشریف اور کراچی وغیرہ کئی مقامات پر جہاد کی تربیت اور اسلحہ وغیرہ سامان جنگ کے مراکز قائم کئے، باقاعدہ جہاد کی بیعت لی جاتی تھی، مولانا سیف الرحمن صاحب اور حاجی صاحب ترنگہ زئی اور دوسرے رفقاء کے ذریعہ آزاد قبائل میں بہت بڑا لشکر تیار کیا، حضرت نے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جزیرہ مالٹا میں قید تھے، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کے وصال کی خبر پہنچی تو حضرت شیخ الہند کو بہت صدمہ ہوا، جہتہ ایک دردناک اور طویل مریض لکھا مالٹا سے رہا ہو کر آئے تو رائے پور بھی تشریف لے گئے اور وہاں ایک مجلس میں یہ مریض بھی خود ہی بڑھ کر سنایا تھا۔

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) ان حضرات کو انگریزوں کے خلاف جنگ کرنے کا حکم دیا، اس لشکر نے انگریزوں سے لڑائی شروع کی اور انگریزوں کی کئی پلٹنیں تباہ کر دیں، مجاہدین کے یہ سامان جنگ کافی تھا، حضرت نے مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کو کابل بھیجا اور ترکی حکومت سے تعاون حاصل کرنے کے لیے خود سفر کی تیاری فرمائی، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ آب کی تحریک کے ہم رکن تھے اور تحریک کے تمام امور میں راز دار اور مشیر تھے، حضرت شیخ الہند نے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کو تحریک کی قیادت سپرد کی اور ۱۶ ستمبر ۱۹۱۵ء کو حجاز مقدس کو روانہ ہوئے، حجاز میں بھی ترکوں کی حکومت تھی، حضرت نے مکہ معظمہ کے گورنر غالب پاشا، مدینہ منورہ کے گورنر بصری پاشا سے ملاقاتیں کیں، حضرت ہتھتھے تھے کہ ترکی جا کر وہاں سے کابل کے راستے محاذ جنگ پہنچیں اور جنگ کی خود کمان کریں، لیکن شریف مکہ کی بغاوت اور جنگ عظیم کی وجہ سے حجاز مقدس سے آگے نہ جاسکے، مدینہ منورہ میں ترکی کے وزیر جنگ انور پاشا آئے تو ان سے ملاقات کی، دسمبر ۱۹۱۶ء میں انگریزوں نے شریف مکہ کے فریو آپ کو زفقار سمیت گرفتار کر لیا، ایک مہینہ جیل میں رکھا اور پھر جزیرہ مالٹا میں نظر بند کر دیا، آپ کے ساتھ آپ کے شاگرد شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا عزیز گل، مولانا سید وحید احمد اور حکیم نصرت حسین بھی تھے، حکیم صاحب کا وہیں مالٹا میں انتقال ہو گیا، باقی حضرات کو حضرت کے ساتھ بھی بندرگاہ لیجا کر ۸ جون ۱۹۲۰ء کو رہا کر دیا گیا، نومبر ۱۹۲۰ء کو آپ نے دنیا سے سفر فرمایا، ملک کے اندر اس تحریک کا سارا کام خفیہ طریقے سے ہوتا تھا، محاذ جنگ تربیتی مراکز اور قیادت کے درمیان خط و کتابت ریشمی رومالوں کے ذریعہ ہوتی تھی، اس لیے تاریخ میں اس تحریک کو تحریک ریشمی رومال یا تحریک شیخ الہند کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یہ تحریک آزادی کی بنیاد ثابت ہوئی، حضرت شیخ الہند کی (باقی حاشیہ کے صفحہ پر)

۱۹۸۰ء میں دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ جلسے کے موقع پر احقر ناکارہ کو بھی دیوبند اور رائے پور عارضی کی سعادت نصیب ہوئی، حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب کے خادم حاجی ظفر الدین صاحب مرحوم خانقاہ میں مقیم تھے، انہوں نے کرم فرمایا حضرت اقدس کا حجرہ کھول دیا ہمیں اُس میں کچھ دیر بیٹھنا نصیب ہوا، حاجی صاحب مرحوم حجرے کی شمالی دیوار کی کھڑکی کے سامنے کھڑے ہوئے اور کھڑکی کی دونوں طرف ہاتھ رکھ کر ہیں بتایا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ مانا سے رہائی کے بعد تشریف لائے تو یہاں اس طرح کھڑے باہر کو دیکھ رہے تھے، حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میرے لیے دعا فرمائیں، حضرت شیخ الہند نے فرمایا ابھی کچھ کمی ہے کہ دعا کروں،

حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب نے حضرت شیخ الہند سے خلوت میں عرض کیا کہ حضرت (شاہ عبدالرحیم صاحب) رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں آپ کے متعلق حکم دیا تھا کہ آپ مانا سے تشریف لائیں تو ہم آپ کا ہر طرح ساتھ دیں لہذا ہم علام حاضر ہیں جو حکم ہوا ارشاد فرمائیں، حضرت شیخ الہند نے فرمایا کہ میں ابھی آیا ہوں، حالات کا جائزہ لے رہا ہوں، جب کام شروع کروں گا تو سب سے پہلے آپ کو ساتھ لوں گا، یہاں ریاست کے میدان میں جو کام ہو رہا ہے ہمارا کام اس سے بہت آگے ہے، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی نے وفات کی مانا سے تشریف لانے کے بعد جلدی دنیا سے سفر فرما گئے، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے جانشین ہوئے، آپ کی تحریک کی کہ ان سنبھالی جس طرح حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب اور حضرت شیخ الہند صاحب کے درمیان گہرا تعلق اور اعتماد تھا بعد یہی تعلق اور اعتماد حضرت شاہ عبدالقادر صاحب اور حضرت مدنی کے مابین تھا، حضرت اقدس اپنی مجلس میں حضرت

(بقیہ حاشیہ) وفات کے تقریباً بائیس سال بعد انگریزوں کو مجبور ہو کر ہندوستان چھوڑ دینے کا فیصلہ کرنا پڑا اور ۱۹۴۷ء میں انگریز چلے گئے اور ملک آزاد ہو گیا۔

مدنی کا بار بار تذکرہ فرماتے، ان کی عظمت، اخلاص اور دینی و ملی خدمات کی تحسین اور انکے نصب العین کی بھرپور تائید فرمایا کرتے تھے، حضرت مدنی کی ملاقات کے لیے دیوبند تشریف لے جایا کرتے تھے، حضرت مدنی بھی حضرت اقدس کی ملاقات کے لیے رائے پور تشریف لایا کرتے تھے، اکثر ایسا ہوتا تھا کہ حضرت مدنی کا کوئی دن سفر وغیرہ سے فارغ ہو جاتا تو سہاڑ پور تشریف لے جاتے اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کو ساتھ لے کر رائے پور پہنچ جاتے تھے، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنی حیات مبارک کے آخری دنوں میں بیماری کی حالت میں رائے پور تشریف لے گئے تھے، یہ ان کا زندگی میں آخری سفر تھا۔

مولانا مقبول احمد (ساہیوال) لکھتے ہیں کہ احقر ۱۹۴۶ء میں دارالعلوم دیوبند میں پڑھتا تھا، مارچ ۱۹۴۶ء کے اوائل میں اچانک حضرت رائے پوری کا والا نامہ جو مولانا حبیب الرحمن صاحب (رائے پوری) کے قلم سے تھا موصول ہوا، جس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے احقر سے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا پروگرام معلوم کیا تھا کہ آیا حضرت مدنی اس جمعہ کو دیوبند مقیم ہوں گے یا سفر کا ارادہ ہے، حضرت رائے پوریؒ نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ اپنے طور پر تحقیق کر کے جواب لکھیں، احقر عصر کے بعد حسب معمول حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی قیام گاہ پر حاضر ہوا، قبل مغرب جب مجلس برخواست ہوئی تو احقر نے حضرت سے دریافت کیا کہ حضرت اس جمعہ کو قیام ہوگا یا سفر کا نظام ہے؟ حضرت نے فرمایا کیوں پوچھتے ہو؟ میں نے عرض کیا، حضرت! ویسے ہی پوچھ رہا ہوں، ہنس کر فرمانے لگے کہ ”سی آئی ڈی تو نہیں ہو؟“ میں بہت گھبرایا، میں نے حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا مکتوب گرامی پیش کر دیا حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھا اور بوسہ دے کر پیشانی پر لگایا اور فرمایا کہ اس کا جواب میں خود تحریر کر دوں گا۔ اب مجھے تشویش ہوئی کہ حضرت رائے پوری خیال فرمائیں گے کہ مقبول رازداری سے کام نہ لے سکا اور اس خدشہ کو حضرت مدنی کے سامنے پیش بھی کر دیا، حضرت نے ازراہ شفقت فرمایا کہ اچھا تحریر کر دو کہ اس جمعہ کو انشاء اللہ قیام ہی ہوگا اور مجھ سے فرمانے لگے کہ جانا بھی ہوگا تو نہیں

جاؤں گا، جواب تحریر کر دیا گیا اور حضرت جمعہ کی صبح کو دیوبند تشریف فرما ہوئے اور اسی دن شام کی گاڑی پر سہارنپور واپسی ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے ہم عصر مشائخ میں جو مقام عطا فرمایا تھا اس کا اندازہ ذیل کے واقعات سے ہی ہو سکتا ہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح ”حکیم الامت“ میں مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم نے حضرت اقدس کے تھانہ بھون تشریف لے جانے کا تذکرہ کیا ہے اور اس بات کا بطور خاص ذکر کیا ہے کہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کو پہچاننے کے لیے حضرت حکیم الامت خود اسٹیشن تک گئے اور ان کے پیچھے ان کا ذکر خیر بار بار کرتے رہے مولانا عبدالماجد صاحب نے ”حکیم الامت“ میں اپنی تھانہ بھون کی ایک عارضی کے حالات میں لکھا ہے کہ :

”ایک خاص بات اب کی یہ رہی کہ ایک مجلس میں مشائخ قابل بیعت کا ذکر آ گیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت کے خیال میں اس وقت کون کون صاحب اس کے اہل ہیں۔ فرمایا کہ کسی وقت پرچہ پر لکھ کر دے دوں گا۔ چنانچہ اسی دن ایک چھوٹے سے پرزے پر یہ نو نام اسی ترتیب سے لکھے ہوئے مرحمت ہوئے۔“

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ان نوجلیل القدر مشائخ میں سربراہِ ست حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کا نام مبارک تحریر فرمایا۔

مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت کے سانہ غیر معمولی تعلق اور ارتباط رکھتے تھے اور بڑے بلند کلمات ارشاد فرماتے تھے، ایک بار فرمایا کہ جب میوات کا سفر پیش آتا ہے اور اس

میں سخت اختلاط و مشغولیت رہتی ہے تو میں اس کے بعد یا تو اعتکاف کرتا ہوں یا رلے پور چلا جاتا ہوں، رلے پور بڑے اہتمام کے ساتھ حاضر ہوتے، عرصہ تک معمول رہا ہے کہ کچھ دور سے پیادہ پا تشریف لاتے، اپنے اہل تعلق و خدام کو کچھ دن یکسوئی کے ساتھ ذکر کرنے کے لیے اور حضرت کی صحبت سے مستفیض ہونے کے لیے بڑے اہتمام سے بھیجتے تھے، تبلیغی جماعتوں کو بھی اہتمام کے ساتھ روانہ کرتے اور بالعموم انہیں لوگوں کو امیر بناتے جو ذکر سے مانوس اور بزرگوں کی خدمت میں رہنے کے آداب سے واقف ہوتے لے

بہٹ کا واقعہ ہے (مغرب کی) ناز سے فارغ ہونے کے بعد مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نوافل و ابین میں مشغول ہو گئے، مولانا کا معمول طویل قرأت کا تھا اور ویر میں فارغ ہوتے تھے، حضرت رلے پوری حسب معمول مغرب کی سنتوں سے فارغ ہو کر چارپائی پر تشریف لے آئے، مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی دو یا دوسری دو رکعتوں کے بعد خلافت معمول جلد سلام پھیر لیا اور بڑے بڑے قدم اٹھاتے ہوئے تیزی کے ساتھ حضرت کی طرف آئے اور فرمایا کہ حضرت میری نفلوں سے تو آپ کے پاس بیٹھنا زیادہ فضل ہے یہ

حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن دنوں لاہور میں تشریف فرما ہوتے حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ زیارت کے لیے تشریف لایا کرتے تھے، جب حضرت لاہوری کے پہنچنے کی حضرت اقدس کو اطلاع ہوتی یا خود دور سے دیکھ دیتے تو اگر خدام سے کوئی بات ہو رہی ہوتی تو حضرت اقدس فرماتے کہ خاموش ہو جاؤ حضرت تشریف لے آئے ہیں، حضرت لاہوری بہت ادب سے حاضر ہوتے مصافحہ کر کے خاموشی سے مراقب ہو کر بیٹھ جاتے، اگر حضرت اقدس کوئی بات دریافت فرماتے تو بڑے ادب کے ساتھ آہستگی سے جواب دیتے، حضرت اقدس سے اجازت لے کر واپس جاتے تو سیدھا پیچھے کو چلتے باہر جا کر دروازہ سے ایک

طرف ہو کر پیٹھ پھیرتے تھے، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حضرت اقدس کی طرف پیٹھ کر کے چلے ہوں،
 ”جب حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ مودودی صاحب کے غلط عقائد و نظریات
 کے خلاف مضامین لکھ کر اخبار میں چھپوا رہے تھے، ایک مجلس میں کسی نے سوال کیا
 کہ آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں تو حضرت لاہوری نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس دو
 سندیں ہیں ایک حضرت مدنی اور ایک حضرت رسلے پوری، یہ دونوں بزرگ فرماتے
 ہیں کہ احمد علی! تو حق پر رہے اس لیے میں مطمئن ہوں کہ میں حق پر ہوں۔“
 قاری محمد اسحاق صاحب بیان کرتے ہیں :

”ایک مرتبہ حضرت دہلے پوری کا خط میرے نام آیا، اس میں حضرت مولانا احمد علی
 صاحبؒ کے نام سلام بھی تھا، میں مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا تو حسب معمول
 ملاقات کرنے والوں کا بڑا مجمع تھا مجھے دیکھا تو فرمایا کہ آپ ٹھہریے جلیے گا نہیں،
 میں انتظار کرتا رہا، جب فراغت ہوئی تو مجھے اس چھوٹی مسجد میں لے گئے جو بڑی
 مسجد تھی جانب جنوب ہے اور ابتداء میں وہی مسجد تھی، اندر لے جا کر دروازے
 بند کر لیے، پھر مجھ سے فرمایا کہ آپ کیا کہتے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت کا خط
 آیا ہے اس میں آپ کو سلام لکھا ہے، حضرت کا نام سنتے ہی بے اختیار رونے
 لگے پھر فرمایا کہ خط مجھے دے دیجئے میں رکھوں گا چنانچہ میں نے خط پیش کر دیا۔
 حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ ارادت میں مختلف سیاسی فکر
 کے لوگ شامل تھے، جمعیتہ علماء ہند، مجلس احوار اسلام، کانگریس اور مسلم لیگ کے نمایاں اور زوردار
 لوگوں کا حضرت اقدس سے بیعت کا تعلق تھا، مجلس احوار اسلام کے بانی راہنماؤں میں سے حضرت

امیر شریعت مولانا تید عطار اللہ شاہ صاحب بخاری اور حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کو زیادہ قرب اور اختصاص حاصل تھا، حضرت اقدس کی مجلس میں جدید علماء اور صلحا کا مجمع ہوا کرتا تھا، روحانی افادہ و استفادہ کے ساتھ دینی و سیاسی مسائل پر گفتگو بھی ہوا کرتی تھی، کسی مسئلے کے متعلق سوال کیا جاتا تو آپ دوسرے علماء کی طرف محول فرماتے، بعض کا جواب خود ارشاد فرماتے تھے، آپ کے یہ ارشادات مختصر اور جامع ہوا کرتے تھے، بعض اوقات ضرورت کے مطابق تفصیل بھی ہوتی تھی، یہ کتاب جو آپ کے ہاتھوں میں ہے اس میں حضرت اقدس کے ایسے ہی مجلسی ارشادات ہیں

چالیس سال سے زیادہ مدت حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ رائے پور کی مسند ارشاد پر جلوہ فرما رہے، لاکھوں بندگان خدا آپ کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوئے، تقسیم کی وقت ہندوستان کے بہت سے علاقوں سے مسلمان ترک وطن کر کے پاکستان آ گئے تھے، جن میں حضرت اقدس کے متوسلین بھی بہت بڑی تعداد میں تھے، پاکستانی متعلقین کی ولذاری کے لیے آپ پاسپورٹ پر رائے پور سے پاکستان تشریف لایا کرتے تھے، کئی کئی مہینے پاکستان میں آپ کا قیام ہوا کرتا تھا، میانوالی بھی دو دفعہ تشریف لائے تھے، یہ احترام کارہ کی تعلیم کا زمانہ تھا اللہ تعالیٰ نے اسی موقع پر میانوالی میں حضرت اقدس کے مبارک ہاتھوں میں ہاتھ دینے کی سعادت نصیب فرمائی، شروع میں حضرت اقدس کا زیادہ وقت ڈھڑیاں، سرگودھا، فیصل آباد اور لاہور میں گزرا کرتا تھا، اہل تعلق کے تقاضے پر دوسرے مقامات پر بھی کچھ وقت کے لیے تشریف لے جاتے تھے، حضرت اقدس جہاں بھی ہوتے مہمانوں کا ہجوم ہو جاتا تھا، ڈھڑیاں میں مہانداری کا انتظام مولانا عبد الرحمن صاحب، مولانا عبد الجلیل صاحب اور مولانا عبد الوحید صاحب کے سپرد ہوا کرتا تھا، سرگودھا میں حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر قیام ہوتا تھا، فیصل آباد سنت پورہ میں مولانا محمد صاحب کو اور خالصہ کالج میں مولانا انیس الرحمن صاحب فرزند مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کو میزبانی نصیب ہوا کرتی تھی لاہور میں تقسیم سے کچھ عرصہ بعد تک مولانا عبد اللہ صاحب فاروقی کے ہاں قیام ہوا کرتا تھا، مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے یہ

جگہ تنگ ہو گئی تو جیل روڈ پر صوفی عبد الحمید صاحب مرحوم کو یہ سعادت حاصل ہونے لگی، آخری ایام میں شملہ پہاڑی کے نزدیک حاجی متین احمد صاحب کی کوشش میں قیام ہوتا تھا اور اسی کوشش میں ۱۶ اگست ۱۹۶۲ء کو آپ کی روح مبارک نے قفس عنصری سے پرواز کی، ڈھڑیاں میں آخری آرام گاہ بنی، حضرت اقدس نے حیات مبارک کے آخری دنوں میں حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا، جنہوں نے تیس سال تک سلسلہ مبارک کی ترویج و اشاعت کی، ہزاروں لوگوں کو اللہ کا نام بتایا، ۳ جون ۱۹۹۲ء کو دنیا سے سفر کیا اور ریلے پور میں اپنے نانا حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب کے پہلو میں آخری آرام گاہ نصیب ہوئی۔

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی اہل تعلق اور خاندان کے متقیم حضرات میں حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب ریلے پوری بھی تھے، پٹیالہ کے راجپوت تھے، خاندانی تعلق سکھ مذہب سے تھا، اللہ تعالیٰ نے مولانا کو اسلام کی دولت سے نوازا، مضائب و آلام کا نشانہ بنے، گھر بار چھوڑ کر خانیپور (انبالہ) میں آ گئے، اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کا علم بھی عطا فرمایا، حضرت اقدس سے روحانی تعلق نصیب ہوا اور ریلے پور کو اپنا مستقل وطن بنالیا۔

مولانا حبیب الرحمن صاحب نے چند سال حضرت اقدس کی مجالس اہل قلم بند کئے تھے، حضرت اقدس اپنی مجلس میں جو کچھ ارشاد فرماتے مجلس کے اختتام پر ایک طرف بیٹھ کر مولانا کو لکھ لیا کرتے تھے، مولانا قابل اعتماد حافظہ کے مالک تھے حضرت اقدس کے حالات اور ارشادات کا اچھا خاصہ ذخیرہ جمع کر لیا تھا، اب سے پندرہ سولہ سال پہلے مولانا حبیب الرحمن صاحب نے پاکستان کا آخری سفر کیا تھا اور حسب معمول کلکتہ بھی تشریف لائے تھے، حضرت اقدس کے قریبی عزیز اور مجاز طریق حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب مدظلہ اور احقر ناکارہ مولانا کی ملاقات کے لیے کلکتہ گئے، ایک مجلس میں مولانا حبیب الرحمن صاحب کے فرزند حکیم محب الرحمن مرحوم نے مولانا سے ان مسودات کے بارے میں پوچھا کہ ان کا کیا کرنا چاہیے

مولانا نے مولانا عبدالرحمن صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ مالک ہیں ان کو دیدو اس طرح یہ قیمتی ذخیرہ ہمارے ہاتھ آیا، سب سے پہلے ان مسودات کی مکمل نقل کی گئی، پھر انہیں اول سے آخر تک کئی بار پڑھا اور ارشادات منتخب کر کے الگ نقل کئے، ترتیب تاریخی رکھی، تلمیض اور ترتیب مکمل کرنے کے بعد کتاب کا مسودہ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز حضرت سید انور حسین شاہ صاحب نفیس مظلہ کی خدمت میں پیش کیا، حضرت شاہ صاحب نے پورے مسودے کا مطالعہ کر کے کاتب کے حوالے کیا، کتابت مکمل ہو کر آئی، احقر نے تصحیح کی، حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب مظلہ، حضرت سید نفیس صاحب اور احقر نے لاہور میں مل بیٹھ کر کتاب کی آخری خواندگی کی، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے مولانا محمد عبداللہ صاحب مکیہ اور مولانا محمد یوسف صاحب جند النوالہ کو، ان دونوں عزیزوں نے مسودات کے نقل کرنے میں احقر کی مدد کی اور اپنے تمام کاموں پر ترجیح دے کر مسودات کو بروقت نقل کیا، اللہ تعالیٰ اس کتاب کو اپنے بندوں کے لیے نافع بنائے، صاحب ارشادات، جامع، مرتب اور تمام معاونین کے لیے خیرات جاریہ اور اپنی رضا و قرب کا ذریعہ بنائے، آمین

احقر کا کارہ :

محمد عبداللہ کان اللہ

مہتمم مدرسہ دار الہدیٰ مسجد عمر فاروق بک

۱۶ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ / ۱۶ اپریل ۱۹۹۵ء

۱۔ مکتاب میں حضرت اقدس مولانا

شاہ عبدالقادر صاحب رانی پوری رحمۃ اللہ علیہ

کے صرف وہ ارشادات ہیں جو مولانا حبیب الرحمن صاحب

رانی پوریؒ کے مسودات سے نقل کیے گئے ہیں۔

۲۔ ارشادات کے ضمن میں مولانا حبیب الرحمنؒ نام کے

دو بزرگوں کا ذکر آئے گا۔ مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی اور مولانا

حبیب الرحمن صاحب رائے پوری، اول الذکر کے ساتھ ہر جگہ لدھیانوی

لکھا ہوگا۔ مولانا حبیب الرحمنؒ رائے پوری کے نام کے ساتھ کہیں

رائے پوری لکھا ہوگا کہیں نہیں لکھا ہوگا، لہذا جہاں

صرف مولانا حبیب الرحمنؒ لکھا ہو وہاں

مولانا رائے پوری سمجھے جائیں۔ (مترتب)



۴ رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ مطابق ۲ اگست ۱۹۲۶ء مقام رائپور

ایک صلح نے حضرت والا سے دریافت کیا کہ صحبت کا اثر مستلمات سے شمار ہوتا ہے۔ مگر لوط علیہ السلام کی بیوی، نوح علیہ السلام کی بیوی اور فرعون کی بیوی کا قصہ ظاہر کرتا ہے کہ اثر ہونا لازمی نہیں۔ اس پر حضرت اقدس نے جو فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ صحبت میں مناسبت شرط ہے اور عناد موانع میں سے ہے یعنی اگر صحبت اٹھانے والے کو جس کی صحبت اٹھا رہا ہے اس سے مناسبت ہے اور ضد نہیں تو صحبت کا اثر ہوگا۔

نیز فرمایا کہ پیغمبر الیہ خاندان میں پیدا ہوتے ہیں جو قوم میں ایسا ہو کہ لوگوں میں اس خاندان کی عزت ہو اور لوگ اس کے اتباع کو پسند کرتے ہوں اور اس خاندان میں سب سے زیادہ خوبیاں ہوں تاکہ پیغمبر کو لوگ طبعاً پسند کرتے ہوں، پیغمبر کے قومی اخلاق پسندیدہ

خوبیوں کے ہوں اور جو باتیں نخوت و تکبر وغیرہ کی خاندان میں ہوں وہ پیغمبر میں نہیں ہوتیں تاکہ اس سے لوگوں کو خاندانی اور قومی تصادم کم سے کم ہو بلکہ نہ ہو اور پھر اسی قوم میں سے اس پیغمبر کے مخالف اور خاندان میں سے اس کو رد کرنے والے ہو اکوتے ہیں تاکہ ان میں سے جو متاثر ہوں ان کی لوگ سند پکڑیں کہ یہ مان گئے تو ہم کو کیا مار ہے۔ اتنی مخالفت شدید کے بعد جو مانے ہیں تو پیغمبر میں واقعی خوبی ہے ورنہ یہ کیوں مانتے۔

نیز فرمایا بہت سے ایسے پہلو جو پیغمبر سے مناسبت طبعی رکھنے والے اور شہادت کو رد کرنے والے ہوں خدا تعالیٰ ظہور میں لاتا ہے جو پیغمبر کی دنیاوی زندگی کے بعد کے زمانہ میں زیادہ اثر لینے میں کارگر اور سند بن سکیں۔ پیغمبر کے ہاتھ پر معجزات کا سرزد ہونا اور پہلے پیغمبروں اور ان کے متبعین کے اقوال و ارشادات کا مواد جسے پیشینگوئی سے تعبیر کر سکتے ہیں یہ شرائط بھی مناسبت پیدا کرنے میں مؤید ہوتے ہیں لہٰذا جو لوگ مخالف رہیں ان کے واقعات بھی آئندہ کو مزید دلائل نبوت مہیا کر دیوالے ہوتے ہیں۔

۵۔ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ مطابق ۳ اگست ۱۹۴۶ء مقام رائپور

فرمایا: ہماری جماعت کے بزرگوں میں اخلاق تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے عالی اخلاق تھے جن کو ہم میں سے بھی کہی نے دیکھا ہوگا۔ حضرت شیخ الہند کا میں زمانہ طالب علمی

۱۔ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ۔

۲۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ۔

سے معتقد ہوں اور اپنے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ان کا معتقد پایا تو اپنا اعتقاد اور بھی حضرت شیخ الہند پر بڑھ گیا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی میں معتقد ہوں اور حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کو بھی میں نے سراپا اخلاص پایا یہ سب حضرات اب نہیں رہے۔ میں اب اپنی جماعت میں حضرت مدنی مدظلہ العالی کا بہت معتقد ہوں اور ان کو سراپا اخلاص اور حق پر سمجھتا ہوں۔

ہمارے حضرات کا مسلک خود حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے جو کچھ ہم نے سُن اور دیکھ رکھا ہے اور اس سے پہلے قرآن شریف کے استاد اور پھر گوگیر اساتذہ کا جو اثر پڑا اس سے جو ذہن میرا بنا ہے میں اس میں مجبور ہوں اس لیے لگ سے مجھے کوئی منہ نہیں ہوئی بلکہ ہمیشہ ان لوگوں کے خلاف ہی ذہن رہا۔ جو ذہن پچاس سال میں میرا بن گیا ہے وہ لگ کے خلاف ہے۔ ان کی کوئی بات مجھے صحیح معلوم نہیں ہوتی خواہ ہمارے بعض حضرات کو اچھا لگے یا نہ لگے میں اب معذور ہوں۔

ہمارے حضرات کے ہاں زیادہ اخبار تو نہیں پڑھے جاتے تھے مگر یہ سلسلہ تھا خود ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تھا اور مجھے بھی یہ مرض ہے۔ اب اخبار بند ہیں ورنہ جی چاہتا رہتا ہے کہ کوئی خبر ہو تو رات و صبح سے پوچھوں اسی طرح یہ

۱۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔

۲۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

۳۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

۴۔ رائے پور میں رلو فضل الرحمن صاحب حضرت کو روزنامہ الجمعیت دہلی سے

خبریں سنایا کرتے تھے۔

سیاسی گفتگو بھی ہے میں خود بھی تو اس مرض میں مبتلا ہوں۔ ذکر کے سوا میں بھی تو ادھر ادھر جھانک لیتا ہوں کیا کروں ایک دیرینہ عادت ہے۔ جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں بھی تھی۔

۶ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ ۴ اگست ۱۹۴۶ء مقام رائپور

فرمایا کہ جب آئندہ کا تصور کرتا ہوں تو سخت بے چین ہو جاتا ہوں۔ بعض اوقات میری نیند اڑ جاتی ہے۔ کیونکہ لوگوں پر دہریت کا غلبہ ہوتا جا رہا ہے دہریت کی طرف تو ساری دنیا جا رہی ہے مگر روس مذہب کے حق میں بیضہ اور انگریزوں نے ہندوستان کی آزادی سے ہو سکتا ہے کہ ملک فارغ البال ہو جائے مگر مذہبی ترقی یا مذہبی بچاؤ کی کوئی تحریک اس وقت موجود نہیں اور برائے نام اگر موجود ہے تو وہ ایسے حالات اور حیثیت میں نہیں کہ کارگر اور کامیاب ہوتی نظر آتی ہو۔ سیاست پر مذہبی لوگوں کے قبضہ کئے بغیر کوئی صورت مذہب کے بچاؤ کی نہیں ہو سکتی۔ مذہب اگر ہے تو علماء سے ہے اور مسلم لیگ اگر کامیاب ہو جائے وہ بھی باوجود مسلمانوں کی جماعت کہلانے کے مذہب کو اوروں کی نسبت زیادہ کامیابی سے مٹا دے گی۔ قادیانی مذہب کے لوگ مسلم لیگ کے ساتھ اسی لیے ہوئے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں میں قادیانیت کی ترقی علماء کا وقار مٹانے پر ہوتی ہے اور علماء کا وقار مٹنا لیگ مٹا ہی ہے اتنا اور کوئی نہیں مٹا رہا۔

۷، رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ ۵ اگست ۱۹۴۶ء رائپور

فرمایا: میں نے حضرت فیخ الہند کی زبانی خود سنا ہے وہ ہمارے حضرت کے سامنے بیان فرما رہے تھے کہ حضرت مولانا انور شاہ صاحب اور مولوی عبید اللہ صاحب دونوں کی بڑی استعداد ہے۔

حضرت لمولوی عبید اللہ دہلی جا رہے ہیں۔ میں نے ان کو کہہ دیا ہے کہ وہاں کوئی ایسی بات نہ کرنا جس کو عام طور پر لوگ سمجھ نہ سکیں اور شور ہو کہ تمہاری باتوں کو میں ہی سمجھتا ہوں اور کوئی یہاں نہیں سمجھتا اور مولوی کفایت اللہ صاحب بھی مستعد ہیں۔ میں نے ان کو کہہ دیا ہے کہ مولوی عبید اللہ صاحب کو روکتے ٹوکتے رہیں تاکہ وہ کوئی لمبی بات بیان کرنا نہ شروع کر دیں جس کا عام طور پر سمجھا دشوار ہو اور شور و شر پیدا ہو جائے۔ میں نے ان کو حدیث پڑھانے کو کہا ہے کیونکہ حدیث پڑھانے میں آدمی کھل جاتا ہے۔

۸، رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ ۶ اگست ۱۹۴۶ء رائپور

فرمایا حاجی عبدالرحمن صاحب نو مسلم میواتی مرحوم تھے ان کو کچھ اللہ نے ایسا ملکہ

۱۰ حضرت علامہ العصر مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

۱۱ امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ۔

۱۲ مفتی اعظم مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

دیا تھا کہ جس ہندو کے پاس بیٹھتے تھوڑی دیر میں اس کو اسلام کے لیے گرویدہ کر لیتے۔
 انہوں نے غالباً دو تین ہزار لوگوں کو زندگی میں مسلمان بنایا تھا وہ بہت نیک
 تھے ان کی نیکی کا بھی اثر ہوتا تھا نماز اور نوافل سے مناسبت تھی۔ ایک دفعہ میں لدھیانہ
 تھا کہ وہ ایک نو مسلم کو لینے لائل پور یا پنجاب کا کوئی اور مقام فرمایا وہاں تک گئے مرحوم
 کہا کرتے تھے کہ اسلام سچا ہے مگر مسلمان کو ٹری کے نہیں۔ مرحوم ایک دفعہ ایک نو مسلم
 کنبہ کو چھوڑ کر حضرت نظام الدین بستی سے کسی کام کہیں گئے تو اس کنبہ کی وہاں کسی نے
 کوئی خبر وغیرہ نہ لی جب حاجی صاحب مرحوم آئے تو وہ کنبہ وہاں نہیں تھا جس سے
 پوچھتے وہ لاعلمی ظاہر کرتا۔ آخر حاجی صاحب نے ایک دھوبی سے جس کے پاس اس
 نو مسلم کنبہ کا بڑا آدمی حقہ پیا کرتا تھا دریافت کیا۔ دھوبی نے بھی لاعلمی ظاہر کی مگر پتہ بتایا
 کہ ہاں وہ دہلی شہر جانے کو کہتے تھے چنانچہ حاجی صاحب نے گیسو سے کپڑے رنگوا
 لیے۔ یعنی ہندو سادھوؤں کا بہروپ بھر کر دہلی کے ایک دھرم سالہ میں گئے۔ وہاں
 کے منتظم یا نگران سے باتوں باتوں میں مذہبی گفتگو میں مسلمانوں کے سوالات در سوالات
 کرتے رہے کہ ہمارے گاؤں کے مسلمان ہم سے یوں بات کرتے ہیں۔ جب وہ بند
 ہو گیا تو اس نے کتاب دیکھ کر دوسرے وقت جواب دینے کو کہا۔ حاجی صاحب
 نے بات ٹلا کر کہا کہ مسلمانوں نے ہمارے ایک گاؤں کے فلاں آدمی اور اس کے کنبہ کو
 مسلمان کر لیا ہے اور نظام الدین بستی میں ان کا پتہ چلا ہے ہو سکے تو تم ان کو شہر کر دو
 اس نے کہا کہ وہ تو شہر ہو چکے ہیں۔ حاجی صاحب نے کہا وہ تو شہر نہ ہوئے جب
 رسہ کر اس نے یقین دلایا تو حاجی صاحب نے کہا وہ پھر کہاں ہیں اس نے گوروں

کاپتہ بتایا جو گر وکل میوات کے راستے پر دہلی کے باہر بنا ہے۔ حاجی صاحب وہاں گئے اور وہاں کے نگران اور منتظم سے مل کر کئی دن وہاں رہے آخر اس کنبہ کو تلاش کیا ان کے پاس گر وکل میں رہے اور سمجھا بھجا کر دوبارہ اسلام میں لائے اور وہاں سے یہ سب ملے حاجی صاحب پانی موافق نہ آنے کے بہانے سے اپنے گاؤں واپس جانے کو کہہ کر بستی نظام الدین پہنچے اور اس کنبہ کو پھر کہیں چھوڑا۔ حضرت والا نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے کئی مرتبہ مولانا حبیب الرحمن صاحب (لدھیانوی) اور شاہ صاحب سے عرض کیا کہ آپ اہل لوگ ہیں نو مسلموں کے لیے کوئی تربیت گاہ کا انتظام کرو۔

حضرت سے مولوی حبیب اللہ صاحب گمانوی نے عرض کیا کہ حضرت مولوی شبیر احمد صاحب نو مسلم جو مظاہر علوم کے فارغ ہیں اور ان کے خیالات خراب ہو گئے تھے وہ حضرت کی صحبت سے درست ہوئے تو تبلیغ آپ حضرات ہی اچھی کر سکتے ہیں۔ حضرت والا نے فرمایا اس میں میوہ کچھ نہیں تھا اساتذہ کی توجہ سے ہوا اور اصل ہادی اللہ تعالیٰ ہے ایک ہندو سا دھو کی نظر سے ان مولوی صاحب کے خیالات پراثر پڑا۔ وہ کہتا تھا کہ میرا دل واپس والدین کے پاس مرتد ہو کر چلے جانے کو ہو گیا تھا اور اس ارادہ سے میں نے کتابیں مدرسہ کی کتب خانہ میں داخل بھی کر دی تھیں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ ایسے حالات پیش آئیں تو اللہ کے کسی بندہ کے پاس جانے سے نفع بھی ہو جاتا ہے اور یہی کرنا چاہیے۔ باقی اختیار سوا اللہ تعالیٰ کے کسی کا نہیں۔ کسی نے پوچھا کہ

۱۔ امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب گمانوی رحمۃ اللہ علیہ جو ریاست بہاولپور کے بڑے عالم اور بزرگ تھے۔ طاہر والی کا معروف مدرسہ انہی کا قائم کیا ہوا ہے۔

حضرت اگر کسی کے تصرف سے خیالات بگڑ جائیں تو جس پر اثر ہوا اس کا تو کوئی قصور نہیں اور وہ عند اللہ معذور ہے یا نہیں حضرت والا نے فرمایا اس کا علاج جاننے والوں سے دریافت کر کے اس پر عمل کرنا اس کے اختیار میں ہے اور فرمایا کہ ہر شخص کو ہر شخص سے نفع نہیں ہوا کرتا جس کی استعداد اونچی ہو ویسا ہی اس کو ہادی ملے تو نفع ہو اور ہم مسک بھی ہو کہ مناسبت ہو تو نفع ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر فرمایا مولوی حبیب الرحمن رائے پوری کو کسی تحریک والے سے ہی نفع ہوگا۔ دوسرے کے پاس جو تحریک کے خلاف ہو خواہ وہ کتنا بڑا بھی ہو اس سے عدم مناسبت کی وجہ سے نفع نہیں ہو سکتا۔

۹۔ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۸ اگست ۱۹۴۶ء مقام رائے پور

رات کی مجلس میں حضرت والا نے فرمایا بغیر پوری توجہ کے کوئی کام نہیں ہوتا اور پوری توجہ سے عموماً اگر خدا کا فضل شامل حال ہو تو ایک ہی کام ہو سکتا ہے۔ جس طرح آپ حضرات یہ رمضان کا مہینہ یہاں رات دن ایک ہی خیال میں گزارنے کی کوشش کرتے ہیں اگر اسی طرح ایک زمانہ گزر جائے تو توجہ الی اللہ پیدا ہوتی ہے۔ ایک مہینہ سے کچھ نہیں ہوتا ہاں اگر پوری توجہ سے کام لے تو تھوڑے ہی عرصہ میں آثار ذکر کے پیدا ہو جاتے ہیں جو حالات بدلنے پر جاتے بھی رہتے ہیں پختگی بڑی مشکل سے پیدا ہوتی ہے حضرت بہاؤ لنگری علیہ الرحمۃ (یعنی حضرت مولانا مولوی اللہ بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو بہاؤ لنگر کے متصل جٹو والے عرف دین پور رہا کرتے تھے مراد ہیں) کو بیعت ہونے کے پانچویں روز فتوح باب

ہو گیا تھا۔ فرماتے تھے کہ میرا حجرہ ذکر کے وقت روشن ہو جاتا تھا۔ آپ دہلی میں بہرکن کی مسجد کے حجرہ میں تشریف رکھا کرتے تھے اور پڑھاتے تھے فتوح باب کی اور بھی باتیں تھیں مگر انہوں نے خود اپنا حال سنایا کہ جب آپ بہاولنگر کے متصل یعنی اپنے گھر چلے گئے تو وہاں حکام بھی آیا کرتے تھے مگر ایک مولوی صاحب نے اپنی لڑکی کی شادی آپ سے کر دینے کا وعدہ کیا کچھ روپے بھی آپ سے لیے اور پھر شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کا تذکرہ بعض آئے والے حکام سے یونہی سا ہو گیا تو انہوں نے کہا کہ حضرت ایک درخواست دے دیں تو سب کچھ ذرا سی دیر میں ہم خود کر لیں گے حضرت بہاولنگری رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ میں ان کے کہنے میں آگیا اور درخواست دینے گیا تو عرضی نوایس نے ۸ روپے کر درخواست لکھی۔ ہم نے کہا کہ ۸ روپہ کوئی بات نہیں پھر تو ایسا ہوا کہ جو لوگ دو دو گھنٹے میرے انتظار میں میزے دروازے پر رہتے تھے اب میں ان کے دروازے پر دو دو گھنٹے انتظار کرنے پر مجبور ہو گیا اور کیا کرایا سب ایسا ہو گیا کہ گویا کیا ہی نہیں تھا یہ حالت حضرت بہاولنگری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو لکھی تو حضرت نے فرمایا کہ مولوی صاحب جانے دو۔ چنانچہ اس پر حضرت بہاولنگری نے وہ مقدمہ بیچ میں ہی چھوڑ دیا اور یکسو ہو گئے مجھے حضرت بہاولنگری رحمۃ اللہ نے یہ حال اس مقدمہ کے ایک یا دو سال بعد سنایا تھا۔ فرماتے تھے کہ چھوڑنے کے بعد اب تک بھی وہ بات نہیں ہوئی جو مقدمہ سے پہلے تھی۔ لہذا اس رشتہ میں جس نے گنا ہو وہ اپنے نفع نقصان دنیوی سے بے پرواہ ہو کر لگے۔ خصوصاً وہ لوگ جن کے متعلق یہ امید ہو کہ ان سے لوگوں کی ہدایت کا کام لیا جاسکے گا۔ ان کو مشائخ تمام دیگر مشائخ اور دنیوی نفع نقصان کے خیال سے بھی انگ رہنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ ہاں یہ سب

کے لیے نہیں کیونکہ دنیا میں بھی رہنا ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ چراغ جلائے کے لیے چراغ اتیل
جتی وغیرہ کئی چیزوں کا اہتمام کرنا پڑتا ہے مگر بھانے کے لیے ایک پھونک کافی ہوتی
ہے۔ ایک برسی نظر بھی کسی طرف ڈالنا سب کچھ برباد کر سکتا ہے۔ فحشی منظر صاحب
بہت والوں نے دریافت کیا کہ حضرت ہم جیسے لوگ جو عالمی ہیں ان کو بھی ذکر کرنے
سے کچھ فائدہ ہوتا ہے جو اور مشاغل چھوڑ نہیں سکتے۔ فرمایا ہاں کیوں نہیں ضرور
ہوتا ہے کیونکہ انسانی ترقی تو قبر میں بلکہ پھر جنت میں بھی جاری رہے گی اور چونکہ باری
تعالیٰ کی ذات و صفات لامتناہی ہیں لہذا انسانی ترقی تو کبھی ختم نہ ہوگی مگر ذکر سے
جس کی زندگی کی رفتار اور اس کا رخ ٹھیک ہو جاتا ہے وہ فائدہ ہی ہے کہ مرنے
کے بعد اپنا کام جاری رکھے گا۔

شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مرنے کے بعد جب تک
دماغ نہیں سڑتا گلتا اور گھڑتا اگر مردہ کو زندہ کر دیا جائے تو وہی خیالات جو پہلے
تھے پھر ظاہر ہوں گے مگر جس نے توجہ الی اللہ حاصل کر لی جس درجہ کی بھی ہو تو جسم گل سڑ
جائے اور مٹی بن جائے مگر روح میں جو حکم ہو گیا ہے وہ اپنا کام کرے گا اور انسان
ترقی کرتا جائے گا۔ یہ جو جنت میں کھانے کے پھلوں کا ذکر ہے کہ ہر کھانا پہلے کھانے
سے زیادہ لذیذ ہو گا یہ ترقی ہی تو ہے اور جنت میں جو کھانوں کا ذکر ہے سو مثال ہے
ورنہ وہ تو ادھر ہی کچھ ہے ہو سکتا ہے وہی کچھ شروع میں کھانوں وغیرہ شکل میں متحمل
ہو جائے ورنہ جنت میں یوں بھی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے دریافت فرمائیں گے
کہ اب اور کچھ چاہیے سب کہیں گے اور اب کیا چاہئے تو اللہ تعالیٰ اپنی قہر ڈالیں گے

جس کی لذت میں سالہا سال لوگ مست رہیں گے وہاں جنت میں بھی شروع میں نہیں پھر کہیں جا کر لوگ خدا تعالیٰ کی تجلی کے تحمل ہوں گے۔ اس سے پہلے ان کی تربیت ہوگی جس کو جنت کی نعمتوں سے تعبیر کیا ہے ورنہ حدیث شریف میں یوں بھی تو آتا ہے کہ جنت میں جو کچھ ہے نہ وہ کسی کان نے سنا نہ آنکھ نے دیکھا نہ کسی دل پر اس کا خطرہ گزرا اور گزر بھی کیسے سکتا ہے کہ وہاں کی چیزوں کو یہاں کی چیز سے مثال دی جائے۔ لہذا یہ کچھ مثالیں ہیں اور ہو سکتا ہے کہ شروع میں یہاں کی مناسبت سے وہاں بھی جنت کی نعمتیں کچھ ایسی ہی متحمل ہوں ورنہ خدا تعالیٰ جو اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہے بخل کیوں کرے گا مگر انسان تربیت پائے بغیر اونچی چیز کا تحمل نہیں ہو سکتا بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ یہاں جو تکلیف بھی پیش آتی ہے یہ بھی خدا تعالیٰ کی مہربانی اور تربیت ہے۔ دیکھتے نہیں کہ ماں دودھ پھڑانے کے لیے دودھ پر کوئی تلخ شئی لگاتی ہے اور جب انسان کو دودھ سے زیادہ اعلیٰ کھانوں کا چکا پڑ جاتا ہے پھر اسے اگر ماں کے دودھ کی طرف متوجہ کر دے تو کبھی آمادہ نہیں ہو سکتا۔ یہی حال جنت میں بھی ہوگا کہ جب انسان لقائے باری تعالیٰ کا اہل ہو جائے گا تو پھر جنت کی نعمتوں کو بھی بھول جائے گا اور ادر متوجہ نہیں ہوگا۔ احادیث میں ایسی بہت باتیں آئی ہیں اور حضرت والا نے متعدد آیات بھی پڑھیں جن میں ذکر تھا کہ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو سخت تکالیف اور آزمائشیں تربیت کے لیے بھیجیں اور فرمایا کہ کیا تم مجھ و اقرار ایمان پر ہی جنت میں چلے جاؤ گے اور بخشے جاؤ گے اور کیا تمہاری آزمائش نہ ہوگی اور جہاد و صبر و غیرہ کا ذکر ہے اور حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے سے محبت کرنے والوں کو جو فقر کا پتہ دیا ہے کہ ان پر تنگی آئے گی تو وہ آتی۔ حدیث میں ہے کہ بعض صحابہ نے فرمایا کہ ہم نے تو کچھ بھل بھی کیا یا مگر ہمارے بعض بھائی ایسی حالت میں دنیا سے سدھار گئے کہ انہوں نے فراخی کا نشان بھی نہ دیکھا اور یہ فراخی بھی ایسی تھی کہ وہ تو اس سے خود ایسے ہی کچھ متمتع ہوئے جیسا کہ حالات سے ظاہر ہے۔

دوبارہ فرمایا کہ بغیر پوری توجہ کے کوئی چیز پورے طور پر حاصل نہیں ہوتی اور جس سے مخلوق کو فائدہ پہنچنے کی امید ہو اس کو اپنے جائز دنیاوی نفع نقصان سے بھی اونچا ہو جانا چاہیے تب ہی نفع پہنچ سکتا ہے۔ خواہ پنجابی ہوں یا بنگالی علماء ان کو تبلیغ کرنی چاہئے اور تبلیغ حضرت دہلوی کی دراصل سلوک تھا چنانچہ غلو کو جلوت اور جلوت کو غلو سے بدلا کرتے تھے۔

وصال سے ایک دو سال پہلے تک تو یہی حال رہا خود بھی ایسا ہی فرمایا کرتے تھے کہ میں ایسا کرتا ہوں۔ عوام کا اثر خواہ تبلیغ کے سلسلہ میں عوام سے ملنا پڑے کہ دراصل وہ اپنی اصلاح کا سلسلہ ہے خواص پر بھی پڑتا ہے مگر خواص اسے جھاڑتے رہتے ہیں۔ جھاڑنا یہی کہ اول تو تبلیغ قاعدہ سے کی جائے کہ اور باتوں کی طرف توجہ کم کرنی پڑے اور پھر اعتکاف وغیرہ کر لیا اور ایک دفعہ حضرت دہلوی رحمہ اللہ سہارنپور تشریف لائے ہم بیٹھے اپنی سیاسی باتیں کر رہے تھے میں نے عرض کیا کہ ہماری باتوں سے اب آپ کو قبض ہوگی تو فرمایا کہ میں عوام کے اثرات کو جھٹلنے کے لیے صحبت اٹھانے آیا ہوں میں نے کہا تو یہاں صحبت اٹھانے تشریف لائے ہیں۔

پہلے تو میں بہت بدکاگر جب چند روز مولانا کو اپنے ہاں ٹھہرا کر زیادہ گفتگو کی تو معلوم ہوا کہ حقیقتہً باتیں کچھ ایسی نہ تھیں ہاں البتہ مولانا کی زبان پہلے مرحلہ میں سمجھ نہیں آتی تھی جس سے طبیعت الجھتی تھی۔

حضرت والا نے فرمایا کہ مسئلہ میں تو مولانا کا یہ طرز گفتگو نہ تھا جو ہندوستان اگر مولانا نے اختیار فرمایا۔ وہاں بہت نرمی سے اور اچھی طرح باتیں کہتے تھے۔ مگر یہاں طرز گفتگو سخت تھا۔

حضرت شیخ الہند جس کی تعریف کریں میں تو ان کے متعلق نیک گمان ہی کہتا ہوں۔ حضرت شیخ الہند کی سمجھ اور علم بہت گہرا تھا۔ حضرت مدنی بے شک بڑے بزرگ ہیں۔ مگر جو بات حضرت شیخ الہند میں تھی وہ بہت گہری تھی۔ لہذا مولانا عبد اللہ کے متعلق حضرت شیخ الہند کے اقوال کو سامنے رکھتے ہوئے میں تو مولوی عبد اللہ صاحب کو ایسا نہیں سمجھتا جیسا عام نکتہ چیں یا بعض حضرات فرماتے ہیں۔ مولانا کا اپنا علم بھی بڑا وسیع تھا۔ سیاسیات سے لگاؤ اس درجہ تھا کہ حضرت شیخ الہند نے اپنے تمام شاگردوں میں سے کابل جانے کے لیے مولانا کو ہی بھیجا مناسب سمجھا اگر حضرت شیخ الہند سے تعلیمی اور تربیتی تعلق نہ ہوتا تو شاید مولانا مسلمان بھی نہ رہتے کیونکہ وہ کسی کی تعلیم میں بات ماننے کے عادی نہ تھے۔ کہ مسئلہ میں بڑے بڑے نجدی عالم ان کے علم کے قائل ہو گئے اور ان سے بعض نے پڑھا بھی مگر ان کے سامنے اپنے آپ کو حنفی کہتے تھے۔ میں نے جب کہ شریف جانا ہوا مولانا کو بہت تلاش کیا نہ ملے پھر رات کو خود آکر ملے اور فرمایا کہ میں یہاں جج کے موقعہ پر چپا چپا رہتا ہوں ہر طرح کے لوگ اس موقعہ پر آئے ہوتے ہیں دانتہ میں لوگوں سے ملتا نہیں۔ میں نے عرض بھی کیا کہ آپ پڑھانا

میرا طریق اپنی طبیعت کے مطابق ذرا اور ہے اور ہر شخص کی طبیعت ہوتی ہے اس کے خلاف اس کو قبض پڑ جاتا ہے تو میں یہ سیاسی اور اور طرح کی باتیں طبیعت کی بحالی کے لیے بھی کیا کرتا ہوں۔ نیز میرے نزدیک تھوڑی تنہائی اختیار کر کے قلعہ یکسوئی کے بعد تبلیغ میں اپنی اصلاح کی نیت سے لگنا چاہیے اور آپ لوگ جو چلتے ہیں۔ آپ کو تبلیغ اپنے مشاغل کو ملحوظ رکھتے ہوئے کرنی چاہیے۔ میرے نزدیک بہت مفید اور ضروری ہے اور ہر شخص کی تبلیغ کا طریق اس کے مناسب حال جدا جدا ہے۔ مجھے تو ہر وقت کی تبلیغ سے قبض پڑ جائے تو میں بحالی طبع کے لیے اور باتیں بھی کرتا ہوں۔

۱۰ رمضان المبارک ۱۳۶۹ھ مطابق ۸ اگست ۱۹۴۶ء مقام رائپور

فرمایا: میں نے تو حضرت شیخ الہند سے مولانا عبید اللہ سندھی کی تعریف سنا ہے کہ وہ بہت مستعد ہیں امدان کی بہت ہی تعریف فرماتے تھے تو اب میرے خیال میں یہ ہے کہ مولانا کی بات سمجھنی دشوار ضرور تھی مگر بات صحیح کہتے تھے البتہ زبان ایسی بولتے تھے جس سے لوگ بدکھتے تھے۔ حضرت شیخ الہند بھی فرماتے تھے کہ میں نے مولوی عبید اللہ کو کہا ہے کہ تمہاری بات سمجھنے والا ہندوستان بھر میں بس میں ہی ہوں اس لیے لوگوں سے کوئی ایسی بات نہ کہنا جس سے وہ غلط فہمی میں پڑیں۔ مولانا مولوی محمد منظور نعمانی (ایڈیٹر الفرقان) سے بھی میں نے سنا ہے کہ مولانا کی باتوں سے

شروع کر دیں تو فرمایا کہ میں اب اپنے خیال سے لوٹنے والا نہیں میرے لیے لوٹنا ناممکن ہے یعنی سیاسی مشاغل سے یکسو نہیں ہونا چاہتا۔ اگر مولانا پڑھاتے تو نجدی جن میں قومیت کا اثر کم ہے آپ کی بڑی قدر کیا کرتے تھے اور پڑھنا چاہتے تھے نجدیوں میں قومیت کا اثر ترکوں سے بہت کم ہے وہ دوسری اقوام کے اہل کمال پر ابھی بھروسہ کرتے ہیں اور باوجود حنفی ہونے کے وہ ان سے استفادہ کرنے کو آمادہ بلکہ خواہش مند تھے۔ خواجہ صاحب نے یہاں یہ عرض کیا کہ حضرت مولانا مجھے چھوڑنے جدہ تک تشریف لائے وہاں ایک نجدی عالم سے مولانا کی گفتگو ہوئی۔ اس نے دریافت کیا آپ کا مسلک کیا ہے تو مولانا نے فرمایا کہ میں بہت بڑا متعصب حنفی ہوں اور اس کی باتوں کو جو اس سلسلہ میں ہوئیں چٹکیوں میں اڑا دیا وہ بیچارہ آپ کے علم سے باوجود بڑا عالم ہونے کے ششدر رہ گیا اور خواجہ صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ امام الائمہ ابو حنیفہ کے متعلق مولانا نے کسی مایہ میں ایک مضمون لکھا تھا دو نمبر پڑھ کر تو مولوی شمس الدین صاحب امرتسری اور اہل حدیث حضرات خوش ہوئے مگر چوتھا اور پانچواں نمبر پڑھ کر کہنے لگے کہ یہ تو کٹر حنفی ہیں۔ عزیز الرحمن نے عرض کیا کہ حضرت میں مکہ منظر میں بھی مولانا کے پاس کئی ماہ رہا ہوں وہاں بھی اگرچہ کچھ پوچھنے کی جرأت نہ ہوتی تھی اور اگر ہم لوگ پوچھتے تو جھڑکیاں کھاتے میں نے بھی یہی سمجھا کہ مولانا حنفی ہیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ حنفی فقہ ہندوستان کے مسلمانوں کی قومی فقہ ہے۔ حضرت ولانے بھی فرمایا کہ ہاں مولانا اسی کے قائل تھے کہ

لے خواجہ عبدالحی فاروقی

۲ مولانا عزیز الرحمنؒ ابن مولانا حبیب الرحمنؒ لودھیانویؒ

ہندوستان میں حقیقت کے سوا اور فقہ پر عمل کرنے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے۔

اس پر خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت جب پولیس نے تحریک شیخ الہند کے متعلق میرا بیان لیا تو مجھے کہا کہ تم کیوں درست نہیں بتاتے اور وہ نے تو یہ یہ بیان دیے ہیں۔ بلکہ اور وہ کے قلمی بیان دکھا دیے۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ ان کا پھلنا فروہ اور چپ بیٹھے رہنا بھی گمراہی کی بیانات والی تمام بات درست نہیں ہے۔ عزیز الزمکن کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ لدھیانہ میں ان کے والد مجھے اور ایک اور شخص کو ٹانگہ پر دوڑا لگے گئے اور وہاں جیل میں ان تیسرے صاحب نے حضرت سہارنپوری اور بعض اور حضرات کے متعلق بیان کیا کہ انہوں نے یہ یہ بیان دیے ہیں اور میں نے تحریریں ان کی دیکھی ہیں تو میں نے کہا کہ حضرت سہارنپوری کے متعلق تو میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ تمہارا بیان بالکل غلط ہے اور مجھے کچھ جوش بھی اس پر آگیا تھا جب تحقیق کی تو اہل حق کے متعلق بھی معلوم ہوا کہ پولیس نے غلط فہمی پیدا کرنے کو کسی طرح فرضی تحریریں بھی بنالی تھیں تاکہ دھوکہ دے کر بیان حاصل کر لے۔ چنانچہ بعض کو اس طرح دھوکہ بھی لگا ہاں مجھے یہ بیان کرنا ہے کہ مولوی عبید اللہ صاحب سے مکہ معظمہ میں ملنا ہوا تو میں نے یہ بھی دریافت کیا کہ یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت شیخ الہند پر آپ کا اثر تھا یہ کیا بات تھی۔ اس پر مولوی صاحب مرحوم روپڑے اور فرمایا کہ میرا اثر کیا ہوتا۔ خدا کی قسم اگر مجھے اب بھی یہ معلوم ہو جائے کہ حضرت شیخ الہند میرے کام سے ناراض ہیں یا خوش نہیں تو باوجود اس پختگی کے جو میں نے بیان کی میں فوراً اس کام سے رک جاؤں۔ اس لیے میں اسے چھوڑ کر اور کسی طرف توجہ نہیں کر سکتا۔

۱۱۔ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ مطابق ۹ اگست ۱۹۴۶ء مقام رائے پور

فرمایا، آجکل کی سائنس کی ترقیوں نے بہت سی قرآن و حدیث میں بیان کی ہوئی پیشینگوئیوں اور پہلے زمانے کے بعض معجزات کا سمجھا آسان کر دیا ہے۔ اگرچہ حقیقت کا علم تو کسی چیز کے واقع ہونے پر ہی ہوتا ہے۔ مگر اعتراض کرنے والوں کو اب گنجائش ایسی نہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت اڑتا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ہواؤں کو مسخر کر دیا تھا۔ اب خدا تعالیٰ نے بعض ہواؤں کو کہ گیس اور بھاپ وغیرہ بھی ہوائیں ہیں انہماں کے قابو میں کر دیا ہے کہ بڑے بھاری ہوائی جہازوں کو بے محنت آسمان میں اڑاتے لیے بھرتے ہیں۔ دجال کی سواری کا بھی ذکر آتا ہے۔ ایک صاحب نے کہا کہ چالیس دن میں روئے زمین پر پھر جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تو مجھوں ہوائی جہازوں سے بھی ہو سکتا ہے۔ جو آجکل میں ممکن ہے کوئی ایسی سواری نکلے کہ روئے زمین کا تفصیلی سفر بھی وہ کر سکے اور ہر جنگ کے بعد پہلے سے زیادہ تیز سواریاں ظاہر ہو جاتی ہیں اب اتنے والی جنگ کے بعد اس سے بھی زیادہ تیز سواریاں نکلیں گی۔ ترقی کی رفتار بہت بڑھ جائے گی یہاں تک کہ دجال کے متعلق جہاں ہے کہ وہ لوگوں کو زندہ کر سکے گا اور کہے گا کہ خدا بھی مارتا اور زندہ کرتا ہے اور میں بھی مارتا اور زندہ کرتا ہوں بس کافر و مؤمن کا یہی فرق ہے جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ وہ ہر کام کا خالق اللہ تعالیٰ کو سمجھتے ہیں اور کافر ایسا نہیں سمجھتا۔

جب دجال یہ کہے کہ میں مردوں کو زندہ کرتا ہوں۔ ممکن یہ نہیں گے کہ یہ تو خدا تعالیٰ کے قائم کئے ہوئے اصولوں کا انکشاف ہو جانے کی وجہ سے

ان کا استعمال ہے۔ جس پر نتائج مرتب کرنا خدا تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے اور دراصل جب چاہتے ہیں باری تعالیٰ ہی ایسا کرتے ہیں جیسے نطفہ کی پرورش کر کے بچہ بندنے کے جو مرحلے ہیں اگر ان کا صحیح انکشاف ہو جائے اور انسان ویسا ہی کہے تو جان جو پڑے گی وہ تو ہمارے عقیدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ ہی ڈالیں گے۔ انسان سمجھتا ہے کہ میں کرتا ہوں اور جب کامیابی نہیں ہوتی تو قرار دیتا ہے کہ کوئی نقص رہ گیا ہے۔ کسی صاحب نے کہا کہ روسی سائنسدان مردوں کو زندہ کرنے کے تجربات کر رہے ہیں گو ابھی کامیابی نہیں ہوئی مگر ہو سکتا ہے کہ کامیابی ہو جائے۔ حضرت والہ نے فرمایا کہ مشیت الہی پر موقوف ہے جب وہ چاہیں گے کامیابی ہو جائے گی اور لوگ جو اعتراضات کہتے ہیں کہ ہمارے پہلوں نے کوتاہی اور سستی کی ورنہ یہ ترقی ایجادات کی وہ کر سکتے تھے اس پر ہم کہتے ہیں کہ انسان کو شمس کتبہ ہے مگر کامیابی مشیت الہی پر موقوف ہے اس زمانہ میں مشیت الہی نہ تھی اب خدا تعالیٰ کو منظور ہے کہ یہ چیزیں بن جائیں

۱۲۔ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۰ اگست ۱۹۴۶ء مقام رائپور

رائپور کے ایک مہمان نے بیان کیا کہ جتنا انسانی جسم کم ہوتا جاتا ہے اتنی روحانی بڑھتی ہے اور جتنی جسمانی بڑھتی ہے روحانیت کم ہو جاتی ہے۔ اس پر جناب عزیز الرحمن صاحب لدھیانوی نے کہا کہ صحابہ کرام میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جیسوں میں جسمانی قوت بھی بہت تھی اور روحانیت بھی بہت تھی یہ کیا بات تھی۔ اس پر

حضرت والائے فرمایا کہ اسلام میں اخلاق کا انسلخ نہیں ہوتا بلکہ رخ بدلتا ہے جتنی طاقت ہو اس کو اگر رضائے الہی کے لیے استعمال کیا جائے تو وہ اخلاق حمیدہ ہیں اور اس کے خلاف اخلاق رذیلہ۔ جن میں زیادہ طاقت ہوتی ہے ان کا مجاہدہ بھی زور دار ہوتا ہے اور ان پر حالت بھی بہت عجیب آتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے سخت تھے مگر اسلام کے بعد وہ سختی مخالفین اسلام کے لیے ہو گئی باہمی طور پر کچھ نہ رہی یہ ٹکڑا بھی بھی یاد ہے: خیاد کفر فی الجاہلیۃ خیاد کفر فی الاسلام۔

عزیز الرحمن نے عرض کیا حضرت اخلاق پیدائشی ہوتے ہیں یا کیا۔ حضرت والائے فرمایا اخلاق پیدائشی ہوتے ہیں جو بھی ہوں مگر ان کا رخ بدلنا ہوتا ہے یہی تو مطلب خیاد کفر والی حدیث کا ہے پس اپنے اخلاق کا رخ بدلاؤ۔

کسی نے عرض کیا کہ حضرت یہ جو چشتیہ کے ہاں سماع ہوتا ہے یہ کچھ مضید ہے۔ حضرت والائے فرمایا کہ کچھ ذکر کے وقت شعر پڑھنے کو میں بھی کہہ دیا کرتا ہوں تاکہ بالیدگی ہو مگر اسی کو سب کچھ بنالینا یہ غلط اور بے فائدہ ہے۔ باقی اگر ہم میاں جی نور محمد صاحب حضرت حاجی صاحب اور حضرت گنگوہیؒ ان حضرات کو نہ دیکھتے تو شاید سمجھتے کہ سماع چشتیہ کے لوازمات سے ہے مگر یہ حضرات چشتی تھے اور سماع سے مجتنب بھی اس لیے یہ کچھ ضروری نہیں۔ ہاں ایک معذوری ہوتی ہے اگر کوئی معذوری میں ایسا کر لیتا ہے ہم ان حضرات کو معذور سمجھیں گے کیونکہ یہ تو مرض کا ایک علاج ہے اس پر کیا مکمل کیا جاسکتا ہے۔ ہم ان بزرگوں پر جنہوں نے سماع سنا اعتراض تو نہیں کرتے مگر ہمارے ہاں یہ نہیں۔

۱۔ حضرت میاں جی نور محمد جمنی انورؒ مرشد حضرت حاجی امداد اللہ
۲۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب ہاجر کی۔ ۳۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ

مزا میر تو ویسہ ہی جائز نہیں۔ بڑی بات شریعت کا اتباع ہے یہی اپنے بزرگوں سے ہم نے سنا ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت سے مناسبت پیدا کرنی چاہیے۔

رامپور کے مہمانوں میں سے ایک نے دریافت کیا کہ حضرت قرب خداوندی کا کیا مطلب ہے۔ حضرت والانے فرمایا رضائے خداوندی کے مطابق کام کرنے سے قرب خداوندی حاصل ہوتا ہے۔ دریافت کیا کہ حضرت قرب کیسے فرمایا وہ جو آتہ کے میں اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں اس کے پاؤں ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ فرمایا ایک دفعہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے فرمایا کہ مولوی صاحب کھانا کھا لو۔ میں نے اپنی حالت کے مطابق عرض کر دیا کہ حضرت مجھے بھوک نہیں یا یہ کہ میں نے کھایا تو فرمایا کہ مولوی صاحب میں اپنی طرف سے نہیں کہتا۔ اس پر آئندہ کبھی انکار نہ کرتا اور کھانا کھایا ہوتا تو بھی فرمانے پر اور کھالیتا۔ ایک دفعہ حضرت سہارنپوری تشریف لائے میں کھانا کھا چکا تھا جب حضرت سہارنپوری کے ساتھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کھانا تناول فرمانے لگے مجھے بھی فرمایا اور میں بھی شریک ہو گیا۔ حضرت نے مجھے فرمایا کہ مولوی صاحب میں تمہارا خیر خواہ ہوں اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے ساتھ کھانا کھانے کا بھی فائدہ ہے۔

۱۴ رمضان المبارک ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۱ اگست ۱۹۴۶ء مقام رامپور

حضرت والانے مولانا عبد الوہاب خان صاحب رامپوری کو مخاطب کر کے اپنے طالب علمی کے زمانہ کے دیکھے ہوئے رامپور کے حالات بیان فرمائے کہ ایک دفعہ

پٹھان ایک دیہاتی سے مذاق کر رہے تھے کوئی اس کو کسی طرح پریشان کرتا تھا کوئی کس طرح چھیڑتا تھا اور خوش ہوتا اور وہ دیہاتی بیچارہ کس پرسی کے عالم میں بے کسی کی حالت میں حیران کھڑا تھا۔

عادل علی خاں (یا اور نامی) تھے جو کہ عیاشی میں غرق تھے۔ مولوی جعفر علی صاحب والی مسجد کے پاس جھیوروں کا مکلا ہے۔ سرکاری شاہی باورچی خانہ میں جو کہ جھیور تھے وہ بتایا کرتے تھے کہ رات کھانا تیار کر کے گرم رکھنے کے لیے صبح تک ہم بیٹھے رہتے تھے۔ رات کو عیاشی سے فارغ ہو کر صبح تین چار بجے نواب کھانا کھاتا اور پھر سو کر شام کے چار بجے اٹھتا۔ اس کی رامپور کے مہمانوں نے بھی تصدیق کی۔

نواب صاحب اپنی منظور نظر عورتوں سے بھی ناراض ہو جاتے تھے اور بعض کو مروا کر جس کے ڈھیروں میں رکھ کر ناراضگی میں آگ لگوا دیتے تھے کہ لاش کاٹنا تک بھی غائب ہو اور بعض کو طرح طرح کے عذاب دے کر اس طرح مروا دیتے کہ جس کو رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

نیز فرمایا کہ رامپور میں ہم نے تو جو سنا اس زمانہ میں کسی کی عزت محفوظ نہ تھی اب خبر نہیں کیا حال ہے لوگوں کو چاہیے کہ کوشش کر کے ریاستوں میں کونسلیں وغیرہ بنالیں جس طرح ولایت میں پارلیمنٹ ہے اور ضلعوں میں لوگوں کے نمائندوں کا ڈسٹرکٹ بورڈ بنتا ہے۔ مہمانوں میں سے مولوی عبدالوہاب خان صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اب وہ حالت تو نہیں پہلے سے بہت فرق ہے مگر اب بھی بڑے مظالم ہیں لوگوں کا مطالبہ تو اب یہی ہے اور میں بھی اس کوشش میں ہوں چنانچہ میں اس کام میں بدنام بھی ہوں اور

ڈرتا ہوں حضرت سے عرض بھی نہیں کرنا چاہتا تھا کہ حضرت کہیں ناراض نہ ہوں حضرت نے فرمایا کہ میں ٹھہرنے کی کیا بات ہے یہ تو بہت اچھا کام ہے میں اس کام کی وجہ سے ناراض نہیں بلکہ خوش ہوں۔ لوگوں کو دلیری کرنی چاہیے۔ حضرت والا نے یہ بھی فرمایا کہ ریاست راہپور پٹیالہ اور بہاولپور کے حالات تو ہم نے خود سنے ہیں اور ریاستوں کا بھی اکثر ایسا ہی حال ہوگا۔ لوگوں کو ہر جگہ اصلاحات کی کوشش کر کے انتظام کونسلوں کے ذریعہ اپنے ہاتھ میں لے لینا چاہیے۔

فرمایا ہمارے ان مولوی عبدالرحمن صاحب کے دادا تھے جب میں پڑھ کر گیا ہوں تو ان کو گھر جا کر دیکھا کہ ان کو بوا سیر کا مرض تھا اور ایسی سخت بوا سیر تھی کہ وہ ہر وقت بے مدبے قرار رہتے اور کہا کرتے تھے کہ پاخانہ کی جگہ گویا انگار اٹکا ہوا ہے ہر وقت ایسی جلن سوزش ہوتی ہے اگر تھوڑی دیر کو کم ہوتی ہے تو دست آکر پھر وہی حال ہو جاتا ہے۔ حالانکہ بڑے نفیس طبع تھے مگر نجاست میں مجبوراً ہر وقت ملوث رہتے اور ہر وقت تکلیف شدید سے بے قرار رہا کرتے تھے وہ اپنی جوانی میں کاٹھیا واڑ کی ریاستوں میں اچھے ملازم رہے وہ ریاست جونا گڑھ میں بھی رہے وہاں کے بھی ایسے ہی وہاں تباہی حالات سنایا کرتے تھے میں نے ایک دفعہ ان سے دریافت کیا کہ آپ سچ بتائیں کہ آپ نے کیا سخت گناہ کیا ہے جس کا آپ کو یہ عذاب ہے ورنہ بوا سیر کے میں نے بھی بہت مریض بہت جگہ دیکھے ہیں یہ حال نہیں دیکھا وہ سچے آدمی تھے کہنے لگے کہ جونا گڑھ کے رئیس کے ہاں ہم چار صاحب تھے بڑے رازدار اور رئیس کے

بہت مونہہ چڑھے۔ اس ریاست میں دستور تھا کہ شاہی خاندان میں لڑکے ہوتے ان کے لیے ریاست سے جاگیر مقرر کی جاتی۔ نواب صاحب نے کہا کہ اس طرح تو ریاست جاگیروں میں بٹ جائے گی اس کے تدارک کے لیے ہم چاروں کے ذمہ یہ کام بھی لگا رکھا تھا کہ شاہی خاندان میں اگر کوئی لڑکا پیدا ہوتا تو ہم اس بچہ کو کسی نہ کسی تدبیر سے چرائیتے اور قلعہ کی ایک گہری خندق تھی بچہ کو مار کر اس کی تہ میں گرٹھا کھود کر نمک ساتھ ڈال کر وبادیتے تھے اور میں نے اس طرح کئی بچوں کو ٹھکانے لگایا ہے۔ حضرت والانے فرمایا یہ سن کر میں نے مولوی عبدالرحمن صاحب کے دادا کو کہا کہ یہ عذاب تو آپ وہیں سے خرید کر لائے ہیں۔

مولوی صاحب! یہ خیال نہ کرو ان بیچاروں کا کیا ہے ان کو طاقت ملی ہم کو نہ ملی ورنہ ہم ان کو بھی مات کر دیتے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اصلاح کی کوشش کا کام جو آپ کر رہے ہیں وہ نہ کیا جائے وہ بھی ضرور کرنا چاہیے مگر محض اللہ واسطے اور یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ اگر ان کی جگہ ہم ہوتے تو ان سے بھی زیادہ خرابیاں کرتے۔

مولوی عبدالوہاب صاحب رامپوری نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت میں ریاست میں کہیں اگر مدرسہ کے کام یا اور کسی کام بھی جاتا ہوں تو جہاں جس کے ہاں ٹھہرتا ہوں ریاست والوں کو وہ بھی کھٹکنے لگتا ہے یہ بڑھا شکل ہے حضرت والا نے فرمایا ہمت سے کئے جاؤ مگر خدا واسطے اور لوگوں کو بھی دلیری سے کام لینا چاہیے۔

مولوی حبیب اللہ صاحب گمانوی بہاولپوری نے دریافت کیا کہ ایک ولی دوسرے ولی کی نسبت بھی سبب کر لیتا ہے حضرت والانے فرمایا کہ ہمیں تو پتہ نہیں کیونکہ کوئی

ایسی بات دیکھی نہیں ہاں حضرت حاجی صاحب کے متعلق حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے منسلک ہے انہوں نے فرمایا کہ جو شخص ایسا تصرف کرے تو وہ بہت بُرا ہے یہ سب خیال کی قوت پر موقوف ہے۔ جو کوئی اس طرح اثر ڈال کر کسی سے کچھ پیسے بٹورے وہ ویسا ہی ہے جیسے چوری یا غصب اور ٹو اک ڈال کر کچھ لے لیا۔ حضرت حاجی صاحب نے اس آیت مبارکہ سے جس میں ہے کہ دوسرے کے گھر میں داخل نہ ہو مگر ان سے اجازت لے کر۔" استنباط فرمایا ہے کہ کسی کی اندرونی حالت بھی ایسے طریق سے نہ دیکھنے کی کوشش کرے چہ جائیکہ تصرف کرنا۔ دریافت کیا کہ حضرت ایسا ہو بھی جانتے ہیں فرمایا نسبت تو کیا ہاں توفیق سلب ہوتی ہے اور یہ سحر کی قسم ہے۔

یہ کوئی بزرگی کی بات نہیں خیالی قوت کی بات ہے جو کافر بھی کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ دوسرا خیال کا کمزور ہو یا بے خیال ہو۔ ان باتوں میں کیا رکھا ہے ویسے یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ ایک کافر کو دیکھ کر اثر ہو جاتا ہے۔ اس پر جناب مولوی عبداللہ صاحب جالندھری نے عرض کیا کہ حضرت پھر میرے جیسے کمزور طبیعت اور عام آدمی کو تو لیے کسی آدمی کی صحبت میں نہ بیٹھنا چاہیے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ ہاں نہیں بیٹھنا چاہیے ویسے ایک دوسرے کا اثر تو سب لیتے ہیں مگر جو جھاڑ سکتے ہیں اثر کو جھاڑ دیتے ہیں۔

نیز فرمایا کہ ایک بات میں سب کو خصوصاً علماء حضرات کو جو پڑھانے کا کام کرتے ہیں کہنا چاہتا ہوں کہ خواہ دس منٹ میں خواہ دس گھنٹہ میں خواہ دس دن میں یا دس سال میں عرض جتنے عرصہ میں بھی یہ خیال پک سکے پکانے کی کوشش کرنی چاہیے کہ جو کام میں کر رہا ہوں یہ اللہ واسطے ہو۔ ایک تو منہیات ہیں ایک مباحات اور ایک مستحبات وغیرہ۔

سب مباحات بھی اگر اس نیت کے ساتھ کہ جائیں مستحب کا اثر ہو اور مستحب تو مستحب ہے ہی۔ ایک ہر کام کی اجمالی نیت ہے اور ایک ہر ہر کام کی تفصیلی نیت۔ جس شخص کو یہ مشق ہو جائے نصیحت ہے اگر ایک شخص اس نیت سے ہل چلتا ہے کہ اس پر اپنے بیوی بچوں کی پرورش واجب ہے تو اس کا ہل چلنا جبکہ غفلت کے ساتھ نہ ہو تو اقل سے افضل ہے کہ وہ تو مستحب ہیں اور جو شخص غفلت سے فرائض نماز ادا کرتا ہے اس کے فرائض سے بھی پہلے شخص کا مباح کام افضل ہوا۔ جو لوگ دین کے کام میں لگے ہیں اگر وہ نیت کو خالص اور تفصیلی طور پر تازہ کرتے رہیں تو یہی کام ان کے لیے اکیسرا ہے ذکر کی ضرورت نہیں مگر چونکہ ذکر کے بغیر غفلت بھی عموماً ضرور ہو جاتی ہے۔ اس لیے ساتھ کچھ ذکر ضرور لگائے رکھنا چاہیے۔ حضرت شیخ الہند کو ہم نے اسارت مالٹک سے پہلے ہی دیکھا اور بعد میں بھی۔ زمین و آسمان کا فرق تھا۔ بڑے میاں قید سے وہ کاکر لکے جو قلعہ میں بھی نہیں آسکتا تھا۔ ایک دفعہ چائے آئی تو کسی نے کہہ دیا کہ حضرت یہ کالی چائے انگریز پیا کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اگر کالی چائے انگریز پیتے ہیں تو ہم آئندہ سبز چائے پیا کریں گے۔ چنانچہ دیوبند حاضری پہنچی تو دیکھا کہ حضرت شیخ الہند کے لیے مہتمم صاحب کے ہاں سے سبز چائے پک کر آیا کرتی تھی ان کی اس بات میں بھی لکب بات تھی۔

نواب جونا گڑھ یا اورنگزادہ کے نواب کا واقعہ مولوی عبدالرحمن صاحب کے دادا کی روایت سے بیان فرمایا کہ نواب صاحب کو امرار اور وزیرا نے ایسا اتو بنایا کہ اس کی والدہ کو ایک جگہ نظر بند کر کے نواب کو کہہ دیا کہ وہ تو فوت ہو گئیں ایک دفعہ عید کے دن ہاتھی پر سوار نواب اپنی والدہ کی نظر بندی کے محل کے پاس سے گزرا تو تاکی میں سے اس کی والدہ نے نواب کو مخاطب کر کے اپنا سر پٹیا کہ میں نے تجھے بڑی مصیبتوں سے

پالا تھا مگر تو نے مجھے قید میں ڈال رکھا ہے۔ نواب ہاتھی پر سے اتر کر دروازے کی طرف سے والدہ کے بلنے کے لیے گھوڑے پر سوار ہو کر چلا تو امراء و وزراء دوڑے ہوئے گئے اور فوراً کئی آدمیوں سے تصدیق کر وا کر نواب کو روک دیا کہ حضور اس مکان میں تو آسیب رہتے ہیں۔ اس لیے یہ مکان مدت سے ویران پڑا ہے اور جو کچھ آپ نے تاکی میں سے دیکھا ہے وہ سب آسیب کی کارستانی تھی نواب لوٹ آیا اور پھر کبھی ادھر کا رخ نہ کیا یہاں تک کہ نواب کی لاطمی میں آخر اس کی والدہ کا اسی مکان میں انتقال ہو گیا کسی کو جرأت نہ تھی کہ نواب کو صحیح بات سے اطلاع دے کر اپنی موت اور تباہی خریدتا۔

۱۴۔ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۲ اگست ۱۹۴۶ء مقام رائپور

مولوی فضل احمد صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ مولوی صاحب جناب کو شاید یاد ہے کہ جب سہارنپور سے ہم رامپور کو جانے لگے آپ کو بتایا تھا مولوی صاحب نے کہا کہ ہاں حضرت یاد ہے۔ فرمایا ہم دو طالب علم پیل جا رہے تھے راستہ میں کئی جگہ ہمارے سفر کا مقصد سن کر بعض لوگوں نے ہمیں کہا۔ انگریزی پڑھو تاکہ کچھ ترقی کر دے عربی تعلیم کے پیچھے پھر کر کیوں وقت ضائع کرتے ہو مگر ہمارے خیال ہی کچھ اور تھے۔ اب تو زمانہ ہی بدل گیا ہے۔ پنجاب کے بہت علماء نے تو اپنی اولاد کو اب انگریزیوں میں لگا دیا ہے۔ ایک صاحب سے میں نے کہا تو وہ سن کر باوجود بڑی عقیدت اور محبت کے جلال میں اگر بڑے کہ کچھ کھائے بھی۔ میں نے کہا اچھا جیسے آپ کی مرضی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مولانا سر رحیم بخش آیا ہی کرتے تھے اور جو ہمارے حضرات سے ان کو تعلق تھا وہ بھی آپ لوگوں کو معلوم ہے تو مولانا سر رحیم بخش صاحب بھی حضرت سے ایک دفعہ کچھ ایسا ہی عرض کر رہے تھے کہ حضرت نے فرمایا کہ مولوی صاحب صحبت کا اثر ہونا آپ کو تسلیم ہے انہوں نے تسلیم کیا تو حضرت نے فرمایا کہ مولوی صاحب جس طرح صحبت کا اثر ہوتا ہے

اسی طرح تصنیف کا بھی اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ منطق کی کتابیں جو دراصل مسلمانوں کی ہی مکھی ہوئی ہیں جیسے قاضی مبارک، حمد اللہ، ملا حسن یہ سب تو مسلمان ہی تھے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ جو علماء صرف دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں ان کی اور حالت ہوتی ہے اور جو صرف منطق وغیرہ کا مشغلہ رکھتے ہیں ان کی حالت تکبر و تعالیٰ یہاں تک کہ اپنے استاد کو بھی بیچ سمجھا آپ لوگ بھی جانتے ہیں اور جو دونوں کا مشغلہ رکھتے ہیں ان پر جو اثر ہوتا ہے وہ نہ تیر نہ بٹیر الا ماشاء اللہ کہ ان پر کسی اور صحبت کا غلبہ ہو گیا ہو۔ پھر جو لوگ دوسری زبان اور دوسرے علوم اور ان میں دہریوں کی تصانیف پڑھتے ہیں ان کا جو حال ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے بڑے راؤ عبد الحمید خان صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اب تو ناگری پڑھائی جائے گی اس پر حضرت نے جوش میں فرمایا کہ انگریزی اور ناگری میں کیا فرق ہے ایک پافانہ تو ایک پیشاب جو لوگ انگریزی کا خیال نہیں کرتے اور ناگری سے بدکتے ہیں وہ عجیب ہیں۔ نہیں معلوم مسلمانوں کی عقل کو کیا ہو گیا۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ انگریزی اور ناگری میں کیا فرق ہے وہ بھی ایک زبان ہے وہ بھی ایک زبان ہے۔ میرا ایک خیال ہے نہیں معلوم کیا ہے مگر خیال یہ ہے کہ عربی تو اب کوئی لانسے سے رہا اب تو دہریت لائے گی ابتداً مذاہب گر وہ بندی میں

ہوں گے پھر جو لوگ آئیں گے وہ کہیں گے کہ جب یہی بات ہے تو ہم مذہب کے نام پر
کیوں لڑتے رہیں اس لیے ان سب کو چھوڑ دو۔ اس پر شائد مولوی عبداللہ صاحب
جاندھری نے دریافت کیا کہ حضرت جب یہی حالات ہونے ہیں تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے
حضرت واللہ نے فرمایا کہ آپ لوگوں کو کچھ نہ کہہ تو کہتے ہی رہنا چاہیے کوئی مانے یا نہ مانے۔
نیز فرمایا کہ ایک سفر میں مجھے بہاولپور حضرت شیخ الجامعہ (مولانا غلام محمد صاحب)
سے ملاقات کا موقع ہوا تو حضرت شیخ الجامعہ نے بھی یہی حدیث پڑھی تھی اور اس پر یہی
فرماتے رہے تھے کہ اب کوئی سنتا نہیں اور یہ کوئی نصیبت نہیں ایک واقعہ ہے اس لیے
بیان کرتا ہوں کہ انہوں نے نام تو لیا نہیں مگر میں جی میں یہ سمجھ رہا تھا کہ حضرت مدنی
مدظلہ العالی کے متعلق فرما رہے ہیں۔ کیونکہ یہ بڑے میاں ہر طرف دڑنگیاں لگاتے پھر
رہے ہیں خواہ قوم نے یا نہ۔ اس پر رامپور کے مہمانوں میں سے ایک صاحب نے
عرض کیا کہ حضرت مولانا عبد الوہاب حضرت شیخ الجامعہ کے شاگرد ہیں تو حضرت واللہ نے
فرمایا کہ حضرت شیخ الجامعہ نے حدیث کہاں پڑھی ہے تو (مولانا عبد الوہاب نے) عرض کیا
کہ کہیں باقاعدہ نہیں پڑھا ایک دفعہ میں اور حضرت شیخ الجامعہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب
کی خدمت میں گولڑہ اس لیے حاضر ہوئے کہ حضرت پیر صاحب سے حدیث کی سند کچھ
احادیث شاکر لیں۔ کیونکہ پیر صاحب کا واسطہ حدیث میں مولانا احمد علی صاحب محدث
سہارنپوری کی وساطت سے شاہ اسحاق صاحب سے ملتا ہے اور سند میں وساطت کی
کمی کا خیال ہے کہ ہم گئے تھے اور اس وقت حضرت پیر صاحب کو ہچکلی لگ ہی تھی اس لیے پھر
کسی وقت آنے کو فرمایا تو ہم دونوں چلے آئے اور پھر کسی دوسرے موقع پر حضرت شیخ الجامعہ
نے سند لے لی مگر مجھے پھر موقع نہ ملا۔ حضرت نے فرمایا کہ حضرت شیخ الجامعہ بڑے عالم ہیں

بڑے مستعد ہیں مجھے دوسری مرتبہ بہاولپور جانے کا اتفاق ہوا تو ارادہ تھا کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں مگر اپنی کاہلی کے باعث حاضر نہ ہو سکا حضرت نے رامپور کے مولانا عبدالوہاب خان صاحب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں بل بھر تو اور کاموں میں مشغول ہونا پڑتا ہے مگر رمضان شریف کا ایک مہینہ پابندی سے کسی احتکاف میں گزار دتا کہ ذکر میں کیسوی پیدا ہو کیونکہ انسان جب سے پیدا ہوتا ہے اور ہوش سنبھالتا ہے تو دنیا کی طرف متوجہ رہتا ہے چونکہ اس کے نفع نقد ہیں اس لیے پوری توجہ اُدھر کو ہی ہوتی ہے تو جتنا خیال کو یکسو کیا جائے ضروری ہے۔ اس لیے پورا رمضان اور دس دن قبل رمضان چالیس دن تو سال میں کم از کم پابندی کی جائے تاکہ چلہ ہو جائے کوئی مسجد ہے جہاں احتکاف کر سکیں انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں حضرت تو فرمایا بس پھر سہارے ہاں چلہ نہیں ہے اعتکاف ہے تاکہ نماز جماعت کے ساتھ مل سکے اور جمعہ بھی وہاں ہوتا ہو تو اچھا ہے۔ رامپور میں تو ہر چھوٹی بڑی مسجد میں جمعہ ہوتا ہے۔

اس مجلس میں حضرت والا نے ایک موقع پر یہ بھی فرمایا کہ ایک مسجد علویوں کے بازو کے کتے چھوٹی سی محلہ میں تھی جس کی سڑک بھی اب مجھے یاد نہیں ایک دفعہ وہاں روٹی کی وجہ سے کسی نے مجھے ٹھہرایا اور گھورتا دیکے کہ یہاں سے روٹی لے آیا کرنا میں گیا تو میری آواز پر گھر میں سے مستورات نے آپس میں کہا کہ شاید سقمہ ہے پھر کہا نہیں ہنگی ہے شاید پھر کہا کہ ہاں ہنگی نہیں ملتا ہے۔ میں اپنی وہ ڈھوہری جو میں نے کوڑی پر سے اٹھا کر دھو دھا کر کھانا لانے کو ساتھ لی تھی بیٹھتی ہی وہیں پھینک کر واپس چلا آیا اور پھر نہیں گیا۔

۱۶ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۴ اگست ۱۹۴۶ء مقام رانپور

رات کی مجلس میں سورہ بنی اسرائیل کی اس آیت کا تذکرہ ہوا جس میں ہے کہ بنی اسرائیل زمین میں دو دفعہ فساد امد تکبر کریں گے اور ان کی سرکوبی کرنے والوں کو خدا تعالیٰ نے عبادان قرار دیا ہے جبکہ تاریخوں میں سخت نصرو غیرہ کو کافر بتایا ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ہاں تکبر و نخوت وغیرہ بہت ہی بُرا سمجھا جاتا ہے۔ ولاتنا بنوا بالاللقاب کا کیا مطلب ہے یعنی بڑے نام رکھنا طعن تشنیع یہ بھی بُرا ہے اور یہ بھی قرآن مجید میں آتا ہے کہ جب بادشاہ کسی ملک، قوم یا شہر پر قبضہ کرتے ہیں تو وہاں کے معززین کو ذلیل کر دیتے ہیں۔ زمینداروں میں یہ چیز بہت آگئی تھی۔ گاڑھوں کو بھی ذلیل سمجھتے تھے گرجوں کو بھی ایسا ہی سمجھتے تھے اور چاروں کو تو کچھ سمجھتے ہی نہیں۔ اس کے ردِ عمل میں دوسری قومیں بھی اپنی ترقی اور تنظیم کر رہی ہیں اور اس میں بہت غلو سے کام لے رہی ہیں۔ زمینداروں کے علاوہ دوسرے مسلمانوں میں بھی طعن تشنیع بہت آگیا ہے۔ اس لیے خواہ قوتِ بیانیہ نہ ہونے کی وجہ سے میں دلائل سے ثابت اور ساکت نہ کر سکوں مگر کچھ وجدانِ ما ہوتا ہے کہ اگر یہ انقلاب ہے اور ایسا ہی کچھ معلوم بھی ہو رہا ہے۔ تو ضروری ہے کہ ایسے حالات پیش آئیں جو سخت ناگوار ہوں۔ عزیز الرحمن کے والد (مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی) نے زمینداروں میں یہ چیز محسوس کی تو تقریر کر دی۔ مگر وہ زبان کے سخت ہیں لہذا اس وقت ان کی بات کئی آدمیوں کو ناگوار ہوئی۔ چنانچہ راؤ نعیم خان صاحب نے اس کا مجھ سے ذکر بھی کیا اور مولانا سے بات بھی کی مگر ایک الیکشن آیا تو جن لوگوں سے بات اور سلام کلام کرنا بھی کسرِ شان سمجھا جاتا تھا کئی مہینہ ان کے گھروں میں سیل جول پیدا کرتے اور خوشامدی

کرتے پھرتے اور جب کئی ماہ بعد یہاں آئے تو میں نے کہا آپ کو بین سلام اس وقت تو مولوی صاحب کی بات سے بُرا منایا۔ مگر اب یہ حال ہے۔ حضرت والا نے یہ بھی فرمایا کہ جب کوئی کسی قسم کی تقریر کرتا ہے تو ہم بھی متاثر ہو جاتے ہیں۔ مگر جب تنہائی میں بیٹھ کر سچا ہوں تو پھر خیال آتا ہے لاجول ولاقوۃ یہ بات کیا تھی۔ چنانچہ کل تو ہم مولانا عبدالعزیز صاحب کے مہنوا سے ہو گئے تھے مگر آج جب سوچا تو پھر کچھ اور ہی بات سمجھ میں آئی کہ یہ اگر انقلاب ہے تو ہو کر رہے گا اور اسی تکبر نخوت غرور اور تعلیٰ طعن کا قیجہ اور بھی ہو سکتا ہے۔ بعض حضرات نے تو کتاب بھی لکھ دی جس میں بعض قوموں کی شرعی طور پر برتری اور عزت شرافت اور بعض کو اس کے خلاف ثابت کیا۔ ایسے موقع پر تو اگر کچھ تھوڑی بہت گنجائش تھی بھی یہ نہ لکھنا چاہیے تھا۔ ہم نے دہرہ دون میں پادریوں کے ہاتھ میں یہ کتابیں دیکھیں وہ کہتے تھے کہ اسلام میں انسانی مساوات کہاں ہے علماء تو یہ کہتے ہیں۔

باقی جمعیۃ لاگرس کا ساتھ کیوں دیتی ہے اس کے متعلق مولوی عبدالعزیز صاحب سے فرمایا کہ مولانا مدنی کے متعلق تو جذبات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں مگر مفتی کفایت اللہ صاحب کے متعلق تو معلوم ہے کہ وہ سیاست کو خوب سمجھتے ہیں۔ ہم نے تو ان کی حیثیت اور ذہانت کی تعریف حضرت شیخ الہند سے سنی ہوئی ہے۔ یہاں خواجہ صاحب نے بیان کیا کہ صدر ٹیل جو بڑا ہی فہیم اور ذہین ہے۔ جس نے بارہ اپنی قابلیت کے اسلی میں جوہر دکھائے اور دلائل سے ہم سے معافی منگوائی وہ فساد کو ہاٹ کی تحقیقاتی کمیٹی کے صدر اور مفتی صاحب اراکین ہیں سے تھے تو مفتی صاحب کی قابلیت کی ٹیل نے بھی بے حد تعریف کی کہ انہوں نے ایسے سوالات مرتب کئے جو بے نظیر تھے پھر حضرت والا نے بیان شروع کیا کہ بے شک اگر دینی اعلیٰ تعلیم والے میں سالہ سیاسی تجربہ رکھنے اور پوری توجہ دینے کے بعد بھی سیاست کو نہ سمجھ سکیں تو گویا دینی

تعلیم کچھ تعلیم نہ ہوئی اور پھر ان کو ڈوب مرنے چاہیے مولانا عبدالعزیز صاحب فرمایا اگر آپ کو کچھ شبہات ہیں تو ہم وہی جائیں گے۔ اور آپ مفتی صاحب سے اچھی طرح گفتگو کرنا۔ اس پر مولانا موصوف نے عرض کیا کہ حضرت مجھے بھی تحریک خلافت سے کراہت تک غور کرنے کا مرض رہا ہے اور گفتگو کر کے دیکھی ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ سنی سنائی باتوں سے کام لینا ٹھیک نہیں تو مولانا صاحب نے عرض کیا حضرت!

مجھے تو یاد ہے شائد حضرت کو یاد آجائے جب حضرت شیخ الحدیث کے ہاں حضرت مدنی مظلہ العالی سے گفتگو ہوئی تھی اور آپ دونوں حضرات بھی حضرت مدنی سے بحث کر رہے تھے۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ وہ جلتے جلتے ایک آدمی اور دھوری بات ہو جانا یا اپنے آدمی سمجھ کر مذاق میں کچھ کہہ دینا گفتگو نہیں ہوتی۔ اور پھر مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب سے اس سلسلہ میں گفتگو کرنا میرے نزدیک اور بات ہے کیونکہ مفتی صاحب سیاست کو میرے خیال میں سمجھ کے اعتبار سے زیادہ سمجھتے ہیں اور حضرت شیخ الحدیث کے متعلق یہ ہے کہ تقویٰ میں خواہ کتنے بڑھے ہوئے ہوں مگر ان باتوں میں زیادہ نہیں پڑے اور میرے نزدیک سیاسیات سے اتنے واقف نہیں تو اگر آپ کو شبہ ہے اس کا طریق یہی ہے کہ میں بھی چلوں اور تم بھی۔

۱۶ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ مطابق ۵ اگست ۱۹۴۶ء مقام انپور

فرمایا حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دو آدمیوں کو مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ جاتے ہوئے

۱۷ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی

ایک خاص راستہ سے جاننے کے لیے منع فرمایا تھا مگر انہوں نے نہیں مانا۔ ایک سے متعلق تو ہمیں معلوم ہے کہ اس کا اونٹ لٹا گیا اور اونٹ سے گر کر اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی دوسرے کے متعلق کچھ علم نہیں ہوا کہ اس پر کیا گزری فرمایا کہ یہ کشف نہیں تھا بلکہ بعض اوقات اللہ کے بندوں کے دل پر کچھ ایسی بات گزر جاتی ہے یہ کچھ ملک کی قسم کی چیز ہے۔ جیسے مجتہد کہ اس کو مہارت نامہ کی وجہ سے بعض امور کی طرف رجحان ہو جاتا ہے اور وہ کشف نہیں ہے۔ مصیب ہوتا ہے تو دو ثواب پاتا ہے اور خطا کے تو بھی ایک ثواب پاتا ہے۔ اس پر مولوی عبید الرحمن صاحب اپنی پوری نے عرض کیا کہ حضرت یہ کیا بات ہے کہ باہمی اختلاف ہو جاتا ہے فرمایا کہ یہ طبائع اور مناسبت کا اختلاف بھی ہوتا ہے اور اجتہادی اصولوں کا بھی چنانچہ ایک مولوی صاحب جو آج کل بھوپال کے مفتی ہیں جب حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی خدمت میں حدیث پڑھنے آئے تو حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جب تک آپ مجھ سے نور الانوار نہ پڑھ لیں میں حدیث نہیں پڑھاؤں گا۔ کیونکہ ہر ملک کی دماغ سوزی کے بجائے اصول میں جب بات طے ہو جائے تو پھر ہر مقام کو اس کے مطابق حل کر لینا آسان ہو جاتا ہے۔ ان مولوی صاحب کا رجحان بدعات کی طرف تھا مگر حضرت کو ان کی رعایت منظور تھی اس لیے پڑھانے سے انکار نہیں کیا۔ ہاں اصول کی کتاب پڑھنے کی شرط لگا دی جس طرح مجتہدین کا سلسلہ ہوتا ہے اسی طرح اولیاء اللہ میں بھی اس فن کے مجتہد ہوتے ہیں چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ تصوف میں مجتہد گزرسے نہیں کسی حال کے جواب میں حضرت والد نے یہ بھی فرمایا کہ ہمارے علماء کا بڑا احسان ہے جو انہوں نے یہ قاعدہ بیان کر دیا کہ کسی کا کشف دوسرے کے لیے حجت نہیں ورنہ بڑی مشکل پیش آتی یہ بھی فرمایا کہ اولیاء اللہ لیتے ہوئے ہیں کہ میں انہیں اسلام کی صداقت کی دلیل کے طور پر

بیان کیا کرتا ہوں کسی صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت اولیاء اللہ کو غیب کی باتوں کا علم ہو جاتا ہے یا نہیں اور جو ہونا مانتے ہیں ان کو کافر سمجھا جائیے یا نہ۔ فرمایا کافر تو نہیں کہنا چاہیے کیونکہ کافر تو وہی ہوتا ہے جو کسی دوسرے کا علم خدا تعالیٰ کے برابر مانے اور اس طرح خدا کا دوسرے کو شریک ٹھہرائے ایک صاحب نے کہا کہ حضرت! بریلوی حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو برابر تو نہیں قرار دیتے۔ دوسرے صاحب نے کہا کہ ان میں فرقے ہیں بعض برابر نہیں مانتے حضرت واللہ نے فرمایا کہ مولوی احمد رضا خان صاحب نے جن دنوں رسالہ.... لکھا تو میں بھی بریلی ہی میں تھا۔ تمام دن وہاں اسی کے رد و ثبوت کا سلسلہ جاری رہتا۔ ایک صاحب نے کہا کہ حضور نے خود اپنے سے قیامت کے علم کی نفی فرمائی ہے البتہ عطا کا ذکر فرمایا ہے۔ حضرت واللہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے جس علم کی نفی فرمائی ہے وہ شاید تفصیلی علم ہو اور یہ کہ کب، کس دن، کس وقت ہوگی اس کا علم نہ ہوگا۔ ورنہ عطا اور قیامت میں پیش آنے والے واقعات کا تو حضور نے بیان فرمایا ہی ہے۔ تو عرض یہ ہے کہ کلی علم اور خدا تعالیٰ کے برابر علم اور غیر عطا کے الہی خود بخود علم ہونا یہ خدا کے سوا اور میں نہیں اور جو یہ مانے وہ مشرک کافر ہے۔ اس لیے ایسے باہمی مسائل کے اختلاف میں کافر کہنا میرے نزدیک درست نہیں ہے۔

عزیز الرحمن صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت یہ صوفیوں کا سلسلہ اسلام کے شروع میں تو معلوم نہیں ہوتا کب سے شروع ہوا ہے یہ بیعت لینے کا رواج کب سے ہے۔ حضرت نے عزیز الرحمن سے فرمایا تم کچھ نہ پڑھے نہ کچھ معلوم اور ہر بات میں دخل تم تو لیڈر محض ہو لگے غور سے سنو تو کچھ کہوں سنو۔ جب تک خلافت میں یہ بات ہی

۱۔ عزیز الرحمن صاحب دہلوی سے شفقت خصوصی کی وجہ سے ایسے الفاظ فرمائے۔

کہ وہ صفت احسان سے متصف رہے اس وقت تک بیعت نہ تھی مگر خلافت کی
البتہ صحبت تھی انبیاء کا آنا بھی اسی لیے تھا کہ صحبت کے بغیر اخلاق کی اصلاح نہیں
ہوتی۔ نبی صرف لٹنے بھڑنے کے لیے نہیں آتے۔ وہ تو لوگوں کی اخلاقی تربیت اور روحانی
ترقی کے لیے آتے اور تبلیغ کرتے ہیں مگر سب کام کمال کو آسانی سے بھی پہنچ سکتے ہیں کہ
امن ہو اور موانع رفع کئے جائیں اس لیے سلطنت کی ضرورت پیش آتی ہے۔

خواجہ صاحب نے سوال کیا کہ حضرت سلطنت

کی اگر اقول میں اہمیت نہیں تو ثانوی حیثیت تو ثابت ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ ہاں جب
موقع ہو مگر ہے انسانی فلاح کے لیے۔ چنانچہ آیت شریفہ پڑھی کہ نماز، زکوٰۃ وغیرہ کو ہی
انسانی فلاح کا موجب قرار دیا ہے۔ عرب کی سرحدوں کی حفاظت شروع میں مطلب
تھی اور تبلیغ بھی جس کی وجہ سے روم و ایران سے ٹکر ہوئی اور مہاجر ہو کر بغیر اسلام کے
جب کہیں جاتے تھے تو یہی کہتے تھے کہ تم مسلمان ہو جاؤ تو پھر تم تمہارا ملک تمہارے ہی
قبضے میں چھوڑ کر چلے جائیں گے ہمیں ملک گیری سے سروکار نہیں ہے حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کے بعد ہر فن کو جس کی طبیعت اس کے موافق تھی لیا جب خلافت بالنیکیاں
کی جامع نہ رہی اور خلفاء محض سلطنت میں ہی الجھ کر رہ گئے تو جس طرح محدثین پیدا ہوئے
کہ حدیث کو سنبھالیں۔ قاری ہوئے کہ قرآن پاک کو اپنے اساتذہ کے عربی لہجہ میں پڑھنے
کی حفاظت کریں اسی طرح جو لوگ مسلمانوں کو صحبتوں کے ذریعہ صفت احسان حاصل
کرنے میں مناسب کارآمد اور موزوں تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ینفدت
ڈال دی۔ چنانچہ بعض صوفی مجتہدین تبع تابعین تو ضرور ہوئے ہیں۔ علیہ صحبت کا سلسلہ حضرت

علی رضی اللہ عنہ پر کثرت سے اور نقشبندی سلسلہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور
 حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں تک پہنچتا ہے یہ سب اس لیے ہیں کہ حدیث شریف
 میں آیا۔ الاحسان ان تعبد اللہ کلک تراہ وان لم تکن تراہ فاندک
 یواک۔

۱۸ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ و ۱۶ اگست ۱۹۴۶ء جمعہ راجپور

مولانا حبیب اللہ صاحب نے ثنوی کا شعر پڑھا،

کور کورانہ مرو در کربلا تا نیفتی چوں حسین اندر بلا

اور حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت امام حسینؑ نے کربلا جلتی میں کیا کوئی
 غلطی کھائی تھی جس کی طرف اس شعر میں اشارہ ہے کہ کربلا میں نہ جاتا کہ حضرت
 امام حسینؑ کی طرح مصیبت میں نہ پڑے۔

حضرت والا نے فرمایا کہ شعر کا مطلب یہیں پتہ نہیں مگر حضرت امام حسینؑ اور
 تمام صحابہ کرامؓ کے متعلق ایسا کہنا بڑی بات ہے۔ ہرگز ایسا خیال نہیں کرنا چاہیے۔
 ایک دفعہ مجھ سے بعض آدمیوں نے کہا کہ اس معاملہ میں ہمیں آخر تحقیق کرنی
 چاہیے تو میں نے کہا کہ بس تحقیق و حقیق رہنے دو۔ کہاں کے محقق بنتے ہو۔ حضرت
 مولانا محمد انوریؒ نے عرض کیا کہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ صحابہؓ کا ہر ارشاد
 ہم سر آنکھوں پر رکھیں گے اور ان کے بعد والوں کے معاملہ میں ہم سینگ سے سینگ
 اڑا دیں گے۔ حضرت والا نے اس پر فرمایا، امام صاحب بھی اس زمانے کے ہیں۔ اس
 لئے اپنے ہم عصروں کے متعلق کہنے کا ان کو حق پہنچتا ہے۔ باقی صحابہ رضی اللہ عنہم سب
 عدول ہیں۔ اگر ایسا نہ مانیں گے تو کوئی علم وین کا مضبوط بنیادوں پر قائم نہ ہو سکے گا
 آخر دین تو سب ان کے ذریعے ہی پہنچا ہے۔

۲۱۔ رمضان المبارک ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹ اگست ۱۹۴۹ء رات پور

رات کی مجلس میں حضرت واللہ سورۃ والتین کی آیت لقد خلقنا

الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ إِلَّا الَّذِينَ
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ کی تفسیر میں فرمایا
کہ خدا تعالیٰ نے انسان میں بڑی صلاحیت رکھی ہے اور اسے عالم ناسوت میں بھیج دیا
تاکہ وہ ترقی کرے کیونکہ جو کوئی یہاں کی سرد گرم نہ چکھے اس کی تربیت و ترقی نہیں
ہوتی جو ایمان لاتے اور عمل نیک کرتے ہیں ان کے لیے اجر غیر ممنون ہے مولوی
عبداللہ صاحب جالندھری نے دریافت کیا کہ حضرت جو گناہ ہو جاتے ہیں
ان سے جب توبہ کرتے ہیں اگر وہ توبہ قبول ہوگی تو پھر اس برائی کے عادہ کی نسبت
نہ آتی چاہیے؟ حضرت واللہ نے فرمایا کہ یہ بات نہیں بار بار توبہ سچے سچے کر د اگر
سچے سچے توبہ ہو تو قبولیت کی توقع ضرور ہے خواہ وہ گناہ پھر سرزد ہو جائے
مگر اس وقت اس کا ارادہ یہ ہو کہ آئندہ نہیں کروں گا۔ (پھر فرمایا کہ آپ تو محدث ہیں)
حدیث میں آتا ہے کہ اگر لوگ گناہ نہ کرتے تو خدا تعالیٰ اور مخلوق گناہ کرنے والی پیدا
کرتا کہ وہ گناہ کہتے اور توبہ سے بچتے اور اگر انسان گناہ نہ کرتا تو وہ ملک مجوس ہو جائے
اور فرشتوں کی طرح رہے؟ بی ترقی نہ گئے گناہ ہو جانا بھی انسان کی ترقی کے لیے بعض اوقات
فدیہ ہے جاتا ہے۔ عاجزی کا احساس ہو جو عین مقصود ہے اور اس دربار میں تو
عاجزی ہی سب کچھ ہے اور تکبر ہی مہرومی کا باعث ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ
خدا تعالیٰ اپنے گناہ کرنے والے بندوں سے جو توبہ کرتے ہیں خوش ہوتا ہے کہ

انہوں نے مجھے رت سمجھا اور حضرت ماعزؓ کی توبہ کا ذکر تو آپ کو یاد ہی ہوگا۔

۲۲۔ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۰ اگست ۱۹۴۶ء بروز منگل رات پور

رات کی مجلس میں مولانا مولوی حبیب اللہ صاحب بہاولپوری نے عرض کیا بعض صوفی بزرگوں کے عشق مجازی کے متعلق اشعار ہیں کہ عشق مجازی عشق حقیقی کے لیے کار ساز ہے اور ایسے قصے بھی مشہور ہیں۔ تو ان کی کیا حقیقت ہے۔

اس پر حضرت واللہ نے فرمایا کہ میرے نزدیک ایسے اشعار کا یہ مطلب ہے کہ اگر ملک کو اپنے فیخ کی محبت بڑھ کر عشق کے درجہ کو پہنچ جائے تو اس کا انجام باری تعالیٰ کا عشق ہوتا ہے۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت انتہا کو تھی کیونکہ جس کی محبت ہو محب اس کے اخلاق اور اس کی ہر خوبی سے مستہ پاتا ہے۔ باقی یہ قصے ممکن ہے کوئی طبیعت ایسی جو کسی طرح بھی نہ ملتی ہو تو ایسا عشق اس کے جمود کو توڑ کر حرکت میں لائے اور پھر اس کو خوبی قسمت سے کوئی ایسی ٹھوکر لگے کہ وہ اور در سے لوٹ کر حسن و خوبی کے خالق کی طرف متوجہ ہو جائے تو جس کے ساتھ ایسا معاملہ ہوا ہو گا وہ اس کو بیان کرے تو صحیح ہے مگر یہ قاعدہ اور کلیہ نہیں اور یہ بھی ہے کہ اگر ایسے عاشق کو وصال ہو جائے تو پھر یہ انتقال نہیں ہوتا مگر میں ممکن ہے اور وہ بھی پرانے زمانہ میں اس کی کوئی مثال مل جائے تو مل جائے۔ آج کل کے فرسق ماحول میں تو بالکل نہ چاہیے اور یہ تو ایسا ہے جیسا کسی نے زہر کھایا مگر خدا نے فضل کر دیا کہ وہ کسی اور مرض کے ازالہ کا باعث ہو گیا اور کسی وجہ سے زہر کھانے والے کو اتنا تباہ

ہلاکت سے بچانے والا تراقیل گیا اور یہ بھی سب شاذ و اتفاقی ہے۔ ورنہ یہ حقیقت
 نہ رکھنا سیدہ دراصل شیخ سے عشق کا ہم عشق مجازی ہے۔ کیونکہ حقیقت شیخ اور پیغمبر باری تعالیٰ
 کے غیر تو ہیں۔ انسان خدا سے براہ راست محبت کرے یہ طبی بات ہے لہذا شیخ
 سے محبت اس کا ذریعہ بن جانی آسان ہے۔ بیکوں کی محبت کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ محبت
 انسان میں رنگ لاتی ہے جو محبوب میں ہو یہ بھی فرمایا کہ ذکر تو آہستہ آواز سے ہی کرنا
 چاہیے اور حضرت واللہ نے کر کے بھی دکھایا کہ حضرت نے تو مجھ اس طرح کر کے بتایا
 تھا۔ مگر خود بخود شوق میں اگر آواز بلند ہو جائے تو وہ جہر وہ نہیں جس کی ممانعت آئی
 ہے کہ چلا کر ذکر نہ کرو۔ میرا معجزہ ملائکہ مدرسہ کے پاس تھا مگر جہر کی وجہ سے مدرسہ
 اور دیگر قسم کے شور و غل بالکل سنائی نہیں دیا کرتے تھے اور رفع خیالات اور کیوں کی
 خیال سے اگر شیخ کسی کو زور کے ذکر کو فرمائے تو وہ ازالہ مرض کے لیے ہے۔ علاج
 کے لیے ایسا کرنا نہیں ورنہ یہ ہے اور یہ ذکر جہر کہ صحبت کی کمی کو بھی تھوڑا بہت پورا کرتا
 ہے۔ ورنہ اصل تو صحبت ہے۔ غلام مصطفیٰ صاحب کو اور بعض حضرات کو غلط فہمی کے
 فرمایا کہ اپنے مسک پر سختی اور لوگوں سے نرمی یہ ہم نے اپنے بزرگوں میں دیکھی اور وہ اپنے ہونے
 کا انکار نہیں مگر اور وہ کی صحبت کا ہمیں اتفاق نہیں ہوا اپنے بزرگوں کو اگر ہم نہ دیکھتے
 تو یا تو یوں سمجھتے کہ سلسلہ یونہی ہے یا یہ کہ پہلے کوئی بزرگ ہوں گے جن کا ذکر کتابوں میں ہے
 ہمارے حضرت کے لیے اخلاق تھے کہ مہمانت فردہ بھر نہ تھی۔ مگر درست بات
 حالانکہ تلخ ہوتی ہے ایسے نرم طریق پر فرمایا کرتے کہ گویا والدہ گود میں بٹھا کر سمجھا رہی ہے
 میرے اندر تو یہ بات نہیں مگر اپنے بزرگوں میں ضرور دیکھی ہے اور اس کا نام حسن
 معاشرت ہے۔ جو نہایت ضروری ہے۔

عزیز الرحمن نے دریافت کیا کہ حضرت اسلام نے معاشرت کی کچھ ایسی باتیں بھی بتائی ہیں جو بغیر جغرافیائی اختلاف کے ہر جگہ یکساں قابل عمل ہوں حضرت والا نے فرمایا ہاں۔ مثلاً یہ کہ اپنے بھائی کے لیے وہی چاہو جو اپنے لیے چاہتے ہو۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ اگر اس ایک حدیث پر عمل ہو جائے تو دنیا کے جھگڑے مٹ جائیں اور برائے نام کوئی جھگڑا رہے۔ پوشاک کے متعلق عزیز الرحمن کے سوال کرنے پر حضرت والا نے فرمایا کہ اسلام نے کوئی خاص پوشاک مقرر نہیں کی البتہ پوشاک میں بعض امور سے منع فرمایا ہے اور ستر لوشی کو لازم کیا ہے۔ تو جس پوشاک میں ستر لوشی ہو اور منہی عنہ امور نہ ہوں وہ جائز اور اپنے صالحین کا لباس اختیار کرنا افضل ہے۔ مثلاً ہندوستان میں جو لباس اہل اللہ نے اختیار کر رکھا ہے نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے نہ اہل عرب کا ہندوستان کا قومی اور ملکی لباس ہے۔ تو جو چیز اس میں صلیاں اختیار کر لیں وہ اوروں کے لیے قابل اختیار اور افضل ہو جاتا ہے۔

۲۵ رمضان المبارک مطابق ۲۳ اگست ۱۹۴۶ء بروز جمعہ

ایک دن حضرت والا نے فرمایا عشق مجازی بہر حقیقت کار ساز بعض اوقات ہو بھی جاتا ہے بشرطیکہ وصال نہ ہو خواہ وہ عشق کسی عورت سے ہو مگر یہ کلیہ نہیں چنانچہ میاں صاحب یعنی خان صاحب عبد الرحمن تھانوی جو حضرت والا کے پیر بھائی تھے ان کا قصہ بیان فرمایا کہ وہ بہت غصیارسے تھے اور کسی انگریز افسر کے نوکر تھے تو ایک شخص اس انگریز کی ملازمت میں نمازی آگیا۔ تو اس خیال سے کہ یہ نماز کے لیے کہاں سا کرے گا ایک چینی کا برتن توڑ کر اس کے ذمہ لگا کر اس کو سکھوا دیا مگر اس ملازمت

کے بعد بیل گاڑی کرایہ پر چلو کر کسب معاش کرتے تھے۔ ایک دفعہ جتنا پار کے کسی گاؤں کے لیے کسی بنیانے ان کی بیل کرایہ پر کی راستہ میں ایک جگہ بیل میں سے عورت نے اتنی وقت ساتھ کے مینا سے کہا کہ میں تو کھانا نہ پائے بغیر نہیں کھاؤں گی میری دھنی کا پلہ کھائے یعنی اس مسلمان پہلوان سے چھو گیا ہے۔ خان صاحب نے بھی یہ سن لیا تو نہایت غصہ اور غیرت آئی۔ ہر چند بنیا ان کو بھی کھانا دینے کی کوشش کرتا تھا مگر انہوں نے بھوکا رہنا گوارا کیا اور خلافت معمول کھانا نہیں لیا۔ ان کے طبعی میلان کا اثر بنیانی پر یہ ہوا کہ وہ کہنے لگی کہ میں تو عبد الرحمن کے ساتھ مسلمان ہو کر حج کو جاؤں گی۔ جب اس قصہ نے طویل پکڑا تو فیسوں نے اس عورت کا کلا گھونٹ کر مار کر اسے جہنم میں بہا دیا خان صاحب پر اس کے عشق کا یہ اثر ہوا کہ اس کے فراق میں تڑپنے لگے اور مدتوں یہی حالت رہی آخر ایک دن مسجد میں تھے اور تڑپ رہے تھے کہ بغیر بادل آسمان پر ایک بجلی سی کوندی اور آواز آئی کہ عبد الرحمن ادھر کیا دیکھتا ہے ادھر دیکھو۔ چنانچہ جو عشق اس عورت کا تھا اب اس نئی چیز کی طرف منتقل ہو گیا۔ میاں صاحب نے ایک موقعہ پر انہی میاں کے حضور عرض کیا کہ باری تعالیٰ یہ کیسے فرمایا گیا کہ شیخ کے ذریعہ اور شیخ کی پانچ چھ علامتیں بیان فرمادی گئیں کہ تمہارا شیخ جس کے ذریعہ تجھے یہ ملے ایسا ہوگا چنانچہ کلکے سے پشاور تک بے قصبے گھر پہنچ کر گیارہ سال تک شیخ کی تلاش میں پھرتے رہے مگر کوئی ایسا شیخ نہ ملا جس میں بتلائے ہوئے تمام نشان پائے جاتے۔ یہاں تک کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ تمام نشان پائے اور یہیں بیعت ہو کر بڑے مرتبہ کو پہنچے۔ حضرت واللہ نے فرمایا کہ اگر میاں صاحب کے حالات میں نہ سننا تو حضرت پیران پیر کے کتابوں میں جان کئے گئے حالات کو یا تو

مبالغہ یا کہانی سمجھایا یہ کہ وہ اس زمانہ میں نہیں ہو سکتے مگر میں نے اور حضرت
 بہاولنگری رحمہ اللہ نے ان سے مدتوں اصرار کئے تو انہوں نے کچھ حالات بتلائے
 تو معلوم ہوئے۔ مثلاً نفلوں میں کھڑے ہیں غربت کی وجہ سے کئی دن کا فاقہ ہے۔
 گمراہ کو مسجد کی محراب سے ایک تشت گرم گرم پلو کا میاں صاحب کی طرف بڑھتا
 چلا آرہا ہے۔ یہاں تک کہ منہ تک آگیا اور ناک پھٹنے لگی اور پھر غائب اور پیچھے نفلوں
 سے نہیں ہٹے۔ کبھی نہایت بڑا سانپ یعنی اثر و نفلوں میں آس پاس بھرتا ہے۔
 کبھی گھڑا بھر کر لاتے ہیں پینے کو مگر اس میں گوبر گوبر ہو گیا پھر اسے دھو کر پاک کر کے پھر
 لائے پھر ایسا ہی کچھ ہو جاتا وغیرہ وغیرہ۔ یہاں ایک محبرہ میں ہوتے ایک دفعہ کسی
 نے اچانک محبرہ میں جانے کی جرات کی تو سانپ کو دیکھ کر بھاگا تو میاں صاحب
 نے فرمایا کہ اچانک اس طرح نہیں آنا چاہیے ہی بہت حالات تھے تبلیغ بھی
 میاں صاحب جیسے لوگوں کی تھی۔ بعض بعض آدمی کونیکلی کی طرف لسنے کی کوشش میں
 کئی کئی سال خرچ کر ڈالتے اس سے اللہ واسطے کی دوستی لگا کر مانوس کستے۔ ایک دفعہ
 حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی بات آئی ہوگی۔ تو حضرت نے فرمایا کہ مٹی کے برتنوں
 کی دکان کر لو اب تھانہ بھون میں مٹی کے برتنوں کی دکان کر لی۔ دکان کے سامنے ایک
 رنڈی چو بارہ میں رہتی تھی۔ اس کا یہ کام تھا کہ چو بارہ سے اتر کر میاں صاحب کی دکان
 پر آ بیٹھتی لوگ کہتے واہ میاں صاحب خوب کام بند ہے مگر تھوڑے عرصہ میں رنڈی
 تائب ہوئی اور کسی سے نکاح کر لیا۔ چنانچہ میں نے دریافت کیا کہ میاں صاحب
 وہ دکان پھر کیا ہوئی تو فرمایا کہ معلوم نہیں کیا ہوئی۔ تبلیغ ان کی تبلیغ تھی اور بھی ایسے
 بہت قصے ہیں۔

۳۹۔ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ مطابق ۲۴۔ اگست ۱۹۷۶ء بروز جمعہ رات پور

مولوی عبدالباق صاحب نے عرض کیا حضرت صاحب کے ہاں سات
پشت سے حافظہ آتے ہیں۔ فرمایا اگر اللہ نے ان کو قبول کر لیا تو ان کے لیے جہنم
ہے ہم کو کیا ہماری تو وہی حقیقت ہے کوئی مجھ کو کہیں پوچھتا نہیں تھا جب یہاں حضرت
کی خدمت میں آیا ہوں تو یہ سب کیا ہوں یہ اپنی اوقات تھی۔ بہت ٹھہرنا ہوا تو لوہا
نے باجرے یا سلوم نہیں کھا ہے کی روٹی کھانے کو وہی جو میں نے نہایت قیمت
سبھی یہاں بھی خیال تھا کہ پتے کھایا کریں گے روٹی تو ہم کو کون دے گا مگر اللہ تعالیٰ کا
لاکھ لاکھ شکر ہے کہ بڑے آرام سے گزری۔ مولوی اکرام الحسن صاحب کی طرف اشارہ
کر کے فرمایا کہ خاندان ان کے ہیں یہ فخر کریں تو بنتا ہے۔ اور مولانا عبد العزیز صاحب کی
طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یا خاندان ان کا ہے۔ یہ فخر کریں تو بنتا ہے ان کے مانا جی
حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جوتیوں کی برکت سے ہوا ہے جو ہوا ہے بس
ورنہ میں تو کچھ نہیں نہ پوچھنا مذاق ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ پڑے تو اس طرح تھے کہ جب شاید پانچ سال کے تھے
تو فرمایا کہ خواب میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ہوئی آپ نے توجہ دی
کہ میرا بدن پانی پانی ہو گیا پھر اپنی حالت پر آیا تو فرمایا کہ پڑھ لو پھر حضرت نے پڑھنا
شروع کیا اور سہارا پور میں جب پڑھنے آئے تو اس زمانہ میں طلباء پڑے نیک
ہوتے تھے عصر کے بعد آج کل کا طرح سیریا نہیں کہتے تھے کسی جگہ کی صحبت
میں پہنچ جاتے تو سہارا پور میں حضرت میاں صاحب (عبدالرحیم) سہارا پور کی

خدمت میں اور طالب علموں کے دستور کے مطابق حضرت علامہ علیہ
 بھی حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت میاں صاحب نے فرمایا کہ امیر صاحبانہ
 تجھے بیعت کر لوں چنانچہ یہ بھی اللہ کی طرف سے ہوا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا معمول کبھی
 کبھی خاموشی اور پوشیدہ طور پر پیران کلیہ جانے کا تھا۔ چنانچہ حضرت ملا جی صاحب
 فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت رائے پور سے پیران کلیہ کے ارادہ
 سے چلے میں بھی ساتھ تھا اور ملے ہو گیا تھا کہ راستہ میں کہیں مولوی صاحب نہ کہنا۔
 جب حضرت کہنا دینے لگے تو بستی سے پہلے ہی پوچھا کہ ملا جی کوئی باہر کا راستہ ہے جو
 بستی سے باہر باہر نکلتا ہو میں نے عرض کیا کہ ہے اس راستہ پر جا رہے تھے کہ حضرت
 کے رشتہ داروں میں سے ایک صاحب آگے ل گئے۔ فرمایا کہ آگے میں تو تمہارا
 انتظار میں ہی تھا۔ کھانا کھلائے بغیر نہ جانے وہاں کا حضرت نے یہ معذرت کی
 تو عرض کیا اچھا ذرا ٹھہرو اور کچھ آٹا گوشت وغیرہ کھانے کا سامان گھر سے لائے
 اور ساتھ ہو لئے کہ جہاں جا کر ٹھہرو گے وہاں پکا کر کھلاؤں گا۔ چنانچہ مغرب کے
 وقت فتح پور تھانہ کی مسجد میں پہنچے راستہ میں سمجھا دیا تھا کہ مولوی وغیرہ کچھ نہ کہنا
 اور مسجد میں مینوں اکیلے اکیلے بیٹھا ملا جی صاحب نے فرمایا کہ میرے منہ سے نکل گیا
 کہ مولوی صاحب تو حضرت بہت ہنسے۔ خیر وہاں نماز می آئے اندھیرا تھا ایک
 صاحب نے چراغ لیا اور چراغ سے ہر شخص کو دیکھنا گیا حضرت کے برابر پہنچا تو
 کہا آگ میں تو آپ کو ہی دیکھتا تھا۔ حضرت نے ان سے بھی معذرت کی مگر پیش نہ گئی

تو فرمایا کہ اچھا اس وقت تو کہنا اور ولے کھانا پکا کر کھلاؤں گے۔ صبح آپ کھلا دینا
صبح کہنا اور ولے کو تو واپس بھیج دیا اور کھانا کھا کر وہاں سے چلے پیران کلیسر کی
مسجد میں تنہائی میں وقت گزرنے لگا نہ دن بھر کچھ کھایا نہ رات کو نہ اگلے احد
لگے روز ملاہی صاحب فرماتے تھے کہ حضرت بنے مجھے فرمایا کچھ جنوں کے ستو
تیار کر لو میں نے پیسے خیر کر میں کر ستو تیار کر لیے اور میری جیب میں ایک
پائے پینے کی پیالہ تھی اس میں گھولے۔

حضرت عیسیٰ نے کچھ کھائے احد باقی کو فرمایا کہ تم کھا لو۔ رات کو حضرت
تھوکنے کے لیے مسجد کی نالی کی طرف گئے اور کھنکھارے تو سنانے سجادوں کے ہاں
خادم حسین صاحب کی گھر کے موجود تھے ان کے سجادہ صاحب سے تعلقات تھے۔
انہوں نے کھنکھارے پہچان لی اور کہا آہ مولوی صاحب آج تو پکڑے گئے اور مُتلاہی
صاحب سے اور بھی شکوہ کیا کہ مولوی صاحب کا اتنا شکوہ نہیں مگر آپ سے بہت
شکوہ ہے چدی چوری اگر چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ فوراً ایک کمرہ سجادہ صاحب نے
خالی کر کے حضرت کے لیے صاف کرنے کا انتظام شروع کر دیا مگر حضرت نے ملاہی
صاحب کو فرمایا کہ تنہائی کا مزہ جاتا رہا اور پیشاب وغیرہ کے بہانے سے دونوں
وہاں سے چل دیے اور سہارنپور پہنچ گئے۔

حضرت محمد علی علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت آپ کو حضرت گنگوہیؒ کی طرف جمع
کرنے کی کیسے نوبت آئی جبکہ آپ حضرت میاں صاحب سہک سارنپوریؒ
میں تھے تو حضرت نے فرمایا کہ ایک دفعہ پیران کلیسر عارضی ہوئی۔ گلابی جاڑے کا
موسم تھا۔ رات کو مسجد میں لیٹا تو گرمی محسوس ہوئی باہر آکر ٹکی دلائی تھی بے کر لیٹا تو

بوندی برسے لگیں اندر چلا گیا پھر بارش بند معلوم ہوئی تو باہر آلیٹا پھر بوندی اتر آئیں
 دو دفعہ ایسا ہی ہوا تو قیسری مرتبہ باہر آکر لیٹا تو ارادہ کر لیا کہ خواہ زور کی بارش ہو
 باہری لیٹا رہوں گا۔ بارش شروع ہو گئی اور خوب بارش کا برسا محسوس ہوا اور خیال ہوا کہ
 رضائی تو اب بھیگ گئی ہے مگر جب دیکھا تو نہ فرش بھیگتا تھا نہ دلائی بھیگ سب لوگ
 سو رہے تھے۔ رات کو آواز آئی عبدالرحیم۔ میں سمجھا کہ کوئی اس نام کا فاختہ کا خادم ہے۔
 کوئی اسے آواز دے رہا ہے۔ کئی بار جب آواز آئی تو میں بولا تو آواز آئی ہاں تمہیں ہی
 جانا چاہیے۔۔۔۔۔ یہاں کی برکت اور دولت اب گنگوہ میں پہنچ گئی ہے تمہارا حق
 وہاں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے پاس ہے۔ وہاں سے جا کر لے
 لو۔ وہاں سے چلا آیا مگر حضرت گنگوہی کی خدمت میں نہیں گیا۔ یہاں تک کہ حج کو جانا ہوا۔
 وہاں حضرت حاجی صاحب اس وقت حیات تھے۔ حضرت حاجی صاحب علیہ الرحمۃ
 کی خدمت میں عاضری ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ تم حضرت گنگوہی کے پاس جاؤ اور
 حضرت حاجی صاحب نے خط بھی حضرت گنگوہی کے نام عنایت فرمایا۔ چنانچہ واپس آکر
 گنگوہ عاضری ہوئی۔ حضرت کی خدمت میں خط پیش کیا۔ سہارنپور میں اپنے استاد کی
 خدمت میں اس پہلی بات پیران کلیروالی کا بھی ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تم نے دیر
 کیوں کی۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا دستور تھا کہ صبح کو جانے والے مغرب کے
 بعد ہی مصافحہ کر لیا کرتے تھے۔ شام کو جب حضرت گنگوہی سے مصافحہ کرنا چاہا تو
 حضرت نے فرمایا کہ مولوی عبدالرحیم صاحب آپ بھی جانا چاہتے ہیں۔ عرض کیا گیا کہ
 جی ہاں حضرت نے فرمایا عشا کے بعد ملنا۔ عشا کے بعد فرمایا کہ تہجد کے وقت۔ چنانچہ تہجد
 کے وقت مصافحہ کے لیے عاضری ہوئی تو فرمایا کہ اچھا آؤ تمہیں بیعت کر لوں اور فرمایا

کہ کچھ کرنے کی ضرورت نہیں اسی میں نسبت بڑھتی رہے گی۔ چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پہلے قادریہ نقشبندیہ میں بیعت لیا کرتے تھے جیسا کہ حضرت بہاؤ لعلی رحمۃ اللہ علیہ کو ان ہی سلسلوں میں بیعت فرمایا مگر پھر چاروں خاندانوں میں بیعت فرماتے گئے چنانچہ مجھے چاروں خاندانوں میں بیعت فرمایا۔

۲۴ رمضان المبارک ۱۳۶۹ھ رائپور

رات کی مجلس میں پیر جی منظر صاحب بہت والوں نے دریافت کیا کہ توکل کے آثار کیسے پیدا ہوتے ہیں اس پر حضرت واللہ نے فرمایا کہ اپنا ذکر کئے جاؤ جو کچھ ہونا ہوگا ہو رہے گا باقی توکل مو قوف ہے یقین پر۔ اگر آپ میری دعوت کریں تو میں کھانے کا انتظام نہیں کرتا کیونکہ باوجود سیکرٹوں احتمالات کے ایک درجہ یقین کا ہوتا ہے کہ آپ کھانا کھانے کو کہہ چکے ہیں۔ تو جس کو باری تعالیٰ کے رزاق مطلق ہونے پر یقین ہو اور وعدہ خداوندی جو رزق کے متعلق قرآن میں آتا ہے اس پر حقیقی یقین ہو تو وقتاً یقین کا مرتبہ ہوگا اتنا ہی توکل ہوگا کسی بات پر حضرت باوا صاحب کی حکایت بیان فرمائی کہ بادشاہ نے اپنے کسی اہل کار کی معرفت حضرت باوا فرید گنج شکر رحمہ اللہ کی خدمت میں ایک تحریر کچھ علاقہ کی اور کچھ نقد پیش کیا تو باوا صاحب نے تحریر واپس کر دی کہ ہم گاؤں کے انتظام میں نہیں لگتے اور نقد لاؤ تاکہ میں تحسیم کروں حضرت واللہ نے فرمایا کہ میں بھی آپ لوگ جو نقد لاتے ہیں اس کے ذریعہ اپنے بزرگوں کی خدمت کرتا ہوں کہ اس کو سعادت بکھتا ہوں۔

۲۸ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ ۲۶ اگست ۱۹۴۶ء بروز سوموار رانیپور

ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضرت قرآنی پاک میں ہے ہر شخص کو دوزخ پر سے گزرنا ہوگا اس کا کیا مطلب ہے۔ فرمایا اللہ میاں اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہیں جس طرح والدین اپنے بچوں کو بے حد پیار کرتے ہیں اللہ میاں اس سے بھی زیادہ اپنے بندوں کو پیار کرتے ہیں۔ تو جس طرح والدین بعض اوقات نشتر لگا کر بھی اولاد پر مہربانی کرتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی۔ تو یہ سلوک ہے کہ ہر شخص کو دوزخ پر سے گزرنا ہوگا۔ اس لیے آیا ہے کہ کُل صراط پر سے کوئی اپنے عملوں کے مطابق کُل کی طرح گزرے گا کوئی ہوا کی طرح کوئی سوار کی طرح کوئی پیدل کی طرح اور بعض دفعہ میں گر کر اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے نکلیں گے اور جنت میں جائیں گے جو کُل کی طرح گزر جائیں گے وہ دریافت کریں گے کہ سنا تھا کہ دوزخ آئے گا وہ تو کہیں نظر نہ آیا وہ سوچے بچار سے گھبراتے گھبراتے جنت میں پہنچیں گے تو یوں کھو کہ جبریلؑ سونے میں کھوٹ ہو تو کٹھالی میں تپا یا جاتا ہے یہی حال ہوگا (ایمان والوں کو گناہوں سے پاک کیا جائے گا) کسی نے عرض کیا کہ حضرت بزرگوں کے متعلق سنا ہے کہ رات میں جبکہ اس سے بھی کم مدت میں قرآن پک ختم کر لیتے ہیں اس سے تو شبینہ کا جائز ہونا ثابت ہوا۔ حضرت واللہ نے فرمایا کہ وہ تو عشق کی بات ہے اور روحانی طور پر اس سے بھی کم میں ختم ہو سکتا ہے۔ مگر یہ سب ان حضرات کی بات ہے ہماری نہیں حضرت باوا صاحب کے متعلق حضرت سلطان جی نے ملفوظات میں تحریر فرمایا ہے۔ حضرت باوا صاحب نے فرمایا کہ ایک بزرگ رمضان شریف میں تراویح میں ختم اور چار پارے

کیا کرتے تھے بڑے مبارک بزرگ تھے اور فرمایا کہ اب بھی ۲۹ شعبان ہے کچھ ہمت
 ہے۔ تو سلطان جی کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا حضرت حاضر ہیں۔ تو حضرت باوا
 صاحب نے بھی تراویح میں ۷ حتم اور چار پارے کیے اور یہی معمول اس رمضان میں
 رہا۔ یہ روح سے ہوتا ہوگا یا جیسے بھی ہمارے جیسے ضعیفوں کے بس کی بات نہیں
 یہاں شبینہ میں کوئی کھڑا ہے کوئی بیٹھا ہے کوئی لیٹا ہے نہ کوئی تڑپا ہے یہ کچھ نہیں۔
 فرمایا کہ انسان کی اہل کیا ہے ایک قطرہ منی جو کپڑے پر گئے تو صابن سے دھو
 ڈالیں پھر حرم بنا خوں جیٹن سے یہ سب چیزیں جن سے انسان کو گھن آئے مگر باری تعالیٰ
 کمال ہے کہ اس نے ایسے کچے بنائے ہیں جسے ہر کوئی چومے چلے تو اپنے اندر جو خوبی
 نظر آتی ہے۔ سب اور مرے نظر آتی ہے۔ اور اسی کمال ہے اپنے اندر تو سب نقص
 ہی نقص اور عجز ہی عجز ہے۔ انسان کو اپنی حقیقت جانی اور پیش نظر رکھنی چاہیے جو
 کوئی اپنے آپ کو کچھ سمجھتا ہے وہ ولی کہاں ہوا کیونکہ قرآن پاک میں ہے کہ خدا تعالیٰ تکبر
 کرنے والوں کو دشمنی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اللہ کے بند سے اپنے آپ کو کچھ نہیں
 سمجھتے جو کچھ بن آئے خدا کی قدرت اور توفیق سے ہی ہوتا ہے اور اس کے خلاف سمجھنا ان
 حضرات کے ہاں یہی تو شرک ہے اور الحمد للہ اللہ تعالیٰ کا ہے کہ جو خوبی کہیں بھی ہے
 سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ حضرت والا نے یہ بھی اسی مجلس میں فرمایا کہ حضرت عیسا
 صاحب یعنی عبدالرحمن خان صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو جو سانپ شیر نظر آئے تھے
 تو اللہ اعلم جہاں تک میں نے خیال کیا اور یہ اپنا خیال ہے پختہ بات نہیں کہ یہ ان کے
 اپنے اندر کے افلاق روزیہ تھے جو گل رہے تھے چنانچہ انہوں نے خود سنایا ہے کہ
 پہلے وہ کبھی کسی کلکٹر انگریز کے ہاں نوکر تھے تو ایک نوکرنازی آگیا اس کے ٹکوانے کیلئے ایک برتن کو

توڑ کر اس کے ذمہ لگادیا وہ بیچارہ بہت تیرا کہتا رہا کہ میں نے نہیں توڑا اگر انگریزوں نے کہا نہیں
ہمارا نقد اور قابل اعتماد نہ کر کہتا ہے کہ تم نے توڑا ہے لہذا تم چلے جاؤ۔ تو یہ چیزیں
میاں صاحب کے اندر کی تھیں۔ یہ جو آتا ہے کنڈک سے ڈاکر کے خیانت جمع ہوتے
سکتے ہیں تو یہی سانپ بھپو بھیرٹے ہیں۔ شریعت کی پابندی کرنا گویا اخلاق کو صحیح کرنا
ہے۔ جو اخلاق صحیح کر لیتا ہے۔ وہ دائمی راحت اور آرام کی زندگی پاتا ہے۔ ہر شخص پہلے
تک کہ دہریوں کا مقصد بھی راحت کی دائمی زندگی حاصل کرنا ہے۔ تو جب انسان
شریعت کے مطابق اخلاق کر لیتا ہے تو گویا خداوند تعالیٰ کی دائمی زندگی اور راحت کی
زندگی سے حصہ پاتا ہے۔ کیونکہ ہر خوبی تو خداوند تعالیٰ ہی میں ہے۔ تو خیریاں وہیں سے
حاصل ہوئیں۔ اپنے اندر تو کوئی خوبی نہیں ہے اور اپنے اندر کوئی خوبی سمجھنا ان کے ہاں
یہی تو شرک ہے۔

۲۹ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۷ اگست ۱۹۴۶ء بروز منگل رات پور

رات کی مجلس میں مولانا مولوی عبدالرشید صاحب جالندھری کو نصاب کے بارہ
میں فرمایا کہ مولوی صاحب! مولانا خیر محمد صاحب نے آٹا لبا جو نصاب تجویز فرمایا ہے
یہ ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ نصاب مختصر اور دنیاوی پر حاوی ہونا چاہیے۔ اس میں منطقی
فلسفہ قدیم اتنا زیادہ رکھنے کی ضرورت سمجھ میں نہیں آتی۔ طلباء جوان مدارس میں آجکل
بہت کم استعداد کے آتے ہیں حدیث تک پہنچنے سے پہلے ہی داغ کھو بیٹھا کریں گے

اور علاج میں مشغول رہا کریں گے اور جدید تعلیم بھی اگر اس میں کچھ رکھی جائے تو نہ وہ ہوگی نہ یہ اس سے تو بہتر ہے کہ پھر کسی یونیورسٹی کا نصاب لے کر اس کو پورا کیا جائے اور دنیا میں پھر ایسی ہی بات ہوگی۔ جن لوگوں سے چندے وصول کر دئے ان کی خوشامد کرنا پڑے گی مجھے علم میں دیکھ کر بڑا خیال ہوا کہ ایک ان پڑھ آدمی کو چونکہ وہ پیسے والا ہے اور اس سے چندہ کی امید ہے کسی پر بٹھا رکھا تھا اور علماء سب نیچے بیٹھے ہوئے تھے اس طرح علماء کی وقعت تو خود کم کی جا رہی ہے۔ یہی وہ شخص تھا جس نے علماء کی پھر خوب خوب مخالفت کی۔ اب اگر دین کو جتنا کچھ وہ ہے باقی کھنڈا ہے تو علماء کو تنگی سے رہنا اور بوریا نشینی اختیار کرنی چاہیے اور طلباء سے بھی کہہ دینا چاہیے کہ اگر دین سیکھنا ہے تو ایسا ہی رویہ اختیار کریں ورنہ قوم کا تو یہ حال ہے کہ وہ لکھی طرف کو چلی جا رہی ہے۔

وہ رامپور کے حکیم صاحب نے جو کچھ بیان کیا اور ہر جگہ حضرت مدنی کے ساتھ جو کچھ ہوا سامنے ہے جب بریلی میں پتھر بننے لگے تو بعض جاں نثاروں نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ کے اوپر درمی تان دیں تو حضرت نے فرمایا کہ میرا سر آپ کے سروں سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔ لہذا اس کی ضرورت نہیں اس پر ان حکیم صاحب کو رقت طاری ہو گئی حضرت والا نے فرمایا کہ جب امیر صیب اللہ صاحب ہندوستان میں آئے تھے تو ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اہتمام سے سفر کیا۔ ہم کو انبالہ چھوڑا اور حضرت سہارنپوری بھی ساتھ تھے حضرت سرسندھ پنچہ وہاں امیر صاحب کے پر لکھ شہر بازار کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چاہا کہ پیر صاحب امیر صاحب کو ملی کر لکھ

کالج جانے سے روک دیں اور انہوں نے اطمینان بھی دلا یا مگر آخر کیا ہوا میر صاحب وہاں پہنچے علی گڑھ کالج والوں نے کہیں کہیں سے پڑانے پڑانے کتب خانے اٹھا کر منگوالیے۔ عربی خطبات تیار کر لائے اور بعض جگہ کے طلباء کو جمع کر کے امیر کو دکھا دیا کہ کالج عربی تعلیم بھی دیتا ہے اور جب امیر صاحب کالج دیکھ کر چلے گئے تو یہ سارا مواد منتشر کیا اور خوب خوب مذاق اڑایا بلکہ میں انگریزوں نے امیر صاحب کو ایسی سیر کرائی کہ ایک افغان بیان کرتا تھا کہ اب ہندوستان سے جا کر امیر حبیب اللہ صاحب پہلے جیسے نہیں رہے۔ پہلے تو خود نماز کی امامت کیا کرتے تھے پھر اپنی نمازوں میں بھی سستی بھرنے لگی۔ انگریزوں کے پاس بھی جادو ہے۔

تو اب مولوی خیر محمد صاحب نصاب کس بستے پر بناتے ہیں
میں تو یہی کہوں گا کہ مسجدوں میں جب تک گنجائش ہے تنگی ترشی سے
گزر کر واحد جو کوئی آتا ہے اس کو دین سکھاؤ اور جہاں تک ہو سکے اس کی دینی تربیت
کرو اپنا دین سلامت سے کر چلتے بنو۔

، شوال المکرم ۱۳۶۵ھ مطابق ستمبر ۱۹۴۶ء بروز بدھ

صبح کی مجلس میں حضرت والہ نے کئی دل سے لگے، لاگرس پر جہاں ہونے والی
بمبے کے متعلق فرمایا۔ ہم اور کچھ نہیں جانتے مگر اتنا غم ٹھونک کہتے ہیں کہ ہم حضرت مدنی
کے ساتھ ہیں۔ مولوی اقصیٰ الحسن نے کہا کہ حضرت خانقاہ میں ایسی کشتوں سے بہت
وقت ضائع ہوتا ہے۔ حضرت والہ نے فرمایا کہ کیا کہہ دوں میری تربیت کچھ ایسی ہوئی ہے
اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت فیض الہند کے جو حالات دیکھے ہیں میرا خود سر کھلانے
لگتا ہے۔ اور وہ اور جو لوگ حضرت مدنی کو ایذا دیتے ہیں ان کے لیے
دل سے بد دعا لگتی ہے۔

۲۳، ذی قعدہ ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۹ اکتوبر ۱۹۴۶ء بروز اتوار

صبح کی مجلس میں فرمایا کہ ہمارے نزدیک رویت الہی کے لیے طویل سفر ہے
یہاں صبح راستہ اختیار کرنے کے بعد پھر تمام عمر شریعت پر عمل کرنا پڑتا ہے
پھر مرنا ہے وہاں بھی قیامت تک چلنا ہے۔ پھر قیامت کے بعد جب جنت میں پہنچے وہاں
گئے وہاں بھی چلنا پڑے گا پھر خدا جانے کتنے عرصہ بعد جب اس کی اہمیت ہوگی تو رویت
نصیب ہوگی۔ ورنہ چلنا ہی چلنا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہر چلنا الگ ہے اور اس کی
کیفیت اور حیثیت بھی الگ الگ ہے۔

۲۹۔ ذیقعدہ ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۶ء بروز جمعہ

شام کی مجلس میں راؤ فضل الرحمن خان صاحب نے اخباری بات سنائی کہ چند روز میں حکومت کاشن لندن سے پھر ہندوستان فسادات کے معائنہ کے لیے آ رہا ہے۔ اس پر حضرت نے ہنس کر فرمایا کہ وہ بندہ بانٹ لے کر پھر آ رہا ہے خلافت کے زمانہ میں مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی بڑے جوش میں تھے اور راستے پر بھی تقریر کرنے تشریف لائے تھے تو انہوں نے بیوں کے غیر ماتھے والے بندہ کی حکایت جیسے وہ اکثر ملے ہوئے کہتے تھے یہاں بھی سنائی جو اکثر کتابوں میں بھی ہے۔ حضرت والہ نے فرمایا ہم دونوں تو میں اپنا پنیر خود بانٹ لیں گے مگر بندہ کو مہربانی کنی چاہیے اور چلے جانا چاہیے۔ اب ہم ہرگز ہرگز بندہ سے پنیر نہیں بٹوائیں گے۔ مگر وہ بندہ تو ابھی تک پنیر بانٹ بانٹ کر اپنا پیٹ بھر رہا ہے اور بلیاں آپس میں لڑ رہی ہیں۔

لوگوں کو کہا ہے مذہبی لطائف کے اب زمیندار، کاشتکار مزدور سرمایہ دار وغیرہ سوالات پر لڑنا چاہیے اس سے مذہب کو بدنام کرنے کا قصہ تو ختم ہو جائے گا۔ ورنہ یہ خیال ہے کہ مذہب بدنام تو اب بھی ہے اور بھی ناپسند نام ہو جائے گا۔ ملن کا فسادات دیکھنا وہ سچے ملکوں میں ہندوستان کو بدنام کرنے اور انگریزوں کا حکمرانی کے حجاز میں دلائل قائم کرنے کے سوا کوئی مقصد نہیں ہو سکتا فرمایا کہ باہمی سمجھوتہ ہوتا نظر نہیں آتا کیونکہ سمجھوتہ تو وہاں ہوتا ہے جہاں کوئی شکایت ہو اور اس کا ازالہ مقصود ہو لیکن جہاں فرق مخالف کو گرا کر اپنا ہی مقصد ہو وہاں پھر سمجھوتہ کی صورت ہی کیا ہو۔ یہ فقرہ بڑا خطرناک اور بے معنی ہوتا ہے کہ صاحب باعزت سمجھوتہ ہو۔ کیونکہ اس فقرہ کے کہنے والے کا مقصد

بھرتہ کرنا نہیں بلکہ فساد کرنا ہوتا ہے۔ یہ ہمارا روزمرہ اور رات دن کا تجربہ ہے۔ زمینداروں میں بھی ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ سولے تیسرے کی مداخلت کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ میرے ایک زمیندار دوست نے بتایا تھا کہ جہاں رعایا میں لڑائی نہ ہو وہاں لڑائی کرنا اور جہاں لڑائی ہو اس کو جاری رکھنا یہ زمیندار کو مضبوط رکھنے کے لیے ضروری ہے اس لیے ہمارا یہ کہنا کہ رعایا میں ہم صلح کرنا چاہتے ہیں قطعاً غلط ہوتا ہے۔ نیز حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ یہ تو معلوم نہیں کہ کیا ہو۔ ایک وہ دور تھا کہ انگریز کی ملازمت کرنے والوں کو لوگ اچھوت سمجھا کرتے تھے کا بر محلہ میں ایک مولوی صاحب انگریز کے ملازم ہوئے ان سے انگریز افسر نے کہا کہ تمہاری تنخواہ کس ہے۔ چاہو تو زنی دے کر بڑے عمدہ پنچھ دوں۔ انہوں نے کہا کہ صاحب میں تنخواہ کیا کروں گا کیونکہ میرا کوئی عزیز و قریب یہاں تک کہ میری بیوی بھی تنخواہ کی کوئی چیز نہیں کھاتی، یہاں بھی کھانے کا انتظام اور جگہ کتے ہیں۔ مجھے لود تنخواہ کیا کرنی ہے۔

اور ان کے صاحبزادہ مولوی انوار الحق کا قلم مولوی لطیف الرحمن صاحب لاندہ مولوی نے حضرت کو سنایا کہ ان کو سرستید کی انگریز افسر کے پاس لے گیا کہ ان کو حج بنا دو اس نے کہا کہ یہ تو ٹکڑے ہیں تو سرستید نے کہا میں کونسا ان کو لام پھیتا ہوں اسی لیے تزیج بنانے کو۔ کہ بیٹھے کسی پر مقصات فیصل کرتے رہا کریں گے چنانچہ اس نے ان کو حج بنا دیا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ سرستید نے یہ اپنے استاد کے صاحبزادوں کے ساتھ حسن سلوک کے طور پر ان باب بیٹوں کو کرکرا دیا تھا۔ مگر آج زمانہ کہاں کہاں

۱۔ یہاں مولوی صاحب کا نام ذکر نہیں ان کے صاحبزادہ کا نام انوار الحق صاحب ہے۔

چلا گیا۔ مولوی نے بہت کچھ انقلابی واؤ کئے مگر سیاست کے سامنے مذہب مات کھا گیا۔ پورا تو پتہ نہیں مگر خیال ہے کہ ہندوستان کی اگلی نسلیں یہ دیکھ کر کہ مذہب آپس میں نفاق کا موجب ہے مذہب کو ہی خیر باد کہہ دیں گی حالانکہ مذہب نفاق نہیں سکھاتا یہ تو کچھ اور ہی چیز ہے جو نفاق سکھاتا ہی ہے مگر آنے والی ہندو مسلم نسلیں پھر بھی مذہب کو مطعون کریں گی اور مولوی پیارہ پھر بھی پٹتا رہے گا یہ خیال ہے کوئی الہام نہیں۔

حضرت والدہ نے امیر عبدالرحمن والی کابل کے سفر ہندوستان اور غالباً حضرت امیر خان شاد صاحب کا امیر کو سفر ہندوستان مبارک باشندہ کہنے کا ذکر فرمایا اور پھر ضمنہ امیر یعقوب علی خاں کابل کے دہرہ دوں کے قیام اور خاندانی حالت کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا۔ یہ خاندان دہرہ دوں لدھیانہ وغیرہ میں چار جگہ مقیم ہے اودھان کے ساتھیوں میں سے دو شخص تھے جو امیر عبدالرحمن کے بھی ساتھ تھے۔ نیز حکیم مسعود احمد صاحب کا آگرہ جاکر امیر کو ملنا اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا محال اور تلوار وغیرہ تبرکات دینا بیان فرمایا اور فرمایا کہ امیر حبیب اللہ صاحب والی کابل نے انگریزوں سے نہیں بگڑی اور فرمایا کہ ایک ایسا موقع بھی کھویا جو پھر نہیں آسکتا۔ وہ جنگ ۱۲-۱۸ میں جبکہ ہندوستان میں کل ۱۲ ہزار فوج تھی چکے بیٹھا رہنا ہے۔ جبکہ ہندوستان کا تمام انقلابی عنصر حیدر آباد اور مولوی عبید اللہ صاحب کابل ہی میں تھے۔ حبیب اللہ خان نے قتل ہونا گوارا کیا مگر انگریز کے خوف خروج نہ کیا۔ پھر حبیب اللہ نے خروج کیا تو ہندوستان میں کافی افواج واپس آچکی تھیں مگر اس کا بھی فائدہ ہوا کہ افغانستان آزاد ہو گیا اور انگریزوں نے فدا صلح کر لی اس جنگ کے بعد بھی اب انگریز نے ہندوستان کو بند رکھا ہے وہ نہ ہندوستان کی فدا سی کر وٹ اس وقت انگریز کو تباہ کر سکتی ہے۔ مگر اس کی خوش قسمتی کہ یہاں آپس میں اختلاف ہے۔

اگر اس وقت لیک، کانگریس سمجھوتہ ہو جائے تو فوراً انگریز ہندوستان سے باہر ہو جائے۔

۳۰ رزیقہ ۳۶۵، ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۶ء بروز ہفتہ

حضرت والا نے نو اکھالی صوبہ بنگال کے واقعات فسادات پر پڑا افسوس ظہر فرمایا کہ محدثوں کا اغواء مسمت دری اور بچوں کا اغواء جس کے متعلق اخباروں میں تذکرہ ہے اور جبراً مسلمان بنانے کے واقعات اسلام کو بدنام کرنے اور مذہبی بنیادی کے علاوہ دیے بھی انسانی زاویہ نگاہ سے شدید ترین برائی ہے۔ صوفی عبدالحکیم لودی پوری کے اس سوال پر کہ جبراً کسی کو کلمہ پڑھانے سے کوئی مسلمان ہو جاتا ہے۔

حضرت والا نے فرمایا یوں جبر سے کلمہ پڑھا دینے سے شرعاً کوئی مسلمان نہیں بنتا۔ جب شرعاً اس فعل کا کوئی فائدہ نہیں تو پھر یہ اشد جرم دین کو بدنام کرنے کے سوا اور کسی فائدے کو کیا شامل ہو سکتا ہے۔

اور فرمایا کہ ہر بات میں پروپیگنڈہ کہہ کر پورے ڈالنا بے معنی ہے۔ آخر سہا ز پوری جب فساد کے موقع پر ایسے واقعات ہوئے جن کا ہمیں پورا پورا علم ہے کیا وہ بھی پروپیگنڈہ تھا۔ یہ تو مسلمانوں کی جہالت کے کرشمے ہیں۔ حضرت مدنی پرامترس، جالندھر میں جو حملہ ہوا اس سے بھی میں تو اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہر جگہ کا ڈپٹی کمشنر اور اس کا کپتان پولیس فساد کرتا ہے تبھی تو پولیس نے حملہ کو نہیں روکا۔ بلکہ لوگوں کو ایسے واقعات کے لیے شہ دے دیتے ہیں اگر پولیس چاہے تو فساد نہیں ہو سکتا مگر وہ خود شامل ہو جاتی ہے۔ پھر کوئی پولیس افسر اگر تحقیق کرتا ہے تو وہ پہلی پولیس کی حمایت ہی کرتا ہے۔

مجلس میں پہلے زمانہ کے لوگوں کی جرأت کا ذکر ہوا تو حضرت والدہ نے بھی اپنے وطن کا
 ایک قصہ سنایا کہ والدہ سے سلسلہ۔ لوگ پہلے دنوں میں جو بختک سالی
 ہوتی تھی تو جہاں کہیں بارش ہوتی اور گھاس ہو جاتا تو دس، دس، پندرہ پندرہ کوس پر
 گھر چھوڑ کر مویشیوں کو لے جاتے تھے ایک دفعہ مرد جنگل میں ذرا دور چلے گئے۔ ایک عورت
 پیچھے ڈیرہ پر رہ گئی۔ ایک جوان بد معاش اُدھر آ نکلا اس نے عورت کو اکیلی دیکھ کر زیور
 اتروانے کو دھکی دی۔ عورت نے زیور اتار کر دے دیا اور کہا کہ جتنی دور تو جا کر بچے کہ اب
 یہ مجھے نہ پکڑ سکے گی آواز دے دینا اور پھر اگر ہو سکے تو بھاگ جانا وہ زیور لے کر ساٹھ ستر
 قدم گیا اور آواز دی ابھی دو قدم بھاگا ہو گا کہ عورت نے بجلی کی طرح کوند کر آیا اور گلے
 سے ایسا دبایا کہ زیور ڈال کر چٹکارا چل کر لپکا گیا تو عورت نے کہا
 اب تجھے دودھ تو پلا دے چنانچہ گھسیٹ کر ڈیرے پر لٹی اور نہایت تیز گرم دودھ
 اس کے منہ میں ڈال دیا۔ جب منہ جل اٹھا تو ٹھنڈے پانی کا پیالہ منہ میں اٹھایا اور منہ
 پر دانتوں کے عین اوپر وائیں بائیں اور سلسلے میں کھے مار دیے تمام دانت گر گئے اور
 عورت نے اسے یہ نشانی دیکر توبہ کر کے چھوڑا۔ چنانچہ وہ شخص باوجود جوانی اور سیاہ
 واری ہوئے کے تمام عمر بے دانتوں کے بڑھ چلا کی طرح رہا۔ فرمایا کہ پہلے لوگ ندر اور
 ہوتے تھے صاحب فن ہوتے تھے اور عورتیں بھی ایسے فنون سے واقف تھیں اور نیک
 بھی ہوا کرتی تھیں۔

چودھری نصر اللہ صاحب سے گنگو کے اثنائے میں فرمایا کہ بریلی کے ایک صاحب
 جو قتل کے مقدمہ میں مایوز حالات میں تھے۔ پچاسی کے فکر میں انہوں نے توبہ تلا اور
 پڑھنا پڑھنا بکشت کیا تو سلسلہ ہے ان کی حالت بدل گئی اس لیے ہم کہتے ہیں کہ موت

کو یاد رکھو اور خدا کو یاد کیا کرو تو بہ متفقہ کرتے رہو جو قصہ ذخیرہ آئے اس کو ترک کرو۔ انسان جب بوڑھا یا کمزور ہو جاتا ہے تو اس کے اخلاق خصوصاً حرص وغیرہ جو ان ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ کمزوری میں عموماً انسان اپنی عادتوں کو قابو میں نہیں رکھ سکتا تو ان کا اظہار ہونے لگتا ہے۔ اس لیے موت کو یاد رکھنا اور یاد خدا تو بہ وغیرہ ضروری ہے تاکہ حرص وغیرہ کو ابھرنے کا موقع نہ ملے۔

فرمایا بیل میں ایک بڑا شہد الہی بد معاش تھا جو بڑوں بڑوں کو راہ چلتے پیٹ دیتا تھا کہ تو ال، مجھ پیٹ اور بڑے ذی وجاہت امرار حکام اس سے نالائقی تھے۔ سب نے مل کر اس کو ایک قتل کے مقدمہ میں پھانسی دیا جب حوالات میں پھانسی کا حکم ہوا تو وہ شخص تو بہ تکا کے اور ہر وقت یاد الہی میں رہنے کی وجہ سے بڑا نیک اور نورانی چہرہ ہو گیا وہ کہا کرتا تھا کہ میں نے اور بڑے بڑے عیب کئے خدا معاف کرے مگر اس مقدمہ میں میں بے قصور ہوں مگر یہ گرفتاری اپنے گزشتہ عیوب کا بھگتاں ہے پھانسی کے حکم پاس نے اپیل کی مگر پہلے حکم کی بناء پر اس کو حکام نے جلد جلد پھانسی دکھایا اور چند گھنٹے بعد اس کی اپیل کی منظوری کی اطلاع آئی مگر اب کی تھا اور فرمایا کہ انسان کا اس طرح رہنا چاہیے جس طرح پھانسی کا حکم چھٹے کے بعد وہ حوالاتی ہوتا ہے اور ہر وقت موت یاد رہے۔

راؤ عبد العزیز صاحب کھیری والوں نے حضرت والہ کی خدمت میں راستہ کی تاہواری کا ذکر کیا تو حضرت والہ نے فرمایا کہ کھیری کا راستہ بھی ایسا ہی ہے۔ فرمایا ایک دفعہ برسات میں ہم کھیری سے چلے تو سورانی پار کی ایک بیل تھکتا تھا جس پر بارش کی وجہ سے کبل کی چھت بنالی تھی۔ اگرچہ ہمدی میں دھن بے مدتی مگر لوگوں نے اٹھا کر گاڑی پار کر

دی اور اس باغ سے سڑک کا راستہ ٹھیک بارہ بجے دوپہر کے شروع ہوا۔ موہن لک مسجد میں نماز پڑھی۔ عشا کی نماز بادلوں میں سے چمکنے والے چاند کی روشنی میں سڑک کے نیچے پانی ٹکڑے ٹکڑے پڑھی۔ تمام رات چلتے رہے۔ دہرہ دہن کا ایک انجن چل رہا تھا اس کی آواز بھی آتی رہی مگر ڈیرے صبح چار بجے پہنچے۔ جب وہاں سے اب کاریا لاری پر گزر رہا ہے تو وہ زمانہ اور اس زمانہ کی سواریاں یاد آتی ہیں۔

یکم ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۶ء بروز اتوار راتپور

صبح کی مجلس میں ایک صاحب نے پٹواریوں اور زمینداروں کی سازش سے خود کاشت کے بطوریل سلسلہ اور اسکے متعلق تحقیق کا ذکر کیا۔ اس پر حضرت والہ نے فرمایا کہ حضور مولوی تاج سوال کرائیں یا کوئی اور۔ اگر آپ خود جدوجہد کر کے اپنی زمینوں کی کاشت نہیں کراؤ گے۔ اس کا نتیجہ تو کاشتکاروں کا قبضہ ہونا ہی ہوگا۔ اگر تم سُست پڑے رہو گے تو کون ہے جو محنت خود کرے اور اپنی محنت کا بھل تمہارے حوالے کر دیا کرے ہم نے تو شاہ نادر حسن کو دیکھا ہے کہ خون پسینہ لیک کر کے اپنی کاشت کرتے تھے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو آج ان کو بایا ان کے لڑکوں کو کون بوجھتا۔ اب ان کے لڑکے سُستی کرتے ہیں۔ بس کا انجام بھی اچھا کیا ہو سکتا ہے۔

باقی رہا جس سے لوگوں کو خوف بنانا ہوا اور جس کے ساتھ دشمنی کرنی ہو میرا خیال ہے کہ آجکل اس کو ممبر بنوا دینا کافی ہے۔ لوگ اس کے غلط ہو جائیں گے۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ شاہ نظر اور شاہ محمد حسن کے غلط تمام علاقہ میں کوئی شخص ایک بات نہیں سُنی سکتا تھا

اور ایک دن آج کا ہے کہ علاقہ کا سولے خوشامدیں کے بچہ بچہ غلط ہوتا ہے اپنے کام کے لیے لوگوں کی مخالفت مول لی اور اب تجارتوں کے پیچھے مارے مارے پھرتے ہیں۔ مگر آرام طلبی سے تو وہ بھی نہیں پیدان چڑھ سکتی ایک صاحب کو کہا کہ اپنا کام دیکھا کرو تو انہوں نے کہا کہ جی نہیں گنتا۔ بعد جب جی سنگے گا تو جائداد رہے گی۔ کفرانِ نعمت پر خدا تعالیٰ ان کو کیسے دے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کو دے گا جو اس کا کفران نہیں کریں گے اور کام میں جی لگائیں گے۔ حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے جہاں سے رزق کا دروازہ کھول رکھا ہے۔ اسے خود نہ چھوڑو۔ وہ اسے بند کرے گا تو کوئی اور دروازہ کھولے گا ہاں کفرانِ نعمت کریں گے تو اس کا علاج نہیں۔

یہ پنجاب کے وزیرِ اعظم خضر حیات ہم سے چار کوس پر بھی اب تو یہ کہہ اوجھڑی مشغول ہیں۔ لہذا کارندے چھوڑ رکھے سہل گئے مگر جب انہوں نے کھیتی کرائی تو خود ایک ایک بیسویہ زمین کی دیکھو بھال ان کو اور ان کے والد صاحب کو کرتے دیکھتے ہیں کہ اتنی بڑی زمین ہے کہ ان کے کاشتکاروں کے ہاں اتنا سنا ہے جتنا یہاں زمینداروں کے ہاں نہیں ان کی آمدنی گیارہ لاکھ سالانہ تک تھی باقی کارندے کا اندسہ ہیں ان کا کام پٹنا ایک ہی ہو سکتا حضرت واللہ نے انسان کی اس کیفیت کا نقشہ کیسے پختہ ہوئے کہ انسان ایک وقت فرشتوں سے سبقت لے جاتا ہے اور دوسرے وقت شیاطین سکوات کرتا ہے ایک واقعہ نظیر کے طور پر بیان فرمایا کہ دہرہ دھل کے راستے میں آب روڑی نامی پولیس کی چوکی کے پاس ایک چھوٹی سی مسجد میں کوئی میاں جی رہا کرتے تھے۔ ایک معمول سوداگر یا پڑاوی راستہ کا مسافر مسجد کے غسل خانہ میں نہایا اور وہاں کوئی ہزار روپیہ کی تحصیل بھول گیا اور جلدی میں سہا پھوڑ کھنچی کر اسے ملے ہوا کہ وہ اپنی تحصیل گم کر چکا ہے۔ یہ اس کو معلوم نہ تھا کہ کہاں

گم ہوئی یا راستہ میں گری۔ ایک احتمال اس مسجد کا بھی تھا وہ تلاش میں ہیں مسجد میں پہنچا تو اس
 میاں جی نے فوراً وہ قہیل اس کو دے دی کہ مجھے غسل خانہ سے ملی تھی اور سو آپ کے وہاں
 احد کسی کے نہانے کا مجھے علم نہ تھا۔ چنانچہ اس قہیل والے کے دل میں میاں جی کی دیانت کا
 سکہ جگمگایا اور میاں جی نے بھی کمال دیانت داری سے کام لیا: اتفاق سے مسجد کے پاس
 ایک چھوٹی سی لڑکی کے قتل کے سلسلہ میں لاش برآمد ہوئی اور میاں جی کو پولیس نے چھوٹی چھوٹی
 دو بالیوں کے لالچ میں لڑکی قتل کرنے کے الزام میں گرفتار کر لیا۔ اس قہیل والے آدمی کو اس
 مقدمہ کا علم ہوا تو اس نے اپنے اشرار و سوء کام میں لاکر کسی بڑے افستک میاں جی کی
 دیانتداری کی داستان پہنچا کر سفارش کرائی اور وہ میاں جی بری ہو گیا۔ اس کے بعد میاں جی
 سے اس آدمی نے گفتگو کی تو میاں جی نے بتا دیا کہ دراصل بالیوں کے لالچ میں قتل کیے گئے تھے
 ہی ہوا تھا۔ یہ سن کر اسے بڑا افسوس ہوا اور آئندہ اس نے سفارش کرنے کی قسم کھالی۔
 تو انسان کا ایسا ہی حال ہے کہ۔

گجے بر طارم اعلیٰ نشینم گجے بر پشت پائے خود بنینم
 ایک وقت میں ایک شخص فرشتوں پر فوقیت لے جاتا ہے اور دوسرے وقت
 میں وہی شخص شیطان کو بھی مات کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مخالفت کے بغیر کچھ خوبی انسان
 میں نہیں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ اللہم! حفظنا من شرور افسنا
 ومن سیئات اعمالنا من ینہدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ
 فلا ہادی لہ۔

آج حضرت کے ہاں اخبار نہیں آیا اور کل سے راؤ فضل الرحمن خان صاحب
 بھی نہیں آئے۔ جو عموماً خبروں کا خلاصہ حضرت کے ہاں بیان کر دیا کرتے تھے۔ اس پر ملنا

حبیب الرحمن صاحب پانچویں نے عرض کیا کہ حضرت ریڈیو کا انتظام کر لیا جائے حضرت والا نے فرمایا کہ تمہاری یہ رائے ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے مولانا نے عرض کیا کہ حضرت ریڈیو کو سوانحیروں کے گانے وغیرہ کے لیے استعمال کرنے سے روک دیا جائے گا فرمایا کہ یہ بھی ایک روز کی لڑائی کا سامان ہو جائے گا اور لوگ گانے سننے کے اشتیاق میں مگر تم روکو گے تو لڑنے لگ جائیں گے۔ البتہ کچھ صبر کرو گے چل کر لوگ خود کھل جائیں گے اور شاید ریڈیو اور سینما سب تعلیم کا ذریعہ بنائیے جائیں گے، ہاں جب تک کچھ تکلف نہیں یہ وقت گزرتے تم بھی اس ابتلا سے بچ رہو گے مگر بعد میں تو ایسا ہی قسم ہو جاتا ہے۔ فرمایا کہ ابھی ذرا حکومت کی توجہ نہیں ہوئی نیز فرمایا کہ سائنس نے تو اس سے بھی زیادہ ترقی کر لی ہے چنانچہ چاند پر جانے کی تیاری تو ہو ہی رہی ہے اگر کوئی چیز وہ میلان میں حامل ہو گئی تو چاند پر جانے والے گری جائیگے ورنہ پہنچ ہی جائیں گے اور میں نے اخبار میں یا رسالہ میں دیکھا تھا کہ زمین سورج کا گڑا ہے۔ مگر نور اس میں نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج میں بھی نور اس کا ذاتی نہیں وہ اور کسی سے ملتا ہے اور ہم تو مانتے ہی ہیں کہ نور ہر جگہ وجود بھی سب کو کسی اصل سے ہی عطا کیا ہے۔ الحمد للہ کہ مجھے شبہ تو کبھی نہیں ہوا البتہ طبیعت رکاکتی تھی کہ فرشتوں کی کیا ضرورت ہے مگر اب سمجھ میں آیا کہ حدیث میں جو آیا ہے اگر ایک پر وہ بھی جو درمیان میں ہے اٹھ جائے تو تمام دنیا جل جائے تو یہ سب واسطہ اس لیے ہیں کہ ہم فیوض باری تعالیٰ کے متحمل ہو جائیں ورنہ یہ تمام فیوض جو ہم کو برائی کے ذریعہ مل رہا

ہے اگر وہ واسطہ تو ہم متحمل نہ ہو سکیں۔ یہ تمام زندگی پر حشر نشر اور فساد جنت سب رویت باری تعالیٰ جو خصوصی قسم کی جنت میں ہوگی اس کے متحمل بنانے کیلئے ہے ویسے تو ایک قسم کی رویت قیامت میں بھی ہوگی جنت کی سب نعمتیں بھی اسی غرض سے

ہیں تاکہ اس روایت کے تحمل انسان ہو سکیں۔ مولانا حبیب الرحمن نے قرآن مجید کی آیت
 طہی۔ کُلُوا مِنْ ثَمَرِهَا إِذَا تُرِيتُوهَا رِزْقًا لِلَّهِ۔ اور اس کی قدر کے تشترک
 کی توفر دیا کہ میں جنت کی نعمتوں میں سے ہر نعمت جو دوسری کے بعد ملے گی وہ پہلی سے زیادہ
 مکمل اور افضل ہوگی اگرچہ بظاہر یہ معلوم ہو کہ وہ پہلی جیسی ہے اور وہاں کی تمام نعمتیں ثلث
 ہوں گی تو یہ سب گمگم دو روایت باری کے تحمل ہو سکتی ہے۔ اگر اب فوراً جنت
 مل جائے تو جو اس کا اہل اور تحمل نہیں اس کو اس کا حاصل ہونا ہی محال ہے ویسے اللہ تعالیٰ
 جو چاہیں پل میں کر سکتے ہیں۔

۲ ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۸ اکتوبر ۱۹۴۶ء بروز سوموار رات پور

فرمایا کہ ادب تو انگریز کی قوت ہے اس لیے ہندو یا مسلمان جو آپس کی لڑائی میں بہادر
 جلتے ہیں فساد ہے۔

فساد ہونے کے بعد اس کے فوٹو اور ریکارڈ جب انگریز مہیا کر لیتا ہے تو پھر فساد کرنے
 والوں کو مقدمات میں پیش دیا جاتا ہے اور جس کی مدد کرنا انگریز کی مصلحت ہوتی ہے اس
 کو ابھار دیا جاتا ہے اور ہندوستانی حکام اور وزراء کی حکومت میں نالائقی پر ہر گادی
 جاتی ہے اور اپنے قیام کے جواز کا فتویٰ تصنیف کر لیا جاتا ہے۔

سہانپور میں جو ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ ایک دفعہ فساد ہوا۔ مسلمانوں نے ایک
 لہیا بانس لیا اس پر ایک اور بانس باندھا۔ چچی کے بجاری پتھر میں پھنسا کر اسے ایک ٹھیلے پر
 رکھ کر اس کا مھر مہ کے موقع پر حکم بنایا اور لے کر چلے پولیس اور حکام ہمراہ تھے آخر ایک ایسے

راستہ پر ہو لیے جو جنگ تھا اور جس کے راستہ میں پیل پڑتا تھا۔ وہاں جا کر مل لک گئے تو مسلمان کہنے لگے کہ ہمارا علم نہ تو جکتا ہے اور نہ واپس جاتا ہے یہ تو یہاں سے ہی گز رہے گا۔ اس پر حکام نے پہلے تو دھکا پھر ڈھیلے پڑ گئے اگر فساد روکنا ہوتا تو کچھ مشکل نہ تھا مگر موقعہ دیا کہ پیل کی ٹہنیاں کاٹی جائیں ہندو بگڑے کہ ہمارے مقدس پیل دیتا کو کاٹا جا رہا ہے اور درگزر کے مکانوں سے اینٹیں پتھر بسلنے شروع کر دیے پولیس کو کھسک گئی اور خوب فساد ہوا دو گھنٹہ تک مسلمانوں نے اپنی حکومت قائم کر لی مارا تو کم لیکن ٹھائیاں اور ایسا ہی سامان جو ملاکانوں کے مکانوں سے لوٹ لیا جب یہ ہوا تو اب پولیس آئی اور جو راستہ چلتا ملا گرفتار کر لیا۔ دو سال تک مقدمات اور تحقیقات چلتی رہی اور ایک کو تو ال جو مسلمان تھے انہوں نے مسلمانوں پر شفقت فرمائی جو مسلمانوں کو اطلاع کر دی کہ تیسرے دن ہم تمام شہر کی تلاشی شروع کریں گے۔ مال ملا تو جو من ثابت ہو گا۔ چنانچہ اب لٹا ہوا مال اگلا شروع ہوا۔ رات برات بازار میں مال اسباب پھینکا جاتا تھا کنوؤں میں ڈالا جاتا تھا اور ایک کسی نے تو یہ کیا کہ اسباب مسروقہ گدھے پر لاد کر ہٹک دیا۔ پولیس والوں نے گدھا پکڑا کھلی ہتھیایا دیا اور مذاقاً کہا کہ صاحب مجرم مع مال مسروقہ حاضر ہے۔ الغرض پھر ایسی مصیبت آئی کہ خدا کی پناہ ہر شخص ہی چاہتا تھا کہ اور کوئی چنتا ہے تو چنتے مگر وہ کی جائے۔ ایک صاحب پندرہ دن بعد شہر میں آئے تو دیکھا کہ جس شخص کو اپنی دانست میں مار کر گئے تھے وہ بھی زندہ ہے یہ معلوم کرتے ہی سر پر پاؤں رکھ کر پھر جاگ گئے۔ اگرچہ انگریز نہ ہو تو اس فساد کا خواہ یہ ظلم ہی ہے کوئی تو قیجہ نکالے کہ جس قوم کا جہاں زور مجھ جائے وہ جگہ اس کے تسلط میں آجائے مگر اس وقت تو خواہ ہندو ہو یا مسلمان لٹنے والے فضول لٹتے اور اپنے ملک اور قوم کو نقصان ہی پہنچاتے ہیں۔ خود مصائب اٹھاتے ہیں سوا اس کے ان فسادوں کا کوئی قیجہ

نہیں ہاں مل کر انگریزوں کو نکال دیں تو پھر اس لڑائی کا اچھا بڑا کچھ تو نتیجہ نکلے اب تو یہ سب بے وقوفی بے معنی اور سرسراہٹ ہے ملک اور قوم کی کھلی تباہی ہے اب سلسلہ ہے ولایت سے کوئی مشن یا وفد پھر آرہا ہے اور خیر سے وہ عید کے موقع پر آئے گا اور اس کے بعد ہی محرم لگا ہوا ہے تو ملک کے فساد کے شباب کے موقع پر فوٹو لے گا اور تمام دنیا کو اپنے ہندوستان میں رہنے کے جواز پر مہنوا کرنے کا سامان کر کے چلتا بنے گا اور فساد کرنے والے ہاتھوں پھر مقتلات کے شکار بنیں گے۔

زائن گروہ کے ایک مہمان نے مولانا آزاد اور مولانا مانی پر اعتراض کیا کہ وہ اب ہندو کے ساتھ مل کر مسلمانوں کی تباہی کا سبب بن رہے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر صرف اتفاق اور اتحاد سے ہی بغیر عقل کے کام چل سکتا تو اب سے زیادہ ہندوستانی مسلمان کب متحد تھے۔ اب جو لگ کے ساتھ نہیں ہیں وہ تو گنتی کے لوگ ہیں جو کسی شمار میں نہیں گن سکتے۔ نہ چاہتے تو اتحاد بھی کچھ مفید نہیں پڑتا۔ لگ اگر اپنے اس اتحاد کو عقل سے کارآمد بناتی تو پھر اتنا عقل سے نہ چلیں اور اشتعال پھیلا میں تو مسلمانوں کو فائدہ کے بجائے نقصان پہنچا دیں گے اور پھر اوپر یہ ایسے لوگ ہیں جن میں قومی ہمدردی کا یہ حال ہے کہ ان کو مزاحمت مل جائے تو قوم کو کٹھا اڑالیں اور کوئی پرواہ نہ کریں اور یا بے جا ہٹ منہ اور نیچے کی بات پر قوم کے مفاد کو قربان کر ڈالیں یہ تو خود غرضوں سے بھی زیادہ بڑا ہے۔ یہ ہٹ اور بے کجی نہ تو ذاتی طور پر کوئی فائدہ بخش ہے اور قوم کو تباہ کن ہے ہی۔ آخر لگ نے بے کجی سے بلا کو چکیز وغیرہ کا نام لے کر دھمکیاں بھی دیں تو دیکھنا چاہیے کہ جب اسے مسلم رائے پر اثر ڈالنے کی حیثیت حاصل ہو گئی تو اس کا نتیجہ کیا نکلا کیس

اگر ہندو کو مار دیا تو دوسری جگہ ہندوؤں نے بھی اسی جذبہ کے تحت مسلمانوں کو تباہ کر دیا
 آخر اس کی ذمہ داری کس پر ہے۔

۲ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۶ء بروز منگل رات پور

سہانپور کی جامع مسجد کے پیش امام نے بڑے اہتمام سے حضرت والدہ سوال
 کیا کہ آپ مولانا ابوالکلام آزاد کو کیسے سمجھتے ہیں حضرت والدہ نے فرمایا ہمارے مفتی اور
 متولیان تو یہ مولانا مولوی اشفاق صاحب ہیں شاید ان کو کچھ زیادہ معلوم ہو باقی مجھے تو یہ علم
 ہے کہ ہمارے حضرت کے ہاں جنگ طرابلس و بلقان کے امام میں مولانا آزاد کا اخلاقی
 پڑھا جاتا تھا۔ ان کے مضامین جو عموماً سیاسی ہوتے تھے پسند کئے جاتے تھے مگر یہ سمجھا
 جاتا تھا کہ مولانا آزاد نے ہمارے حضرات کو اس مد میں بیدار کیا ہے۔ میں کبھی مولانا آزاد سے
 نہیں ملا اور نہ کبھی اپنے حضرات کے علاوہ کسی اور سے ملنے کا شوق ہی پیدا ہوا۔ حضرت
 تھانوی علیہ الرحمۃ اور ان کا حلقہ تو ظاہر ہے کہ مولانا آزاد سے مانوس نہ تھا۔ حضرت شیخ
 الہند کے ہاں نسب ہے کہ مولانا آزاد ایک دفعہ چنے و ہاں پہلے سے الہلال کے ذریعہ تعلق تھا
 تو حضرت شیخ الہند نے دیکھتے ہی فرمایا کہ آپ ابوالکلام آزاد معلوم ہوتے ہیں اور حضرت
 شیخ الہند کے ہاں سیاسی خیالات کی وجہ سے مولانا آزاد سے مناسبت اور انسیت تھی
 اور یہ بھی نسب ہے کہ حضرت شیخ الہند نے فرمایا کہ آپ نے ہمیں جگا دیا ہے۔ مولانا آزاد کے مضامین
 سے ان کی ذہانت نمایاں ہے۔ باقی آپ کا سوال اگر تقویٰ کے مد میں ہے تو یہ تو اس کو معلوم
 ہو جو ان کے ساتھ رہا ہو یا ان سے پیری مریدی کا تعلق ہوا ہو البتہ سیاسی مناسبت کا تذکرہ
 ہے

یہی امامت تو میں نے تو اپنے

حضرت اور پھر حضرت گنگوہی کی امامت مان رکھی ہے البتہ سیاسیات میں مولانا آزاد نے بھی ایک راستہ اختیار کیا ہے اور ہمارے حضرات میں سے بعض نے جس طرح حضرت شیخ الہند میں اس راستہ کو پسند کیا ہے یہ سیاسیات کی مدد ہے اس سے زیادہ مجھے اس مد میں کچھ معلوم نہیں۔

حضرت والا نے انسان کی زندگی کی بے ثباتی اور موت کی ناگہانی آمد کے تذکرے میں حکیم اجل خان، ڈاکٹر انصاری اور بعض اور مشاہیر کی ایک موت کے واقعات بیان فرمائے۔ پھر سر سکندر وزیر اعظم پنجاب کی ناگہانی موت کا تذکرہ فرمایا اور شاہ زاہد حسن صاحب رئیس بہٹ کا بھی تذکرہ فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے ان سے کہا کہ میں مرجاؤں تو فلاں جگہ دفن کر دینا مگر جب وہ بیمار ہوئے اور علاج کے سلسلہ میں بعض ڈاکٹروں کو بلایا۔ ایک ان میں سے دعویٰ کرتا تھا کہ اب پانچ منٹ میں اثر دوائی کا دیکھو پانچ منٹ گزرنے پر فرق نہ آیا تو اس نے کہا کہ میں قیل ہو گیا۔ اسی طرح اور بھی قیل ہو گئے۔ شاہ صاحب نے کہا کہ خواہ پانچ سو روپیہ دے کر حکمتی معالجہ لے جائے تو بھی پرواہ نہیں اور ایک کار تورات دن بہٹ اور سہا پور کے درمیان ڈاکٹروں اور دوائیوں کے لئے میں مصروف تھی مگر ڈاکٹروں نے جواب دے دیا کہ اگر دسے پشاپ ہی نہیں بنتے اب ہم کیا کریں تو شاہ صاحب نے مجھے کہا کہ تذکرہ تو آپ کے انتقال کا تھا مگر اب میں جا رہا ہوں میں نے کہا جو خدا کی مرضی۔ تو روپیہ سے اگر موت ٹل سکتی تو شاہ صاحب اور ان سے بھی زیادہ روپیہ والے موت کو مال دیتے حالانکہ وہ ایک منٹ بھی ادھر ادھر نہیں ہو سکے۔ لہذا انسان کو چاہیے کہ موت کو یاد کرتا رہے اور مجھے کہ جو دم یاد الہی میں گزرے شاید وہی کچھ کام آئے گا اور عبرت حاصل کرے۔

حضرت والا نے فرمایا کہ حضرت سلطان جی نے حضرت بابا صاحب کے ملفوظات تحریر

کہے ہیں ان میں سے کہ باوا صاحب نے بیان کیا کہ بھائی! بہار الدین زکریا صاحب طہانی کی موت بڑے منزلے کی موت تھی۔ ایک دن وہ وظائف میں مشغول تھے کہ ایک شخص نے ان کے ایک صاحبزادہ سے اگر ایک سُرخ لغافہ دیا کہ حضرت کو پہنایا جائے صاحبزادہ نے کہا کہ وہ وظیفہ میں ہیں اس نامہ بر نے کہا کہ ان کے پاس رکھو آؤ چنانچہ وظیفہ سے جب حضرت کی توجہ ہٹ کر لغافہ کی طرف ہوئی تو لغافہ دیکھ کر صاحبزادہ کو بل کر فرمایا یہ کس نے دیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ ایک شخص غیر معروف ہے آپ نے فرمایا اس لغافہ کا لہنے والا وہ شخص ہے کہ اگر کوئی دعائے مضبوط گبذ ہو تو اس میں بھی بغیر یہ کہ لو کہ جاسکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ وہ تیسرے باپ کی عزت کرتا اور اجازت سے کرانا چاہتا ہے اسے آنے دیا جائے چنانچہ وہ فوراً آجود ہوا حضرت نے ایک چمچ ماری اللہ وجد کی کیفیت طاری ہوئی اور انگ مہرہ میں جا کر دھل بکن ہوئے۔

حضرت بہاؤنگری کو میں نے خواب میں وصال سکے بعد دیکھا تو میں نے ان کو بہت اچھی حالت میں بیکہ سایا پایا کہ گو د میں بٹھایا اور عرض کیا کہ حضرت آپ کو تو سب تجربات ہو گئے جلد جلد مجھے سب حالات بیان فرمائیے کہ موت کس طرح آتی اور کیا گزرتا ہے انکو کھل گئی تو آپ کہیں ہونگے اور ہم کہیں حضرت بہاؤنگری نے جو فرمایا اس میں سے اتنا یاد ہے کہ جب موت آئی ہم نے اپنے آپ کو جدا نہیں پایا۔ یعنی باری تعالیٰ سے جدائی نہیں رہی۔ پھر انکو کھل گئی۔

میں نے حضرت فاضل جی صاحب کو خواب میں دیکھا اور گو د میں بٹھا کر دریافت کیا کہ حضرت آپ کو تو بہت دن ہم سے رخصت ہوئے ہو گئے اور تمام حالات آخرت کے اچھی طرح دیکھ

لے حضرت مولانا اللہ بخش صاحب بہانگری رحمۃ اللہ علیہ۔

مے حضرت فاضل جی صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ۔

بت لیے آپ جلدی جلدی مجھ سے بیان فرما دیجئے ورنہ اگھر کھل گئی تو آپ کہیں ہوں گے اور
 ہم کہیں۔ حضرت فاضل جی صاحب نے بہت ہی تفصیل سے تمام حالات بیان کئے مگر جب اگھر
 کھل تو باد جو در سید زور دینے کے مافظہ میں کچھ نہ رہا آخر یہ سمجھ کر حافظہ پر زور دینا چھوڑ دیا کہ
 جو بات اللہ پاک کو غیب میں کہنی منظور ہے اسے ہم کچھ یاد اور محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ حضرت مولانا
 مولوی یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے خواب میں دیکھا کہ تشریف لائے ہیں ایک نہایت
 خوبصورت کوٹھی میں حضرت دروازہ علیہ السلام کے مہمان ہوئے ہیں۔ کھانا پھنسنے اور خدمت کا اہتمام
 ہم کو کرنا چاہیے تھا مگر ہم نہیں کر رہے۔ اس کوٹھی کی اس دروازے کی بار کوں سے آکر تمام خدمات
 اور اہتمامات ہندو نابالغ لڑکے کر رہے ہیں۔ کھانے میں مجھے شریک نہیں کیا گیا جس کا مجھے
 خیال بھی ہے۔ گھٹو دل کے ایک نوجوان لڑکے کو کھانے میں شریک کیا گیا جو یہاں طالب علم
 بھی رہا تھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ تو کسی اگک کمرے میں چلے گئے۔
 مولانا یحییٰ صاحب کی جس طرح بے تکلفی کی عادت تھی آپ وہیں چار پائی پر لیٹ گئے۔ میں
 نے مولانا صاحب سے درخواست کی کہ مجھے آپ توجہ دیجئے اور میں توجہ سلنے کو گویا
 جھکا جاتا ہوں کہ جلدی کیجئے ورنہ اگھر کھل گئی تو آپ کہیں ہوں گے اور میں کہیں پھر میں نے
 ساتھ جانے کی بھی التجا کی تو مولانا نے میرے رخسار پر ایک زور کا تھپڑ مارا کہ ہم لگے جاتے
 ہیں یوں لے جاتے ہیں۔ اگھر کھل گئی تو تھپڑ کا اثر رخسار سے پر محسوس ہوتا تھا چنانچہ میں نے
 رخسارہ کھلی اور یہ خیال آیا کہ اگر یہ خواب خیال نہیں ہے تو اس گھٹو دل والے لڑکے
 کی زندگی تھوڑی معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کا جلدی انتقال ہو گیا جب اس کے انتقال
 کی خبر ملی تو فرمایا کہ میں نے خیال کیا کہ ابھی اور زندگی ہے اور کھانے میں شریک نہ ہونے
 کا جو خیال تھا وہ جاتا رہا۔

۴۔ ذی الحجہ ۱۳۶۱ مطابق ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۲ بروز بدھ واسطے پور

مج کے وقت مولانا حبیب الرحمن صاحب لکھنؤ فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایک کانگریس کے متعلق بحث میں پڑا کرے تو میرا خیال ہے تم اس میں بحث نہ کیا کرو کیونکہ جہانگیر میں مجھتا ہوں کوئی شخص فی زمانہ سمجھانے سے نہیں سمجھتا۔ چنانچہ میرا صاحب (میر آل علی صاحب) کو میں نے بھی کئی دفعہ کہا مگر انہوں نے ہمیشہ یہی فرمایا کہ مجھے سمجھ میں نہیں آتا۔ مگر جب موٹر وایوں پبلک ٹرم کے تحت زد پڑتی نظر آئی تو تمام ہندو مسلمان موٹر والوں نے ایک مشترکہ یونین بنائی اور میر صاحب کے سحر میں آگیا کہ اس معاملہ میں ہندو مسلم اتحاد ہو سکتا ہے۔ مگر اچھے سیاسی معاملات سے انہیں دلچسپی نہ ہونے کے باعث وہاں ہندو مسلم اتحاد ان کی سمجھ میں نہ آ سکا۔ لہذا تم بھی ایسے معاملات میں میری طرح یہی کہہ دیا کرو کہ ہم زیادہ نہیں سمجھتے کیونکہ بحث سے کوئی فائدہ نہیں ہو جاتا ہے واقعات سے سمجھتا ہے فرمایا کہ ملک کے شاید ٹکڑے ہو جائیں کیونکہ ابھی سے انگریز ہندو مسلم کے مابین کی قوموں کو کھڑا کرنے کے واسطے ہے اور مسلمانوں میں بھی مختلف قوموں کی بنا کر ٹکڑے ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ہر قوم مسلمانوں میں بھی دوسری کو ذیل سمجھتی ہے اور چاہتی ہے کہ ہمارا اقتدار ان پر رہے یہی چیز ٹکڑے بننے کا موجب ہو جائے گی۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت چاہا کہ مسلمانوں میں قومی اختلاف پیدا نہ ہو اور اپنے زمانہ میں اس جذبہ کو مٹا بھی دیا۔

حضرت والد نے سب کو مخاطب فرماتے ہوئے فرمایا کہ مولوی حبیب الرحمن نے ایک بات پوچھی تھی اس پر دل میں کچھ بیان کرنے کی کوشش ہوئی ہے اور یہ مضمون کچھ میرا بھی نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کی تصانیف کے بعض فقرہ سے مستنبط ہے۔ شاہ صاحب کے مولانا عبید اللہ صاحب سندھی کوئی خواہ مخواہ کے مستند نہ تھے۔ شاہ صاحب متاخرین میں بہت عرصہ کے حامل ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر معاملہ میں بڑے بڑے علوم عطا فرمائے تھے حضرت شاہ صاحب نے تقریر تحریر فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو زمانہ میں کوئی رنگ پیش نہ ہوتا

ہے تو ویسے ہی لوگوں کو پیدا فرما دیتے ہیں اور ان کے جذبہ کی وجہ سے عام نفوس لوہر کر کے
 کھنچ جاتے ہیں۔ میں نے اس سے یہی سمجھا ہے کہ ایک تو سلوک ہے یعنی چلنا اور ایک جذبہ ہے
 یعنی کھنچ جانا تو جب اللہ تعالیٰ کو دنیا میں کچھ کرنا منظور ہوتا ہے تو کسی ایسے قلب کے انسان کو
 دنیا میں بھیج دیتے ہیں جس میں جذبہ ہو اور پھر اور لوگ بھی ایسے ہی پیدا ہو جاتے ہیں جن کو اس
 سے مناسبت ہو اس طرح وہ شخص ان کا مرکز بن جاتا ہے اور وہ اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں
 اور پھر ان کے اثرات سے ننانہ پر وہی نگ بھا جاتا ہے چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا
 میں تشریف لائے تو اس وقت اور بھی بعض لوگ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ایسے پیدا ہوئے
 جو عربوں کے عام مشغلہ بدال و قتال اور ظلم و جبر اور بت پرستی وغیرہ سے دل برداشتہ ہو گئے
 تھے مگر ان کو کوئی رستہ نہیں ملتا تھا حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے کہ وہ ایک کانت
 لوٹ مار کرنے والے قبیلہ کے فرد ہونے کے باوجود ان باتوں سے متنفر تھے اور چونکہ عام حالات
 میں وہاں کے لوگوں کے ذہنوں میں کسی نبی کے ہونے کا دیرینہ مگر وہند لا خیال تھا اس لیے جب
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق چرچا سنا تو اپنے بھائی کو تحقیق حال کے لیے کہہ بھیجا مگر آپ کے
 بھائی کو چونکہ اس طرف زیادہ توجہ نہ تھی صرف اتنی سی بات سے گئے کہ وہاں ایک شخص ہے جسے
 لوگ صابی یعنی بدویں کہتے ہیں وہ چھپا چھپا رہا ہے اور بس۔ اس پر حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے
 بھائی کو کہا کہ افسوس تم تو کچھ بھی حال کر کے نہ لائے اور بعد تحقیق کے لیے بڑا سفر کر کے فائدہ
 میں اگر مسافروں کی طرح ٹھہرے مگر سو ان باتوں کے جو غیر متعلق لوگوں سے اور جو بیخبر
 کانوں میں پڑ گئیں کسی سے کچھ پوچھنے کی اس وجہ سے جرأت نہ ہوئی کہ لوگ آپ کے اتنے فحوت
 تھے کہ ————— دریافت کرنے والے مسافروں تک کو نقصان کا اندیشہ ہو جاتا تھا۔
 ایک شام حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کعبہ میں پکارا کہ کوئی مسافر ہو حضرت ابو ذر کے متعلق
 معلوم ہوا ان کو ساتھ لے گئے۔ کھانا کھلایا اور پھر وہ حرم میں آکر ٹھہر گئے۔ تین دن ایسا ہی
 واقعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کھانا کھانے کا ہوا تو تیسرے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دریافت

فرمایا کہ اسے مسافر تیرا یہاں کوئی کام ہو تو بتا۔ انہوں نے آہستہ سے کہا میں بتاؤں تو بشرطیکہ تم ناراض نہ ہو انہوں نے الطمینان دلایا تو حضرت ابو ذرؓ نے عرض کیا کہ میں اس شخص کو ملنا چاہتا ہوں جس کو لوگ صابی کہتے ہیں اور اس غرض سے قبیلہ غفار کے علاقہ سے آیا ہوں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میرا نسخ بھی اسی نبی کی طرف ہے اور کہا میں تمہارے آگے آگے چلوں گا اور چلتے چلتے ایک مکان پر نشان کر دوں گا وہ وہاں تم کو مل سکیں گے۔ چنانچہ بس وقت مکان خانہ حالات میں ایسا ہی کیا گیا۔ کیونکہ لوگ مسافروں کو حضور کا پتہ بتانے پر بھی لڑتے تھے اور حضور بھی اسی طرح گناہم رہا کرتے تھے۔ آخر حضرت ابو ذرؓ نے حضورؐ کی نیابت کی اور چند باتیں حیا یافتہ کیراں مسلمان ہو گئے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اب تم چلے جاؤ جب تم منو کہ ہمارا غلبہ اعلان ہو گیا ہے تو پھر چلے آنا اب تم کو یہاں تکلیف ہوگی۔ حضرت ابو ذرؓ حرم میں چلے آئے۔ وہاں دو عورتیں طواف میں دو بتوں سے ٹراویں مانگنے لگیں جو مرد و عورت کے بت تھے تو حضرت ابو ذرؓ سے نہ رہا گیا۔ — اور فرمایا کہ ان دونوں مرد و عورت بتوں کا نکاح کر دو اور تم لوگ اس پر حرم و حلال میں شور پیدا ہو گیا کہ کوئی صابی یعنی بدین حرم میں آکر ہمت کر رہا ہے اور آپ کو مارا لگتا ہے حضرت عباس رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور لوگوں کو یہ کہہ کر آپ کی مار پیٹ سے منع کیا کہ اگر یہ شخص مر گیا تو اس کی قوم غفار جو بڑی لٹیرہ ہے تمہارے شام کو جانے والے تمہاری قافلوں کو لوٹ لے گی۔ اس پر لوگ کچھ ٹھنڈے ہوئے حضرت ابو ذرؓ ایک مرتبہ پھر اسی طرح حضورؐ کے اور حضورؐ نے وہی فرمایا مگر ان سے حرم میں اگر نہ رہا گیا تو پھر کلمہ شریف کا اعلان کر دیا اور اسی طرح حضرت عباسؓ نے انہیں پھر اہل مکہ سے چھڑایا اور وہ اپنے قبیلہ کو چلے گئے۔

ایسے ہی متعدد واقعات صحابہ کے ہیں کہ انہوں نے نہ تو کچھ زیادہ محبت اٹھائی تھی نہ اسلام کی کوئی باقاعدہ اشاعت ہوئی۔ مگر قلوب خود بخود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

طرف متوجہ ہو گئے۔ صحابہ میں ایسا نہ تھا اور زیادہ متاخرین کی طرح کے مجاہدات بھی ہمیں کتابوں میں نہیں ملتے مگر ان کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبہ کی وجہ سے جذب ہو جاتا تھا جس کا صحابہ کو بھی کم علم تھا۔ تم جانتے ہو کہ وہ لوگ اپنے کاروبار میں لگے رہتے تھے اور اصحاب صفہ بھی صرف طالب علموں کی طرح کچھ قرآن پڑھ لیتے تھے۔ کچھ مکتوبات لے آتے تھے اور کوئی خاص بات ابتداء میں نہ تھی چونکہ خدا تعالیٰ کو اسلام کا پھیلنا مقصود تھا اس لیے گودیسا نہیں مگر بعد میں بھی لوگوں میں جذب ہوا۔ اسلام کوئی بادشاہت کی وجہ سے زیادہ نہیں پھیلا بلکہ جن کو جذب ہوتا تھا ان کا اثر تھا چنانچہ متاخرین میں حضرت مجدد صاحب کے خلفاء میں سے حضرت آدم بنوری کا حال ہے کہ ہمیشہ دس ہزار علماء و صلیار طالبین ان کے دسترخوان پر ہوتے تھے اس سے ان کی معتقد مخلوق کی تعداد کا اندازہ کرو۔ بادشاہوں ان ایسے فقرار سے خائف رہتے تھے کہ ہماری سلطنت پر قبضہ نہ کر لیں چنانچہ بادشاہ نے حضرت آدم بنوری کے پاس دس ہزار روپیہ بھیجا اور وٹے والے نے بڑی منتوں سے حضرت کو روپیہ قبول کرنے پر آمادہ کیا اور جب روپیہ لے لیا تو جیسا اس کو سکھایا گیا تھا اس نے عرض کیا کہ اب حضرت پر سب فرض ہو گیا ہے اس وقت حضرت لاہور کے سفر میں تھے درویشوں کو بھی دہان کا شوق ہوتا ہے اگرچہ بھری گئے ہوں مگر اور حضرت اُدھر دریائے سندھ کے راستہ کراچی سے ہوتے ہوئے حج کو تشریف لے گئے۔ الغرض یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ یہ تو متاخرین کا حال ہے اس سے ان لوگوں کا اندازہ کرو جو جذب ہیں اصل اور مرکز عام ہوئے جب خدا تعالیٰ کو کوئی کام کرنا منظور ہوتا ہے تو ایسے لوگ دنیا میں بھی دیے جاتے ہیں اور عنایتِ خداوندی ان سے متعلق ہو جاتی ہے اور پھر بعد وٹے جذب سے غفلت اور صرف سادگی رہ جاتے ہیں اور دنیا کی امامت کی بلگ ڈور ان کے ہاتھ میں نہیں رہتی پھر اگر خدا تعالیٰ کو کچھ کرنا ہوتا ہے تو عنایتِ خداوندی کسی اور سے متعلق ہو جاتی ہے غافلوں اور غافلوں کا یہ حال ہوا ہے۔

حضرت یسح علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے متعلق خیال کیجئے کہ وہاں بڑا جذب تھا آپ کے حلقہ میں
 بھی بڑا جذب تھا اور کتنی قوموں پر ان کے اثرات ہوئے اور لوگ نجات کی تلاش میں کیسے مارے مارے
 پھرتے رہے۔ پھر بعد کے رہبوں کا یہ حال ہوا کہ ان کی قوم اب اور طرف کھل چکی ہے اور ان کی اپنی
 گت بنائی کہ اب وہاں اس دور کے لوگوں کو اور ان کے موجودہ متبعین کو کوئی نہیں پرچتا الا شلالہ
 اور یہ سب عیسائی مشنریوں کا جال میرے خیال میں اہل یورپ کو سیاسی طور پر مطلوب ہے ورنہ تو ابھی
 درخور امتناع ان کو نہ سمجھا جائے اور گرجا جانا بھی اب رسمی اور بہت کچھ عورتوں کے دم قدم سے ہے۔
 عیسائیت منسوی وغیرہ میں ہم نے دیکھا ہے اب پادریوں کی یورپ وغیرہ میں ہمارے عیسائیوں وغیرہ
 سے بھی کم قدر ہے۔ لوگ صرف رسمی اور قانونی نکاح طلاق وغیرہ میں ان کی کچھ ضرورت اور دفن کفن
 میں ان کی خدمات کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ ہندوؤں میں بھی جوگی وغیرہ اب بغیر جذب کے بے فیسے
 پھر رہے ہیں اور دنیا نقد کی طرف تو خود ہی چلا کرتی ہے۔ ہم خواہ لاکھ کہیں ہم پر بھی ماحول کا اثر
 پڑتا ہے اور وہ بات جو پہلے تھی اب نہیں رہی اب تو سلوک ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ جذب کے بغیر
 ہزاروں سال میں بھی وصال نہیں ہوتا۔ ہاں سلوک کی بھی ضرورت ہے کہ سلوک کے بغیر وہ ملک
 پیدا اور رائج نہیں ہوتا جس کو ہم استقامت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اب تو جن لوگوں سے کوئی کام بن
 نہیں آتا وہ ادھر محض اس لیے آتے ہیں کہ یہ بھی مفت خوروں کی ایک فوج ہے اور اسی طرح اپنا
 گزارہ کرو۔ وہ دیکھتے ہیں کہ آخوان کو جو کچھ کھانے پینے کو ملتا رہتا ہے ان کے پاس بھی کچھ ہے اور
 لوگ اعتقاد میں سمجھتے رہتے ہیں کہ حضرت جی خواہ سو رہے ہوں نہیں معلوم کون سے آسمان اور
 کس مقام میں پھر رہے ہیں۔ اب جس کو کچھ دنیا کا کرنا آتا ہو وہ تو ادھر متوجہ نہیں ہوتا بجائی جو کچھ
 ہے اب تو اسی کو نفیست سمجھو اور اگر کچھ زیادہ نہیں ہو سکتا مگر جو بن آئے کئے جاؤ شاید انفرادی طور
 پر کچھ دال دلیا ہو جائے۔ مگر یہ سب کچھ ایسا ہی رہے گا۔ حدیث میں جو آتا ہے کہ قیامت ایسے
 لوگوں پر قائم ہوگی جن میں کوئی اللہ اللہ کرنے والا نہ ہوگا۔ اس سے میں تو سمجھا ہوں کہ قیامت
 اس وقت آئے گی جب کوئی شخص خدا کو ماننے والا نہ رہے گا۔

۵ ر ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ مطابق ۳۱ اکتوبر ۱۹۴۶ء بروز جمعرات رائپور

صبح کی مجلس میں حضرت والائے فرمایا کہ میرے خیال میں جب قوم ترقی کرے گی تو مذہب سے بوجہ جدید علوم میں اشتغال و انہماک کے نا آشنا ہو جائے گی اور مذہب کا درجہ ثانوی اور ثالث بلکہ صفر کے برابر ہو جائے گا۔ عام رجحان مذہب سے بیگانگی کا جو ہوتا جا رہا ہے اس کے پیش نظر میرا خیال ہے کہ جتنی دنیاوی ترقی ہندوستان کو ہوگی یہاں سے مذہبیت رخصت ہو جائے گی۔ کیونکہ فی زمانہ دنیاوی اور سیاسی ترقی جیسی یورپ دار ہوتے وہ ایسے علوم کے کتاب پختہ ہے جن میں انہماک سے مذہبی لا پرواہی اور بے دینی پیدا ہوتی ہے۔ گاندھی کے سوا موجودہ ہندو بڑے لیڈ بھی نام کو ہندو ہیں۔ ورنہ دہریہ ہیں۔ کیونکہ علوم کے بغیر ان کی گامی نہیں ملتی۔

دوران گفتگو حضرت والائے یہ بھی فرمایا کہ ایک دفعہ کرایم سے ہم جان بوجھ کر گامی میں بیٹھے تو چودھری عبدالغنی صاحب نے میں انٹر میں بٹھا دیا اور بتایا کہ اس میں شک ہے (چودھری فضل حق) جو بیٹھا ہے بہت بولنے والا ہے۔ آپ کو ضرور چھپرے گا۔ خیر ایک آدمی اسٹیشن گزرنے کے بعد چودھری صاحب ہماری طرف متوجہ ہوئے۔ منشی صاحب نے تو یہ کہہ کر چھپڑایا کہ میں مولوی نہیں ہوں میری طرف متوجہ ہوئے کیونکہ لوگ مجھے مولوی مولوی کہتے تھے۔ مسند قتل مرتد کا ان دنوں چچا تھا اس پر تھوڑی سی گفتگو ہوئی اور آگے ہمارا اسٹیشن آگیا وہیں وہ بھی اتر گئے اور ہم کو بھی پیچھے پل دہانے کا اتفاق ہوا۔ اور پھر احوال کی برکت سے لاہور میں بھی شاید ایک دو دفعہ اتفاق ہوا چودھری صاحب

۱۔ چودھری فضل حق صاحب مرحوم ضلع ہشیار پولیس کے راجپوت تھے، پولیس میں سب انسپکٹر تھے، ان کے مرنے کے بعد شہر ہے کہ حضرت امیر شریعت مولانا تید علی شاہ صاحب کی تقریریں اور نوکری چھڑا کر لکھ سکتی ہیں گئے، اور عمر بھر شاہ جی کے ساتھ تمام تحریکات میں اور مجلس احوار میں ہم سفر رہے، لکھ نوحہ اور اخبار کے بہت واقعات ہیں، ساری عمر بیرون دہلی دروازہ لاہور مجلس احوار کے دفتر میں گزری اور وہیں انتقال ہوا مہمانی صاحب کے قبرستان میں آخری آرام گاہ نصیب ہوئی، اللہم اغفر لہ وارحمہ۔ (مرتب)

خوب آدمی تھے۔ سنائے کہ ایشاکا مادہ بہت زیادہ تھا۔ جب ممبہرہلی تھے تو روپیہ اوروں پر خرچ کر دیتے خود کوئی کی روٹی اور چینی وغیرہ پر گزر کر لیتے۔

ایک عجیب بات ہے۔ اللہ کی دین کا کیا کہنے کثیر کی مکرک میں مرحوم سے کوئی اخلاص کا کام ہو گیا ہوگا۔ اخلاص کی برکت سے ان پر ایسے انوار طاری ہو گئے تھے کہ بڑے ذاکر شافل لوگوں پر ہوا کرتے ہیں۔ اور یہی کیفیتیں طاری ہونے لگی تھیں جو طہری مبارک ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ عملوں کو نہیں بلکہ دلوں کو دیکھتا ہے۔ اگر دل اس کی طرف متوجہ نہ ہو تو ناز جیسے خالص عبادت کے کام بھی بے حقیقت ہوتے ہیں اور خلوص اور ٹہیت اور خدا کی طرف توجہ ہو تو ایسے کام بھی جو عام ہیں مبدع ہیں بلکہ جن میں اجتہادی غلطی بھی خواہ ہو وہ بھی بڑے مفید بن جاتے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث کی صاحبزادی کی شادی کے موقع پر حضرت مولانا مدنی مظہر حالی تشریف لائے اس وقت بات کا اتفاق ہوا تو فرمایا کہ حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ نے جب ایک مسئلہ بیان فرمایا اور لوگوں نے بڑا بھلا کہنا مکھنا شروع کیا تو حضرت گنگوہی نے فرمایا تھا کہ ارے یار یہ مسئلہ تو مجھے پہلے ہی معلوم تھا اگر پہلے سے معلوم ہوتا کہ اس کی بدولت اتنا نفع ہوگا تو میں پہلے ہی اس کو اٹھاتا یہ سنا کہ حضرت مدنی نے فرمایا کہ مجھے تو خبر نہ تھی کہ اس (یعنی موجودہ سیاسی کشمکش میں لگی طبقہ کی طرف سے سب دشمن اور اہانت و کڈا راد قتل کی کوشش) سے مجھے اتنا فائدہ ہوگا (حضرت والا نے فرمایا) سچ ہے بڑے میاں یہ آپ کی شان ہے اخلاص سے کام کر سنے بڑا نفع ہوتا ہے۔ خواہ اس کام میں اجتہادی غلطی ہو یا نہ ہو۔

۶ ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ مطابق یکم نومبر ۱۹۴۶ء بروز جمعہ رائے پور

عصر کے بعد کی مجلس میں حضرت والا نے فرمایا کہ آج کل کیلئے عربی کا نصاب مختصر کر دینا چاہیے جس میں پانچ سال میں فقہ، حدیث اور ترجمہ قرآن مجید و تفسیر پر عبور ہو جائے اور منطق فلسفہ وغیرہ اور دیگر فنی پر زیادہ زور نہ دیا جائے۔ اگرچہ مدرسہ مظاہر علوم اور دیوبند میں یہودی،

لاحسن کا ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے اور وہ حضرات ایک صنف مندوں بھی کرتے ہیں۔ مگر میرا خیال اختصار نصاب کا ہے۔

عشاء کے بعد کی مجلس میں حضرت منی مدظلہ العالی کے سفر پنجاب اور اس میں لیگی عملوں اور بدتمیزیوں کا ذکر ہوا۔ جانبدار سر سے آنے والے حضرت نے بیان کیا کہ جب حضرت منی کی کلائی بلند میری تو لیگی مار ڈھنے لگیوں کو بتایا کہ آپ کے ساتھ امرتسر میں لگیوں نے بدتمیزی کی ہے۔ لاہور میں بھی ایسا ہوا ہے تم بھی کچھ کر لو چنانچہ لیگ کے ذمہ دار مقامی لوگوں نے ہر طرح کی بدتمیزیوں اور پاجیانہ حرکات کے علاوہ یہ بھی کیا کہ مولانا کے ڈبے کے سامنے بالکل برہنہ ہو کر ناپے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ حضرت واللہ میر صاحب۔ صوفی عبد الحمید خان صاحب کو خصوصیت سے مخاطب کر کے فرمایا کہ جو لوگ ایسی حرکات کے باوجود واقعات کو محض پردہ پگینڈہ کہہ کر مٹاتے ہیں۔ وہ اس ظلم سے بھی زیادہ ظلم کرتے ہیں جو اہل مظاہرین نے کیا۔ حضرت منی کے ہاں میں نے کبھی نہیں سنا کہ حضرت نے مسلمانوں کی طرف سے تلے جانے کی شکایت کی ہو ایک مضمون میں عربی الفاظ تو ضرور فرمائے جن کا مطلب یہ ہے کہ میرا شکوہ اللہ کے سامنے ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایسی حرکات کرنے والی قوم کو اپنے کرتوت کا جگتنا بھگتنا پڑے گا۔

نیز فرمایا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ اختلاف خیال نہ رکھو جس کو اپنا اہل مسلمانوں کا مفاد و راستداری سے جس چیز اور مسک سیاسی میں نظر آتا ہے وہ اپنے خیالات وہ رکھے مگر یہ عملی لٹر بازیاں، سب و شتم تو انسانیت سے گری ہوئی اور شرمناک بات ہے یہ نہیں ہونا چاہیے۔ مولوی انیس صاحب نے کہا کہ بڑے میاں (حضرت منی) تو فرمایا کرتے ہیں کہ میرے والد کے لڑکوں میں سے ایک کی شہادت کی دعایا کسی کی پیشینگوئی فرمایا ہے اور میں تنہا رکھتا ہوں کہ وہ میرے حق میں ہو حضرت واللہ یہ سن کر فرمایا کہ مسلمانوں کے بد اعمال پہلے کیا کہہ رہی جو حضرت یہ بار بھی ان کے سر دھڑنا چاہتے ہیں۔ اگر پنجاب یا سندھ میں جا کر شہید ہو گئے تو پہلے تو لوگ قتل کریں گے پھر معتقدین کی دیکھا دیکھی ٹائے حسین ٹائے حسین کہے وہ سے تباہ ذکر کے قبر کی پوجا شروع

کریں گے۔

نیز فرمایا کہ میں تیس سال سے ہر طرح قوم کو سمجایا اب قوم تو جیسی مانتی ہے ظاہر ہے میں نے بھی ایک دفعہ عرض کیا تھا کہ اب جانے دیجئے اور حضرت نے تلخ لہجہ میں فرمایا کہ جو کچھ کہتے ہیں کرنے دیجئے۔ اس پر بڑے میاں نے قرآن و حدیث پڑھنا شروع کر دیا کہ اظہار حق اور معذرت پیش حق تعالیٰ کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ نیز حضرت والا نے فرمایا کہ مخلص جو کرے ہو سکتا ہے کہ اس میں غلطی کا جائز گزیت کی وجہ سے ماجرہ ہوتا ہے۔

حضرت مدنی کے متعلق حضرت والا نے اس رات کی محفل میں ایک موقع پر یہ بھی فرمایا تھا کہ ایک دفعہ حضرت مدنی نے کچھ مسودہ تنہائی میں لکھنا تھا۔ اس کے لیے مجبور تشریف لے گئے وہاں کے ایک معتقد نے عرض کیا کہ حضرت میں نے آپ کی مدافعت کے لیے پانچ ہزار رضا کار بھرتی کئے ہیں۔ اور دس ہزار اور کروں گا۔ تو حضرت نے متاثر ہو کر ہاتھ سے قلم ڈال دیا اور فرمایا کہ کیا تم مسلمان کو مسلمان کے خلاف لڑانے کے لیے ایسا کرو گے یہ مجھے ہرگز پسند نہیں خواہ مجھ پر کیسے ہی حملے کیوں نہ ہوں۔ تم بند رہو ہزار بھرتی کرو گے۔ وہ ہیں ہزار کریں گے اور اس طرح مسلمان مسلمان سے لڑیں گے یہ ہرگز نہیں ہو سکتا اور مجھے یہ ہرگز پسند نہیں حضرت والا نے فرمایا کہ خواہ کوئی راضی رہے یا ناراض رہے ہم تو اپنے بزرگوں کو راضی کرنا چاہتے ہیں۔ اور یہ اپنا پانا قاعدہ ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جب بیمار تھے تو حضرت بدر ہیزی بھی کر لیا کرتے تھے اور مجھے کچھ ایسی چیز لانے کو فرما دیا کرتے جو طبیبوں نے پرہیز بتا رکھا ہوتا تھا۔ تو بعض راؤ صاحبان اور دوسرے لوگ سننے لگے کہ ہاں حضرت کو تم بدر ہیزی کیوں کہتے ہو میں نے کہا کہ تمہارے پاس نہیں آیا حضرت کے پاس آیا ہوں اور ان کو راضی رکھنا ہے۔ لہذا میں تو جو حضرت فرمائیں گے کروں گا۔ پر ہر تم کراؤ انہوں نے کہا کہ حضرت ہر مانگیں تو تم زہر لا دو گے میں نے کہا کہ ہاں اگر حضرت زہر مانگیں گے تو میں زہر لا دوں گا۔ اس طرح بعض نے مجھے کہا کہ حضرت کو پہلوں سے رانے پور چلنے پر آمادہ کرو۔ جب حضرت بیماری میں ہاں قیام فرماتے ان دنوں کا قصہ ہے تو میں نے جواب دیا کہ میرے لیے تو جہاں حضرت بھی ہی رہیں

ہے اگر کہنا ہے تو تم کہو میں کیوں کہوں میرے لیے تو اگر حضرت جمل میں وہی راستے پر ہے ہی
 گزرا رہے۔ اسی طرح میرا حال ہے میں تو حضرت مدنی کے ساتھ ہوں مجھے تو جو امید اللہ تعالیٰ سے
 مغفرت کی ہے وہ ان حضرات کی جوتیوں کے طفیل ہے کسی نے مجھے کہا تھا کہ آپ تو حضرت
 تھانوی علیہ الرحمۃ کی بہت تعریف کیا کرتے تھے میں نے جواب دیا کہ دیکھو امام عظیم اور امام شافعی
 علیہما الرحمۃ ہیں اپنے سر کا تاج ہم حضرت امام شافعی کو بھی پودے سے یقین کے ساتھ بچھتے ہیں اور
 باوجود اس کے عمل امام عظیم کے فتویٰ پر کہتے ہیں۔ ہمارے تمام مجمع سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ
 نے صرف مجھے یہ فرمایا تھا کہ حضرت شیخ الہند ضرور انشا اللہ ہندوستان تشریف لائیں گے میرے
 بعد جب وہ آجائیں تو ان کی خدمت میں ضرور آمد و رفت رکھنا اب اسی مسک پر حضرت مدنی
 مدظلہ العالی ہیں۔

نیز فرمایا کہ آج کل شخصی حکومتیں ہرگز نہیں چل سکتیں آج کل تو جمہوری اور شمولی حکومتیں ہی
 چل سکتی ہیں جن میں کچھ لوگوں کا مخالف رہنا عین اصولی بات ہے۔۔۔۔۔ یہاں تو بعد
 غیر مسلم ہیں۔ حجاز، عراق، شام، ایران وہاں تو غیر مسلم نہیں ہیں مگر وہاں کے پاکستانی بھی کوئی ترقی
 نہیں کر رہے۔ حجاز میں تو بعد مانس ابن سعود اتنا بھی نہیں کر سکتا کہ زراعت کو پھیل کر ملک کو غذا
 کی لکڑی اور احتیاج سے نجات کا سامان دے گا ہندوستان اگر ایک مرکز پر آزار ہو جائے تو اپنی آبادی
 اور وسائل کے لحاظ سے بیس سال میں دنیا کو مات دے سکتا ہے۔ روس کی پندرہ کروڑ کی آبادی
 کی دنیا تاب نہیں دے سکتی۔ ہندوستان کے چالیس کروڑ میں سے آپ خیال کریں کتنے زمین لوگ ہوا
 ہو سکتے ہیں۔ اور اگر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے تو افغانستان، ایران، عراق، شام، حجاز، نجد،
 یمن اور مشرق اربعہ وغیرہ کی طرح بڑی سلطنتوں کی حرص و آرزو کا شکار ہوتے رہیں گے۔

۷۔ ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ مطابق ۲ نومبر ۱۹۴۶ء بروز ہفتہ راتے پور

ایک مجلس میں حضرت والا کے سامنے مولانا خیر محمد صاحب کے اس خیال کا ذکر آیا کہ طلباء کو اخبار وغیرہ بالکل نہیں دیکھنا چاہیے۔ تو حضرت نے فرمایا کہ ہاں تجربہ سے یہ بات مجھے معلوم ہوئی ہے کہ دورانِ تعلیم ان امور کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ کیونکہ کام انسان سے ایک ہی اچھی طرح ہو سکتا ہے۔ خصوصاً اس زمانہ میں جو دماغی کمزوری پائی جاتی ہے۔ وہ اور بھی ایسی پابندی کی متقاضی ہے۔

۸۔ ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ مطابق ۳ نومبر ۱۹۴۶ء راتے پور

صبح کی مجلس میں حضرت والا نے فرمایا کہ ہر طبقہ میں بے شمار درجے ہیں مگر سمجھنے کے لیے یہ کہہ سکتے ہیں کہ تین طبقے ہیں ایک تو عام مؤمنین کا جو جنت کی طلب اور دوزخ کے خوف سے متاثر رہتے ہیں۔ اور عام اعمال میں اپنی کوتاہیوں کے باوجود گمے رہتے ہیں ان میں بے شمار درجے ہیں۔ دوسرا طبقہ خواص کا ہے جو یقین میں ان پہلوں سے بڑھے ہوئے ہیں اور انہوں نے انکار و اشغال سے تقلیدی یقین کو تحقیقی بنا لیا ہے۔ یہ دوسرا طبقہ بھی امام ہیں انکی استعداد پہلوں سے زیادہ ہوتی ہے۔ گویا میں الیقین حاصل کئے ہوئے ہوتے ہیں پہلے طبقہ والوں کی استعداد سے تو کوئی شخص خالی نہیں ہوتا اگرچہ ان میں درجے بے شمار اور مختلف ہیں شریعت میں اتنا گویا ہر شخص سے مطلوب ہے۔ تیسرا درجہ جو بہت کم ہے گویا حق الیقین والے ہیں۔ جن کو مشاہدات وغیرہ ہو کر یقین کا مرتبہ دونوں سے زیادہ حاصل ہوتا ہے۔ ان کو انھیں انھیں سمجھے فرمایا کہ نبی کا درجہ تو وہی ہے اللہ یعلم حیث یجعل رسالتہ۔ اگرچہ رسول کے لیے بھی استعداد ہوتی ہے اور بڑی استعداد ہوتی ہے۔ مگر یہ چیز نہ استعداد سے نہ کسب سے حاصل

ہوتی ہے یہ تواتر تعالیٰ حسب ضرورت جسے چاہیں دیتے ہیں۔ باقی غیر درجی پہلے بیان کئے گئے
 تینوں درجوں میں پہلا عامہ مؤمنین کا درجہ تو عام طور پر ہر شخص میں اس کی استعداد اور حد تکلیف
 ہوتی ہے وہ تو مطلوب ہے وہ تو گویا ظلم الیقین ہوتا ہے۔ جیسے ہم سن لیں کہ آگ میں گرمی خشکی ہے
 اور یقین کر لیں۔ وہ سر الطبقہ عین الیقین والوں کا۔ جیسے گویا آگ کو دیکھ دیا بلکہ پاس ہو کر محسوس کر لیا
 کہ اس میں گرمی اور خشکی ہے تو ان کا یقین آگ کے متعلق زیادہ بڑھا ہوا ہوگا۔ لہذا شریعت پہلے کتنا غفلت
 سے نہ ہوگا۔ یہ خواص ہوئے تیسرے اخص الخواص۔ یعنی حق الیقین جن کو حامل ہو جیسے کوئی آگ کو
 چھوے اور تجربہ سے جان لے کہ آگ گرم خشک ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا یقین سب سے بڑھ گیا
 ہوگا اور پھر اگر وہ آگ میں گھس کر آگ ہی ہو جائے۔ تو اپنے متعلق کسی کو جو یقین ہوتا ہے اس میں وہ
 شان ہوتی ہے۔ کسی کا مرتبہ مشاہدات پر نہیں بلکہ یقین پر ہے۔ یہ آگ کی مثال ہے ورنہ صحیح مثال
 دنیا میں تعلق مع اللہ کی شکل ہے لہذا تعالیٰ تو لیس کھشلہ شئی ہے۔ جس طرح حضرت محمد ﷺ
 سے سورج اور کرنوں کی مثال سنی ہوئی ہے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ یہ صرف فہم کے
 قریب کرنے کے لیے ہے ورنہ صحیح مثال تو دنیا میں کوئی بھی نہیں ملتی۔

حضرت مولانا حبیب الرحمن رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ حضرت ہمدان دست اور وحدت الوجود
 میں کچھ فرق ہے حضرت نے فرمایا کہ ہاں وحدت الوجود ملے تو دو چیزیں عدم اور وجود ملتے ہیں
 اور وجود کو ایک مانتے ہیں اور ہمدان دست والوں کے نزدیک وجود کے سوا کچھ ہی نہیں مولانا نے عرض کیا کہ کیا ان کے
 نزدیک عدم بھی معدوم ہے فرمایا یوں کہہ لو ورنہ اس کے لیے صحیح مثال اور نظیر کہاں سے مل
 سکے۔ ایک دفعہ ایک رمضان شریف میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تمام رمضان حقیقت محمدیہ
 پر تقاریر فرمائی ہیں۔ وہ کچھ واردات ہوئی۔ میں نے اس میں سے سنا کبھی اس کے متعلق یہ خیال
 گزرتا تھا کہ شاید میں نے جو عقل اول کے متعلق بیان کیا ہے صوفیا کی اصطلاح میں شاید وہی حقیقت
 محمدیہ ہے اس کا ذکر میں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بھی کر دیا تو فرمایا کہ ہاں مگر شاید وہی دعویٰ
 اور قول قطعا غلط ہے لایصدق من الواحد الا الواحد۔

نیز حضرت واللہ نے فرمایا کہ میں نے وہ تقاریر زیادہ نہیں سنیں۔ اس لیے کہ اگرچہ سننے کے وقت وہ مسئلہ اتنا سہل معلوم ہوا کرتا تھا کہ یہ سہل مگر پھر بڑا مشکل اور الجھاؤ ہوتا تھا۔ میں نے یہ خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ علوم عطا فرمانے منظور ہوں گے تو خود بخود وارد ہو جائیں گے ورنہ نہیں معلوم کہ کیا سے کیا بکھولوں۔۔۔۔۔ ان تقاریر میں حضرت علامہ صاحب اور حضرت بہاء فکری صاحب اور حضرت منشی جی صاحب علیہم الرحمۃ تو یقیناً تھے اور مولانا نور محمد صاحب اور دوسرے حضرات کے ہونے کا بھی خیال پڑتا ہے۔ فرمایا کہ یہ انسان کی استعداد ہوتی ہے۔ زیادہ تو پہلے طبقہ کی استعداد کے ہوتے ہیں اور دوسرے خواص وہ امت کے امام ہوتے ہیں اور بہت ہی کم تیسرے طبقہ کے یعنی اخص ہوتے ہیں۔ اور نبوت کا تو قصہ ہی الگ ہے تو انسان کو ذکر کا اہتمام کرنا چاہیے جس میں استعداد ہوگی خود بخود اور حیر کر کھینچ جائے گا۔ بس اتنا ہے کہ غفلت دور ہو مقصود یہی ہے۔ کیونکہ غفلت سے عبادت بھی جو فالص عبادت ہے بے اثر اور بیداری کے ساتھ عبادت بھی مفید نہیں کیونکہ غفلت کا اہتمام نہ کرے کیونکہ اصل مضر چیز غفلت ہے۔ ہر عمل میں جتنی غفلت ہوگی اتنا ہی وہ عمل کم درجہ کا ہوگا اور غفلت سے مراد بغیر نیت اور احساس نیت کے کام کرنا ہے۔ سفار یا یاد رکھو ایک تو پڑھنا ہے ورد کے طور پر اگر چاہے سے غالی تو غفلت سے پڑھنا بھی نہیں ورد کے طور پر پڑھنا پھر کیسے غالی از فائدہ ہو سکتا ہے۔ مگر عشق کے طور پر پڑھنا خواہ بر شوق اشعار کے ساتھ ہو یا ویسے زیادہ نفع بخش ثابت ہوتا ہے حضرت واللہ نے ایک بات یہ بھی فرمائی کہ شہوات تو انسان میں قریب اور سامنے ہی بڑا شہوت دیکھنے کی شہوت کھانے کی الغرض انسان کو شہوات کی طرف جھکاؤ تو ہے ہی مگر ان سے رکنا ہی مجاہدہ ہے اور ان میں دل کا لگاؤ توجہ کو کھینچ کر بڑا حرج کرتا ہے۔ الغرض عشق یعنی عشق کے جذبہ کو اجار کر ذکر کرنے کا فائدہ بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ اس طرح تھوڑے سے ذکر سے بھی زیادہ فائدہ ہوتا ہے اور فرمایا کہ مبتدی کے لیے بائز امور میں بھی جو توجہ کو چٹانے والے ہوں مشغول ہونا کامیابی کے لیے سب راہ ہے۔ جیسے کہ طلباء کے لیے دوران تعلیم میں احباب میں سیاسی

محاملات میں مشغول رہنا اور ایسی ہی اعمال مضر ہوتے ہیں ہاں بعض آدمی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کی استعداد ایسی ہوتی ہے کہ وہ کئی امور کی طرف توجہ رکھ سکتے ہیں ایک تو ایسے لوگ شاذ و نادر ہوتے ہیں دوسرے ایسی مشغولیتیں بہر حال مضر کچھ نہ کچھ ان کو پڑتی ہیں۔

نیز فرمایا کہ مشکل باتیں اور جدوجہد مجاہدہ نہیں۔ مجاہدہ تو درہل نفس کے خلاف کرنے کو کہتے ہیں مثلاً کسی بزرگ کی جدوجہد سے خدمت کن آسان بلکہ بعض اوقات نفسانیت ہوتا ہے مگر اس سے معمولی محنت مشقت کا کام جس میں نفس خلاف کرنا عار سمجھا ہو مجاہدہ ہوگا۔ فرمایا کہ ذکر میں اگر وجد نہ ہو تو تکلف وجد کی کیفیت بناؤ۔

سلسلہ کلام میں منطق کی بُرائی بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے خیال میں منطق میں بعض ابتدائی کتابیں کافی ہیں بڑی کتابوں کی منطق ضرورۃً نہیں۔ البتہ اصول فقہ فقہ اصول حدیث۔ حدیث اصول تفسیر تفسیر پھر ان کے برابر راست خادم صرف و نحو۔ معانی بیان ادب پلخص کے لائق ہیں۔ اور منطق بالکل فضول ہے۔ زیادہ سے زیادہ ایک دو ابتدائی رسالے اچھی طرح نکال لیے جائیں تو بس کافی ہے اور فرمایا کہ منطق کا نتیجہ فتنہ و فساد ہے لب تو یہ مناظرہ کے بھی کام کی چیز نہ ہی۔ حضرت والا نے بعض مناظروں میں سیاسیات اور قادیانیوں وغیرہ سے مناظرہ کرتے وقت اس فن کا بے فائدہ ہونا نظیروں سے ثابت کیا۔

حضرت والا نے حضرت مدنی سے فرمایا کہ حضرت کیا اب وہ وقت نہیں آیا کہ جب لوگ سختے ہی نہیں تو گرفتار تنہائی اختیار کر لیا جائے۔ اس پر حضرت مدنی نے فرمایا کہ حضرت جیسے حالات میں ہمارے اُلا برنے کام کیا کہ کسی کو کہا بھی نہ جاسکتا تھا۔ اب تو ویسے حالات نہیں۔ اس سے اچھے حالات ہر۔ حضرت والا نے فرمایا کہ اگر کسی نے ختم کر دیا تو حضرت کو تو اس کی تلاش ہے مگر ہم کو تو جدائی کا فکر ہے۔ حضرت مدنی نے فرمایا کہ حضرت جو وقت مقرر ہے وہ ٹلتا نہیں اور جو وقت نہیں تو کوئی کچھ کر سکتا نہیں۔

۸، ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ مطابق ۲ نومبر ۱۹۴۶ء بروز اتوار رائپور

قاری محمد اسحاق صاحب نے حضرت والا سے دریافت کیا کہ پڑھنے کو کچھ اور بتا دو اس پر حضرت نے فرمایا کہ کتب بہت سیدھے ہیں بلکہ ضرورت سے زیادہ سیدھے ہیں۔ آپ پہلے کیا پڑھ رہے ہیں۔ قاری صاحب نے عرض کیا کہ گیارہ تیس نفی اثبات کی اور گیارہ تیس اسم ذات کی کرتا ہوں۔ مولانا عبدالرشید صاحب نے عرض کیا کہ قاری صاحب ہذا مذکر کرتے ہیں حضرت والا نے فرمایا کہ قاری صاحب اس کا اثر کیا ہے کیا دعا کی طرف طبیعت مائل ہے۔ عرض کیا گیا کہ کبھی جی لگتا ہے کبھی نہیں۔ فرمایا چلے پڑھنے میں ہی ابھی چوسے لٹے ہوئے ہیں اور کیا بتاؤں۔ یاد رکھنا خطوں میں اور کچھ بتانے کا مطالبہ نہ کیا کرنا۔ یہ دعا کی دلچسپی جو کچھ ہوتی ہے اچھی اسے اچھی نمایاں ہونے دو اور اگر جی چاہے اسم ذات اور بھی پڑھا سکتے ہو۔ یاد رکھو اصل اسم میں اسم ذات یعنی اللہ اللہ ہے۔ اور نفی اثبات اس کی تائید و تقویت کے لیے ہے۔ حضرت سلطان باہو رحمہ اللہ نے اسی میں خوب فرمایا ہے۔

الف اللہ چنبے دی بوٹی مرشد من میرے دچہ لائی ہو
نفی اثبات دا بانی ملیا ہر رگے ہر جانی ہو
بوٹی اندر مکھ مچا یا حبان ٹھلن تے آئی ہو
جیوے مرشد کمال باہو جیں اسم بوٹی لائی ہو

۸، ۹ ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ مطابق ۲، ۳ نومبر ۱۹۴۶ء بروز اتوار سوموار رائپور

مغرب کے بعد حضرت مدنی اور حضرت شیخ الحدیث حضرت اقدس کے ہاں باغ میں تشریف لائے حضرت مدنی نے فرمایا کہ حضرت میں یہاں حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب

رحمۃ اللہ علیہ کی حیات مبارک میں حاضر ہوا تو شاید آپ کو مولانا مولوی عبداللہ صاحب دہلوی کی اودھو سرے حضرت کی حضرت شیخ الہند سے بیعت جہاد کا علم ہو گیا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ الہند سے جا کر کہوں کہ اگر انگریز کو اس بیعت کا علم ہو گیا تو دہرے کو سخت نقصان پہنچے گا اور توپ مدرسہ پر گوا دی جائے گی وغیرہ وغیرہ۔ اس لیے اس میں احتیاط کی ضرورت ہے۔ جب میں نے حضرت شیخ الہند سے جا کر اس کا ذکر کیا تو حضرت شیخ الہند نے فرمایا کہ اُتاد مرحوم نے مدرسہ کے لیے پچاس سال کے لیے دعا فرمائی تھی۔ اب پچاس سال ہو گئے لہذا اب کوئی پرواہ نہیں مگر آپ ملاحظہ فرمائیں کہ اب حالت ویسے نہیں رہ سکتا انگریز ویسی باتوں پر ایسی شدید کاروائیاں کرے خواہ اس کی وجہ کچھ بھی کیوں نہ ہو اس لیے اب حالات پہلے سے زیادہ سازگار ہیں۔ کہ ہندوستان کی آزادی کا کام کیا جائے۔ حضرت واللہ نے فرمایا کہ حضرت یہ بات درست ہے مگر انگریز نے سافن کے بعد سے اب تک ایسا کام کر دیا ہے کہ اب ویسا اندیشہ تو نہیں رہا مگر لوگوں کو علماء سے علیحدہ کر دیا اور یہ لیگ بھی اسی سکیم کا نتیجہ ہے۔ گویا یہ انگریز کی سکیم تو بھل بھول رہی ہے کہ اب علماء کے وقار کو ٹلانے کا کام پورا کر دینے کا اعلان کیا جا رہا ہے کہ ہم نے علماء کا وقار ختم کر دیا ہے۔

حضرت واللہ نے حضرت مدنی سے اس ذکر کی بنا پر کہ حضرت شیخ الہند نے بڑی محنت سے کئی لوگوں کو بنایا تھا یعنی تربیت کی تھی فرمایا کہ حضرت آپ بھی سفر چھوڑ دیجئے اور بیٹھ کر آدمی بنائیے تاکہ آدمی کام کے مہیا ہوں حضرت مدنی نے فرمایا کہ میں کیا کروں میری قسمت میں سفر لکھا ہے اور کیوں نہ ہو کہ میں سفر میں ہی پیدا ہوا تھا۔ یعنی والد مرحوم انا میں مڈل سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے کسی بات پر یہ بھی ذکر آیا کہ ششہ میں ہماری جائداد میں ۱۳ کافوں تھے جو جلتے رہے۔ بہت سے ہمارے خاندان کے لوگ اس ہنگامہ میں کام آئے آخر گزر کی کوئی صورت نہ رہی کچھ جائداد ایک تقسیم میں ہو کر رہی جس میں ایک آنہ کچھ باقی ہمارے حصہ میں آئی اسی کو فروخت

کر کے ہجرت مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کی اختیار کی یہ بھی فرمایا کہ والد صاحب مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی کے بیعت تھے۔ مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی والد صاحب کو اپنی عادت کے مطابق بڑا بھلا بھی کہا کرتے تھے۔ اور ان کو بھی جب تک ان سے سن نہ لیتے تھے نہ پڑتی تھی۔ فرمایا کہ مجھے بھی والد صاحب کی وجہ سے مولانا کی زیارت کا موقع ملا ہے۔ مولانا لانے جانے والوں کو اکثر بڑا بھلا بہت کہا کرتے تھے۔

حضرت والانے اس تذکرہ میں فرمایا کہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی کی زیارت کو تشریف لے گئے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہی سے سنا تھا کہ حضرت نے جانے سے پہلے دعا کی تھی کہ یا اللہ مولانا مجھ سے الگ مل لیں اور جیسا ان کا معمول ہے بڑا بھلا نہ کہیں چنانچہ جب حضرت ٹرین سے اتر کر بیل گاڑی پر سوار ہو کر گنج مراد آباد کے قریب پہنچے تو ان گاڑی والوں نے جو حضرت گنج مراد آبادی سے واقف تھے ہی کہا کہ حضرت وہ آرہے ہیں تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ گاڑی سے اتر کر آپ سے ملے تو فرمایا کہ تیرے ملنے کو ہی آ رہا ہوں اور ساتھ لے گئے ایک مسجد میں بیٹھنے کو فرمایا کیونکہ حضرت نے عرض کیا تھا کہ میں نے ابھی نماز نہیں پڑھی مولانا نے فرمایا کہ تم یہاں نماز پڑھ لو میں ابھی آتا ہوں۔ پھوٹی دور جا کر لوٹ کر فرمایا کہ دیکھو دو رکعت پڑھنا۔ یہ بھی حضرت نے دعا کی تھی کہ جتنا رہنا میرے مقدر ہو اس کے معلوم ہونے کی کوئی صورت ہو جائے تاکہ قصور پوری پڑھنے کی کوئی صورت اختیار کر دوں۔ نماز پڑھی پھر حضرت مسجد میں ہی تھے کہ مولانا نے ایک شخص کو ان کا پتہ اتہ دے کر بھیجا۔ اس نے بڑے مجمع میں سے جو مسجد میں مولانا کو ملنے کے لیے بیٹھا تھا۔ بے جھجک اگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اٹھایا اور عرض کیا کہ حضرت مولانا بلا تے ہیں۔ اس طرح حضرت کو الگ بلا کر ملاقات کی۔ حضرت والانے یہ بھی فرمایا کہ سنا ہے حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ نے فرمایا تھا کہ مولانا گنج مراد آبادی کی نسبت لازمی تھی متعدی نہ تھی۔ اور حضرت سائیں تو کل شاہ صاحب انبالوی کے متعلق بھی فرمایا تھا کہ ان کی نسبت تو بہت ہی اعلیٰ تھی۔ مگر متعدی نہ تھی اور مجھے یاد نہیں رہا کس کی نسبت کے متعلق حضرت نے یہاں فرمایا کہ حضرت گنگوہی نے

نسبت متعدی ہونے کے متعلق بھی فرمایا۔

مولانا مولوی لطیف الرحمن نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت میرے سامنے حضرت سہارنپوری کی خدمت میں حکیم اسحاق صاحب سہارنپوری نے بیان کیا کہ ایک دفعہ میں حضرت گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی کا سلام حضرت کی خدمت میں عرض کیا تو حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ اگر پھر آپ کا گنج مراد آباد میں جانا ہو تو دو باتیں میری طرف سے حضرت گنج مراد آبادی کی خدمت میں عرض کرنا ایک تو یہ کہ کشف تربت کو ہوتا ہے۔ مگر اس کو اخار کیا کہتے ہیں۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ خلق محمدی سے پیش آنا چاہئے حکیم اسحاق صاحب نے حضرت سہارنپوری کی خدمت میں عرض کیا کہ میں دانستہ گنج مراد آباد پہنچا۔ مسجد میں بہت لوگ حضرت سے ملنے کے لیے ہی بیٹھے تھے تو سب میں سے ایک ایک کو پوچھا کہ تم کیوں آئے ہو سب نے بتا دیا مگر دوبارہ دریافت کیا تو لوگوں نے دوبارہ بتا دیا جب میری باری آئی تھی تو میں جرات نہ ہونے کی وجہ سے چپ ہو جاتا تھا۔ تیسری دفعہ لوگوں سے پھر پوچھا کہ تم کیوں آئے ہو اور جب میرے سے پوچھنے کا نمبر آیا تو خود ہی فرمایا کہ جو پیغام لایا ہے کہتا کیوں نہیں۔ میں نے جرات کر کے حضرت گنگوہی کی دونوں باتیں کہہ دیں سن کر فرمایا کہ میرے کیا بس میں ہے میں کوئی حضرت گنگوہی کی طرح ہوں کہ سات سمندر پہنچے بیٹھے ہیں۔ مگر مکار بھی نہیں لیتے۔ دوسری بات کے متعلق فرمایا آئے والے سب لوگ عموماً دنیا کے سلسلہ میں آتے ہیں کوئی اثر پوچھنے یا لوجہ اثر لینے نہیں آتا اس لیے ایسی میتوں سے آنے والوں کو برا بھلا کہتا ہوں۔

حضرت والد سے مولانا عبد اللہ صاحب دھرم کوئی نے عرض کیا کہ حضرت اس طرح بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے دُعا کی اور ہمیں پہنائی ہوئی اور وہ لوگ باطل کو اختیار کئے ہوئے ہیں۔ جواب میں حضرت والد نے فرمایا کہ دُعا کے لیے بھی شرائط ہیں۔ جو شخص دُعا کرتا ہے کہ حق تعالیٰ اس کے جی کو حق کی طرف پھیر دے اور حقانیت اس کے دل پر واضح کر دے اگر وہ دو تحقیق طلب فرمیں سچے نائحدوں میں سے کسی کے ساتھ زیادہ مدد باطل صحبت رکھے تو دل نہ اس صحبت کا اثر بھی ہوگا ہاں

ظلی الطبع ہو کر وضوح حق کے لیے اللہ صداقت طلبی کے لیے کی گئی دُعا کے متعلق میرا
 زبردست خیال ہے کہ خدا تعالیٰ اسے مشرف قبولیت فرمائیں گے۔ میرے لیے تو یہ نسخہ بہت
 دفعہ کارگر ہوا ہے اور خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے میری رہنمائی فرمائی ہے۔ حضرت ولایت
 مزید یہ فرمایا۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ خدا تعالیٰ بندہ کے کمال کے بل پر نہیں بلکہ اپنے فضل و کرم
 سے رہنمائی فرماتے ہیں۔ اور مجھے تو یہی تجربہ ہوا ہے۔ اگر کسی معاملہ میں کوئی کھٹک ہوئی تو توبہ و
 استغفار کر کے اللہ صداقت طلبی سے خالی الطبع ہو کر وضوح حق کی دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے
 توبہ سے نکال چیل کاش یہ بات جو بعد میں معلوم ہو جاتی۔ وہ اصل ان باتوں میں وقت لگانا وقت
 ضائع کرنا ہے۔ مگر یہ بس کی بات بھی نہیں۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہی ایسا ہو سکتا ہے کہ وقت
 ضائع ہونے سے بچے۔ توفیق اسی کے ہاتھ میں ہے۔ خود کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ جن لوگوں کو خدا تعالیٰ
 پہلے طمانیت دے دیتا ہے۔ وہ صحیح راستہ پر پہنچتے ہیں ان کے لیے چٹا ہوتا ہے۔ اگر اچھی رفتار
 سست بھی ہو تو بھی وہ بہت کچھ طے کر لیتے ہیں۔ اور ہماری حالت یہ رہی کہ اب ایک راستہ
 پر پہنچے آگے جا کر جب کس طرح معلوم ہوا کہ یہ راستہ تو غلط ہے تو پھر اسی طرح لوٹنا ہوتا ہے۔
 اس طرح بہت ہی وقت ضائع ہوتا ہے اس کو یاد رکھو کہ اگرچہ چٹا اپنی رفتار سے ہوتا ہے مگر وہ
 چٹا رہتا ہے وہ بہت راستے طے کر لیتا ہے اور جو ادھر ادھر کے راستوں پر بھی پہنچے اور پھر واپس
 آگے راستے اس کو بڑا وقت اور طاقت ضائع کرنا پڑتی ہے۔ خود گوش اور کچھوے کا قصہ مشہور
 ہی ہے کہ کچھو گوش سے پہلے منزل مقصود پہنچ گیا۔ حالانکہ اس کی رفتار گوش کے مقابلہ میں تھیں

۱۷۹۹ھ مطابق ۱۲ نومبر ۱۹۴۶ء منگل سہارنپور

راؤ دھرم سنگھ صاحب کی حیات کے موقع پر فرمایا کہ انسان بیماریوں سے بارہا بچھڑا
 پاتا ہے۔ مگر آخر اس کے لیے موت ہے۔ ہر چیز کو سوائفہ کے فنا ہے۔ اس لیے انسان کو چاہیے
 کہ بیماریوں سے فائدہ اٹھائے۔ یہ انسان کو بیدار کرنے کے لیے کارآمد نہیں۔ تاکہ وہ گناہوں سے

تائب ہوا اور خدا تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کرنے کے لیے یاد الہی اور نیک کاموں میں مامی ہو مرضی کے سامنے اس مضمون کا مختصر مگر بہت مؤثر ذکر فرمایا کہ جہاں تک ہر کے آپ اپنی توجہ خدا کی طرف لگانے کی کوشش رکھیے اور سو مگر ہر وقت پڑھتے رہیے اور اس میں خیال رکھیے کہ شاید خداوند کریم یہ کلمہ قبول فرمائے۔

۲۶ ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۱ نومبر ۱۹۴۶ء جمعرات دہلی

حافظ مقبول احمد صاحب مغلّی نے حضرت والا کی خدمت میں عرض کیا کہ شہداء میں جو اختلاف ہے اس کا حضرت فیصلہ فرمائیں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ حضرت فخر الدین دہلوی ہیں اور غلط نہایت ان کی رائے بڑی صائب ہوتی ہے وہی کہ اس کا حل بتائیں گے۔ فرمایا ہم تو آج تک بزرگوں سے جو سنتے اور دیکھتے آئے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ انسان جب ذکر شروع کرے تو میں چلے میں مہمنا اور خاص حالت میں کسی کو جلد اور کسی کو دیر میں آثار ذکر پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے بعد ان آثار کی حفاظت کرنی ہوتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ جس سے کوئی کام لینا چاہتے ہیں اس کی ادھر کو کسی دین کے کام میں طبیعت گننے پر اکتی ہے اور دوسرے ادھر کو ہی ہولیتے ہیں۔ عوام سے چنداں سروکار نہیں رکھتے یہ شیت ایزدی پر منحصر ہے۔ اور کیا کہا جائے درمیان آثار پیدا ہونے پر بہت سوں کو کہا ہے کہ اب نظام الدین جاؤ اور تبلیغ کرو۔ مگر اس کے بعد اکثر وہ ایسے مستقل میاں بن جاتے ہیں کہ ہنس دیتے ہیں اور طبیعت ادھر تبلیغ کی طرف نہیں آتی حالانکہ یہی وقت دراصل ان کی تبلیغ کا ہوتا ہے۔ عوام کو تو سیر و سیاحت کا شوق ہوتا ہی ہے وہ تبلیغ بھی اسی جذبہ کے تحت کرتے اور دلچسپی لیتے اور کو دیکھنا نہ کہ چلے آتے ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ اس کا کچھ نفع لوگوں کو ہوتا ہی نہیں ان کو کچھ معتمد بناؤ حقیقی نفع نہیں ہوتا اور جو لوگ باقاعدہ اور سنجیدگی سے ویسے لوگوں میں سے بھی تبلیغ کھتے ہیں۔ اس سے لوگوں کو نفع

روزہ کہ کلام کا کافی نفع ہوتا ہے مگر اس کی مثال ایسی ہے جیسے عام طور پر ملہار و غلط طریقے
کیا کرتے ہیں۔ بڑے میان (مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ) کو تو تبلیغ کی حقیقی تڑپ تھی
خواہی نسبت کی وجہ سے مولانا یوسف صاحب میں بھی اس تڑپ کی جھلک پائی جاتی ہے
آپ بتائیں کسی میں تبلیغ کی تڑپ آپ میں سے ہے یہ تو بڑے میان آپ کو ڈنڈے سے
ادھر چلاتے رہے اور میں ادنیٰ شیخ الحدیث صاحب کو اکستے رہے ورنہ آپ سب کی
کینیت معلوم ہے کہ شوق سے ادھر کو نہ چلتے تھے۔

جب حضرت والا اپنے رفقاء کے ہمراہ دوران سیر مقبرہ ہمایوں کے دروازہ تک
پہنچے۔ مقبرہ کے متعلق باتیں شروع ہو گئیں۔ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اپنی پوتی نے
عرض کیا کہ یہ ہمایوں بابر کا بیٹا اور مغل بادشاہوں میں دوسرا بادشاہ ہے۔ جس کی سلطنت
اپنے زمانہ کی سب سے بڑی سلطنت تھی اس کا انتقال ۱۵۵۶ء میں ہوا۔ اور لکھا ہے کہ
یہ مقبرہ ۱۵۶۹ء میں اس کی یکم عیدہ بانو نے تعمیر کرایا۔ حضرت والا نے دریافت فرمایا کہ اس
کے بیٹے کا کیا نام تھا۔ عرض کیا گیا اکبر۔ فرمایا اگر بنانا تھا تو اس کو بنوانا چاہیے تھا۔ اور فرمایا کہ
ہمارے خیال میں تو یہ روپیہ ضائع کیا گیا ہے۔ کوئی مدرسہ خانقاہ یا اور کوئی مفید عام عمارت
بنوائی ہوتی اب بھی کیا اچھا ہو کہ یہ تمام عمارت بلکہ اس میں اور عمارتیں بنوا کر یا اس کا کچھ
حصہ مولوی یوسف صاحب کو دیدیں اور یہاں مبلغین آکر قیام کریں۔

۲۷ ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۲ نومبر ۱۹۴۶ء جمعہ دہلی

حضرت والا نے تبلیغ کی تائید میں فرمایا کہ تبلیغی جماعتوں کو اگر ہو سکے بجائے کراچی

و غیرہ کے ان علاقوں میں بھیجا زیادہ مقدم سہجہاں فسادات میں مسلمانوں پر زیادتی ہوئی
 سہتے تاکہ ان لوگوں کو بتایا جائے کہ یہ سب کچھ ان کے اپنے ہاتھوں کے کرتوت اور دین
 سے بے تعلقی کا نتیجہ ہے دین سے بے تعلقی کا نتیجہ اعلیٰ کو بوس کے جاننے والوں سے بے تعلقی ہے اور اس طرح
 لوگ ایسے لیڈروں کے ہاتھوں میں پڑ گئے جو مسلمانوں کے نادان دوست ہیں جیسے مانسوں
 نے چند سیٹوں کے لیے ایسا جھگڑا چھیڑ رکھا ہے جس کے نتائج یہ نکلے ہیں۔ حکیم کریم بخش صاحب
 بہار گنج والوں کو فرمایا کہ آپ بھی تبلیغی جماعت کے ساتھ کٹھ کے نواحی دیہات میں تشریف
 لائیں اور لوگوں کو تبلیغ کریں ورنہ ایسے حادثات کا قدرتی نتیجہ وہاں پر دین کا کسی طرح
 انطا طیا ان لوگوں کے مسلمانوں کے بے دین لیڈروں کے سیاسی مفاسد میں آکر کاربن جانا
 ہوگا۔ جو آئندہ کے لیے اور بھی تباہ کن نتائج پر منتج ہو سکتا ہے۔ فرمایا کہ منافرت کی پالیسی
 ہندوستان میں نہایت ہی ماعاقبت اندیشی اور بے وقوفی کی پالیسی ہے۔ جس سے مسلمانوں
 کا ہی زیادہ نقصان اور ہندوؤں کا فائدہ ہے۔ ایسے منافرت کے ماحول سے متاثر ہو کر آریہ
 سماجی تحریک ہندوؤں میں زیادہ قابل قبول ہو جاتی ہے۔ ارتداد کے لیے زیادہ تدابیر اختیار
 کرنے کے امکان پیدا ہو جاتے ہیں اور مسلمان بولتے شور مچاتے زیادہ اور کام کم کرتے ہیں۔

۳۰ ذی الحجہ ۱۴۶۵ھ مطابق ۲۵ نومبر ۱۹۴۶ء بروز سوموار دہلی

تبلیغی جماعتوں کے بارہ میں بات شروع ہوئی تو حضرت والد نے خصوصیت سے
 عمید صاحب لاہوری افسر ٹیلیفون کو جو تبلیغ میں مت سے دلچسپی لے رہے تھے مبالغہ
 کر کے فرمایا کہ تبلیغ کا اگر اثر نہ ہو تو بد دل نہ ہونا چاہیے اور سمجھنا چاہیے کہ میرے ساندہ ہے

اور حقیقت یہ کہ ایسی سب سے جو پورے طور پر تو پوری ہوا نہیں کرتی تبلیغ کے لیے جماعت میں جو اصول قائم ہوئے ہیں وہ بہت ہی مناسب ہیں۔ دراصل تبلیغ کرنے جانا اپنی تربیت کرنا ہے اگر باقاعدہ یہ کام کیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فضل فرمائے اور مبلغ اپنی تربیت کرتا ہوا اپنی گامی چلے اس میں دوسروں پر نظر نہ رکھی جائے بلکہ اپنی اصلاح مد نظر ہو یہ پھر سیر کرنے کا کام دلچسپ بھی معلوم ہو سکتا ہے۔ مگر پوری پابندی کی جائے اور دوسروں سے زیادہ بلکہ کلیہ اپنا خیال رکھنا چاہیے تاکہ جو چیز انسان کو حقیقی مبلغ بناتی ہے پیدا ہو جائے مبلغ بننا اور تبلیغ کا موثر ہونا بھی نیت میں رکھنے کی ضرورت نہیں۔ صرف رضائے الہی حاصل کرنا اور اپنی زندگی کو رضا کے کاموں سے وابستہ کرنا پیش نظر ہونا چاہیے۔

رامپوری حضرات میں سے ایک نے حضرت کی خدمت میں ذکر کیا کہ مودودی صاحب تو الیکشن میں حصہ لینا اور کھڑا ہونا جائز نہیں سمجھتے۔ دلیل یہ دیتے ہیں کہ یہ مجالس قانون وضع کرتی ہیں اور قانون بنانے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ وہاں تو اس کے علاوہ قانون شرع کے خلاف بھی بنائے پڑتے ہیں۔ اس پر حضرت واللہ نے فرمایا کہ مودودی صاحب کی بات تو ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ کیونکہ فالحاصل اسلامی سیاست تو دور اول کے بعد نظر نہیں آتی۔ اور مسلمانوں کی سیاست جس میں شرعی رعایت ہوتی ہے پہلے سے ختم ہو چکی جس کا دیوالیہ ستادوں میں خود مسلمانوں کے ہاتھوں نکل چکا۔ اگر اب مسلمان ان انتخابات سے طمع نہ ہو جائیں تو ان پر غیر مسلم کے بنائے ہوئے قوانین نافذ ہونگے اور ماحمل یہ ہے کہ خود مسلمانوں کو قانون سازی کا اختیار ملے تو وہ بھی اسلامی قوانین کو ملحوظ نہیں رکھتے جیسا کہ پنجاب کے مسلمان کہ انہوں نے باوجود کوئی جبر نہ ہونے کے اپنی مرضی سے وراثت میں ہندو قانون جسے رواج کہتے ہیں اختیار کیا اور اس میں ماحمل کا اثر ایسا ہے کہ کوئی سلطنت موجود نہیں

اپنی بقا کے لیے جدید علوم و فنون سے ایک لمحہ صرف نظر نہیں کر سکتی اور وہ علوم و فنون اغیار سے سیکھنے ہوں گے اور ان میں مہارت حاصل کرنے کے لیے آج کل پوری قوم کو لگانا پڑتا ہے تاکہ اس میں سے ایک معتد بہ عنصر ماہرین کا اور باقی دوسرے مدارج کو پڑ کرنے والے کافی تعداد میں نکل آئیں، صحبت کا اثر ایک لازمی امر ہے تو یورپ میں سیکھنے جانے سے جیسے ترک اب مہ ترک نہیں رہے بلکہ اسلام کے قوانین کو بالائے طاق رکھنے والے ترک ہو گئے جن کو ہم فقہی کی رو سے کافر اور غیر مسلم تو نہیں کہہ سکتے مگر اسلامی تعلیم و تربیت کا اشتغال انہماک نہ رہنے کی وجہ سے اب اسلام ان میں متنازعہ کیا ہے وہ ظاہر ہے اسی طرح اوروں کو بھی کرنا پڑے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ اور تھا۔ حجاز کا صوبہ اس زمانہ میں ضابطہ کے طور پر ایران کے ماتحت تھا مگر آپ کو معلوم ہے کہ جب عرب میں اسلام گھر کر چکا اور مدینہ کی سیٹیٹ بن چکی پھر جب حدیبیہ کے بعد حضور کا قصد وہاں پہنچا اور ایران کے بادشاہ نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پہنچنے پر باز پرس کے لیے اپنا افسر بھیجا۔ اور اس کو اس وقت بھی اتنی واقفیت حالات کی مہیا نہ تھی کہ اب وہاں ایک افسر کے جانے کا کیا اثر ہوگا۔ تو ایسے حالات میں عدم تعاون اور ترک موالات سے بغیر دیگر مبادیات کے حل کئے کام نہیں چلایا جاسکتا اب جبکہ کلکتہ میں ہونے والی بات کا ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں لندن علم ہو سکتا ہے اور دو گھنٹے میں دہلی سے جاکر بمباری کی جاسکتی ہے اور ایٹم بم سے حجاز سے ہزاروں گنا زیادہ مضبوط فوجی قوت کو دم بھر میں تہس نہس کیا جاسکتا ہے تو مودودی صاحب کی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ میں نے ان کی باتوں کا خلاصہ سنا ہے چونکہ ان کے مضامین جیسا کہ ان کی ضرورت ہوتی ہے زیادہ مفصل ہوتے ہیں میں ان کو پڑھنے سے ہمیشہ گھبراتا رہا ہوں ایک کتاب ان کی مولوی حبیب الرحمن صاحب

لہذا نوزی سے تعریف سن کر سگوائی تھی زیادہ پھیلاؤ ہونے کی وجہ سے مولانا حبیب الرحمن اپنی
کو دیدی اور ان کے رسالے بھی آتے رہے دیگر کتب کا بھی خلاصہ سنا مگر بات سمجھ میں نہ
آئی۔ ان کے ایک رفیق کار مولوی صبغتہ اللہ صاحب بختیاری سے بھی کافی وقت دیکر ان کی
باقی سنی مگر ہم تو ان کی بات کو سمجھ نہ سکے بوڑھی صاحب بھی لاہور میں چند سنٹ کے لیے ملنا ہوا۔
کرم فرمایا تشریف لے آئے تو معمولی مختصر گفتگو ہوئی۔ میں نے حضرت دہلوی کی تبلیغ کے متعلق
ان سے سوال کیا کیونکہ وہ اس کو خود اگر معلوم ہوا تھا کہ اس سے پہلے مطالعہ کر چکے تھے تو
انہوں نے فرمایا کہ ہاں وہ ٹھیک ہے مگر وہ آگے تو چلتے نہیں چونکہ پہلی ملاقات تھی میں نے
اس پستیادہ عرض کرنا مناسب نہ سمجھا — آزاد مسلم کانفرنس جو دہلی میں ہوئی تھی
اس پر ان کے رسالہ میں شدید نکتہ چینی کی گئی تھی جس میں ان حضرات کو جن کی تمام عمر دین کی فکر
اور کام میں گزر گئی انہوں نے بتایا کہ وہ دین کو سمجھتے ہی نہیں مجھے اس پر یہ خیال آیا کہ مولوی
صاحب کی اس نکتہ چینی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہی معاملات اور حالات کے سمجھنے میں ایسے
ہیں جن کی بات ہم سمجھ میں نہیں آتی میرا مقصد ان کی تفتیش کرنا نہیں۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو
اسلامیات سے متعارف کرانے میں ان کو بہترین ملکہ ہے اگر وہ اس کرتے تو یہ بھی بڑا کام
تھا مگر ان کی اس تحریک سے انہوں نے اپنے اس کام کے اثرات کو بھی کم کر لیا اور توجہ اور
طرف ہونے کی وجہ سے وہ بات نہ رہی مگر کانگریس وغیرہ پر نکتہ چینی جو انہوں نے اپنے رسالوں
اور کتاب (سیاسی کشمکش) میں کی ہے وہ اپنی حدود سے قدم باہر رکھتا ہے اور جس سمجھ میں
نہیں آیا۔

کوئٹہ کے ایک صاحب نے جناب عبدالواحد صاحب سابق ہیڈ ماسٹر فورسٹ
سٹیٹمن کی سفارش سے حال دریافت کرنے کے سلسلہ میں حضرت والا کی خدمت میں لکھا۔

ماسٹر صاحب نے اس بابہ میں دریافت کیا تو حضرت واللہ فرمایا کہ ان کا یہ عقیدہ کہ دعا خواہ
 حزب البحر ہو یا کوئی اور اس کے ضروری قبول ہونے اور ہر موقع پر کیساں نتائج یقینی ہونے کا
 عقیدہ ایک غلط عقیدہ ہے اس کا اثر یہ مطلب ہوا کہ اللہ میاں کسی کے قبضہ میں آگے اور
 نعوذ باللہ من ذلک مضطر ہیں مالاکہ پیغمبروں اور پیغمبروں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کی معائن
 کے متعلق بھی خود حضور کو یہ بات یقینی طور پر معلوم نہ ہو اگر کتنی سچی کہ یہ دعا منظور ضرور ہو جائیگی
 ہاں اگر کسی دعا کی قبولیت کے متعلق اطلاع مل گئی وہ اور بات ہے اور اگر دعا کا فائدہ معلوم
 کرنا چاہو تو یوں سمجھو کہ انسان کو خدا تعالیٰ نے اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے اور دعا کا عبادت
 ہے یعنی اظہارِ عجز مقصود ہے مولیٰ اسے قبول کرے یا نہ کرے اس کی مرضی ہے چنانچہ ایک
 پیر اور ان کے مرید مخلص کو امام ہوا کہ خواہ کتنی عبادت کرو قبول نہیں۔ مرید نے دریافت
 کیا کہ حضرت جب قبول نہیں تو اس عبادت کے کیا فائدہ۔ پیر نے جواب دیا کہ عبادت کرنا میرا
 فرض ہے قبولیت میرے اختیار میں نہیں اور کوئی ایسا نہیں کہ جس کی عبادت کی جائے اور
 اس کے دروازہ پر اظہارِ عجز و عبودیت کیا جائے اس پر حکم ہوا کہ تمہاری عبادت گزاری تمہارا
 کمال نہیں اس لیے قبول کرتا ہوں کہ تیرے نزدیک میرے سوا کوئی جائے پناہ نہیں حضرت
 واللہ فرمایا کہ اس پر بھی قبول نہ فرمائیں تو کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ہماری مانگ پوری کرنا واجب
 نہیں وہ چاہے قبول کرے چاہے نہ کرے۔ تو ان کو نہ دلے صاحب کا یہ غلط عقیدہ ان
 کی شوکراد پریشانی کا سبب بنا اگر حصار کیچنے کے باوجود چوری ہو جائے تو آپ دیکھتے ہیں
 کہ سب اتہام کرنے کے باوجود آدمی فیل ہو جاتا ہے اسی طرح ان دعاؤں میں شرائط قبولیت
 کا ضمنی طور پر معدوم ہونا بھی سبب ہو سکتا ہے اور بھی کئی صورتیں ہیں یہ غلطی کمزوری اور عقیدہ
 سے ناواقفیت کا نتیجہ ہوا دوسری بات یہ ہے کہ ہر آدمی کی استعداد مختلف ہوتی ہے اور استعداد

کو ملحوظ رکھ کر پڑھنے کو بتانا ماہر شیخ کا کام ہے اگر اس کا کاغذ نہ ہے اور بعض اوقات ماہرین سے بھی غلطی ہو سکتی ہے تو نقصان ہو جاتا ہے۔ اب ان کو نوٹ مالوں کے لیے یہی بہتر ہے کہ وہ سو افراتفری و واجبات اور عام تشریحی امور پر کاربند رہنے کے دیگر تمام وظائف و اوراد ترک کر دیں باطل کی سیر کیا کریں اور دل و دماغ پر مصدمات کا جواثر ہوا ہے اس کی تلافی کی اگر کسی درجہ میں کوئی صورت ہو کہ وہ خوش رہ سکیں تو وہ بھی کرنی چاہیے پھر اُمید ہے کہ طبیعت سہولت پر آجائے۔

ماسٹر صاحب نے دریافت کیا کہ ایک بزرگ نے مجھے جب میں چودہ پندرہ برس کا ہونگا تصوف سے اس طرح تعارف کرایا کہ گناہ کی لذت اور رشوق تصوف سے بالکل مٹ سکتا ہے کیا یہ درست ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ یہ تو ہو سکتا ہے مگر بہت تھوڑے لوگ ایسی استعداد کے ہوتے ہیں یہ ان لوگوں کی حالت ہوتی ہے جن کو دائمی حضوری ہو کیونکہ جب کوئی کسی کے سامنے ظاہر یا باطن ہو تو اس کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا مگر ہر شخص کی اتنی استعداد نہیں ہے کہ اس کو اس درجہ کی حضوری حاصل ہو۔ پس ایک بات تو انسان کے شرع کو مطلوب ہے جس کا وہ مکلف ہے اس کی استعداد تو عموماً تمام لوگوں میں ہوتی ہے اور شاذ و نادر کسی میں نہ ہو۔ شاذ و معدوم کا حکم رکھتا ہے اور ایک مطلوب ہر شخص سے نہیں اور اس کا لوگوں کو مکلف نہیں کیا وہ جس میں استعداد ہوتی ہے اس کو حاصل ہو جاتی ہے۔ دوسرے کو نہیں تو اتنا تصوف تو ہر شخص سے ممکن ہے کہ وہ علوم و نیت نیکی کی کوشش کریں برائی پر نادم ہو کر توبہ کریں اور اس تصوف کا شرعاً ہر شخص مکلف ہے اور اسے اصطلاح میں عموماً تصوف بھی نہیں کہا جاتا اور ایک اس سے زیادہ کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس فن میں کوشش کرتا ہے۔ نتائج اشرمیاں کے ہاتھ میں ہیں، آپ ماسٹر سے ہو بتاؤ جس بچے کا

دماغ اور ذہن کمزور ہو اور وہ مضامین تیار نہ کر سکے اس کو بھی الزام دیتے ہو ماسٹر صاحب نے کہا کہ اس کو تو معذور سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں تنگ نہیں کرتے اور نہ الزام دیتے ہیں۔ حضرت والانس نے فرمایا کہ اسی طرح سلوک میں ہے سلوک اور روحانیت کے قاعدے کو جاننے کے قاعدے نہیں ہیں جیسے دنیا کے اور کاموں کے قاعدے ہیں اسی طرح سلوک کے مناسب حال اسی پہنچ کے اس کے بھی قاعدے ہیں۔

۳۔ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۸ نومبر ۱۹۴۶ء جمعرات، لہیانہ

حضرت والاک کی خدمت میں ایک صاحب نے حاجیوں سے سنی سنائی بات بیان کی کہ معلوم ہوا ہے وہاں ابن سعود کی حکومت انگریزی پڑھنے والے طلباء کو ساڑھے روپے ماہوار فی کس وظیفہ دیتی ہے یہ افسوس کی بات ہے اس پر حضرت والانس نے فرمایا کہ یہ تو اب ہونا ہی ہے ہم نے اپنی سیاست پانچ سو سال پہلے چھوڑ دی اور شکست کھا گئے اور ہندوستان میں مولوی شاہ کے بعد سے بالکل پٹ گیا ہے اب لوگ جدید علوم کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے خصوصاً حکومتوں اور قوموں کو مجبوراً ادھر چلنا ہے ان کی فرمائشیں بھی ہیں اس لیے ابن سعود کی قوم اور وہاں کی حکومت کو بھی اس کے بغیر چارہ نہیں ہے اور یہ بھی ہے کہ اس اشتغال بیخ کی وجہ سے مذہبیت کمزور ہوتی چلی گئی مگر کیا کریں ہم مذہب کے لیے آئندہ دور میں پُر امید نہیں ہیں تاہم اپنا فرض محسوس کرتے ہیں کہ باوجود ذرائع مفلحہ و سمجھنے کے لوگوں کو مذہب کی طرف دعوت دیتے رہیں اور مذہبی تعلیم کے لیے بھی ترغیب دیتے رہیں ابھی تک تو کوئی نظر نہیں آیا ہو سکتا ہے کوئی اشد کا بندہ

اس زور کا آئندہ آجائے جو رُخ بدلنے میں کامیاب ہو جائے اگر دین کو ساتھ لیکر ترقی کی
جائے ممکن تو ہے مگر اس وقت اس کے سلمان مغفود ہیں اس سے یہ تو نہ سمجھ لینا کہ
ہم بھی انگریزی تعلیم دلانے کی تائید کرتے ہیں ہم بالکل تائید نہیں کرتے اور دینی تعلیم کی ہی
تائید کرتے ہیں مگر یہ محسوس ہو رہا ہے کہ یہ ہو گا نہیں کیونکہ اس وقت اس کا کوئی سلمان
میسر نہیں۔ مگر ہم نے تو دین کے لیے اپنی کوشش جاری رکھنی ہے۔ دیکھئے اللہ کو کیا اور کب
منظور ہے۔

۴۔ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹۔ نومبر ۱۹۴۶ء بروز جمعہ۔ لہذا

صبح چائے کے وقت اٹھ نیم برشت ہونے کی بات چلی تو فرمایا کہ میں نے حضرت رحمۃ
اللہ علیہ کو اٹھ نیم برشت کر کے کھلانے میں تجربہ کیا ہے کہ گرم پانی میں اٹھ ڈال کر ساٹھ
تک اللہ اللہ کہنے میں جو وقت لگتا ہے۔ اتنے میں اٹھ نیم برشت ہو جاتا ہے۔

۵۔ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۰۔ نومبر ۱۹۴۶ء (ہفتہ) بہتمام لہذا

سیر و تفریح کے دوران حضرت والد نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا اپنے والد
شاہ عبد الرحیم صاحب کے متعلق بیان فرمودہ قبتہ کہ جب شاہ عبد الرحیم صاحب میرزاہد
کے پاس سے منطق کا سبق پڑھ کر آ رہے تھے اور علامہ ہرولی سے بھی آپ کو طعنے مال تھا بیان
فرمایا اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی رہنمائی نہ صفت کے ماتحت شاہ صاحب کو سعدی رحمت اللہ علیہ تین

مصر سے وارد ہوئے اور چوتھا یاد نہ آنے کی وجہ سے طبیعت پر بڑا قلق تھا کہ ادھر میر عمر کے کسی آدمی نے پاس آکر چوتھا مصر میں پڑھ دیا، شاہ عبدالرحیم صاحب نے اس کو پان پیش کیا۔ اس نے کہا کیا یہ معاوضہ ہے۔ عرض کیا نہیں فکریہ۔ اس نے انکار کیا۔ آپ نے عرض کیا کہ پان آپ کے نزدیک حرام ہو تو مجھے بھی فرما دیجئے۔ فرمایا کہ نہیں حرام و حلال کا قصہ نہیں، میں کھاتا نہیں۔ یہ کہہ کر اپنا قدم بڑھایا جو ایک کوچہ سے دوسرے کوچہ پر پڑا۔ شاہ صاحب نے جلدی سے یہ سمجھ کر کہ یہ تو کوئی روح ہے، عرض کیا کہ حضرت فرمائیں، کہ آپ کون ہیں تاکہ فاتحہ ہی پڑھ دیا کروں فرمایا کہ سعدی ہمیں فقیر است۔ اور آن خان میں بڑے بڑے قدم اٹھا کر نظر سے غائب ہو گئے حضرت والائے مولانا حبیب الرحمن صاحب کو فرمایا کہ وہ شعروم نے معلوم کر کے یاد کئے ہیں اور تم بھی ان کو درود بناؤ۔ حضرت والائے ان کو یاد کر لئے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

جزیا دیار ہر چہ کنی عرضائع است جز سر عشق ہر چہ بخوانی بظالست
سعدی بشعر لعل دل از نقش غیر حق طلیک راہ حق نہ نماید جہالت است

۶۔ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ مطابق یکم دسمبر ۱۹۴۶ء اتوار۔ لدھیانہ

ایک حاجی مدد صوبہ جوگئی بائج کر کے آئے اور حضرت والائی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت والائے فرمایا کہ لکھنؤ کے رئیس اصطفیٰ خان بھی اب کے بارہویں یا تیرہویں دفعہ ہوائی جہاز پر حج کے لیے گئے تھے جانے سے پہلے وہ منسوری میں اپنی بیٹی کو مسعود کے ہاں ملنے آئے تھے مجھ سے بھی ملے تھے ان سے بھی یہ کہنا تھا اور میرا خیال بھی ہے کہ مسلمان

میں اگر کسی کو دینداری کی جھلک نصیب ہو اور وہ نیک خیال ہو تو بے ضرورت مسجد بنانا، نفل حج کرنا اختیار کرتا ہے اس کو زیادہ سے زیادہ اس کی دین سے محبت کی دلیل اور مستحب مستحسن قرار دے سکتے ہیں لیکن تبلیغ اور اسی طرح کے اسلام کے فروغ اور تقویت کے کام اہم فرائض اور اہم واجبات سے ہوں تو ان کی پرغاہ نہیں کی جاتی۔

مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی نے شام کی مجلس میں دو باتیں بیٹھے ہی دریافت کیں ایک یہ کہ ترک معاصی کے لیے کیا کرنا چاہیے دوسری یہ کہ تبلیغ کا کیا طریق ہے حضرت دالانے پہلی کے بارہ میں فرمایا کہ حضوری ایک ایسی کیفیت ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان سے معاصی سرزد نہیں ہوتے اور وہ محفوظ ہو جاتا ہے چنانچہ ایک مہذب کا قصہ ہے کہ اس کو کوئی کچھ کتا تو وہ کتا چپ میاں سُن رہا ہے اور ایسی ہیئت میں چپکے سے کتا جس طرح کسی بڑے ہی با عظمت اور باہیت کے سامنے کوئی لایق بات کرنے سے کسی کو منع کیا جاتا ہے ایسا مشاہدہ اور حضوری اور وہ بھی مسلسل اور دائمی ہر شخص کی طبیعت حاصل نہیں کر سکتی باقی معاصی کے ترک میں دل کی شکستگی کو بھی بڑا دخل ہے اور اگر ایسے شخص سے گناہ ہو جائے تو وہ فدا تو بہ کر لیتا ہے اور اسی توبہ سے اس کو ترقی ہوتی ہے اور گناہ بھی بعض اوقات اس لیے کہ انسان اس پر نادم ہوتا اور یہ سمجھتا ہے کہ میں تو کچھ بھی نہ ہوا اس کو شکستہ دل اور عاجز بنا دیتا ہے جس سے بیکہ ترقی ہوتی ہے اور خدا کے ہاں سب سے بڑھ کر جو چیز مقبول ہے وہ عجز ہے، عجز، درد اور دل شکستگی بڑی چیز ہے یہ درد یہ شکستہ دل اس سے تو عجز پیدا ہوتا ہے اور انسان کو خدا تعالیٰ نے اپنی بندگی یعنی عجز کے اظہار کے لیے ہی تو پیدا کیا ہے اور اگر کوئی جدوجہد سے عبادت سے بھی تعبیر کرتے ہیں بہت روتا ہے مگر یہ عجز اس میں نہ ہو تو تمام محنت کسی کام کی نہیں اور اگر یہ ہو تو پھر زیادہ محنت

کی بھی ضرورت نہیں۔ دوسری بات کے متعلق فرمایا کہ تبلیغ کے متعلق میں کیا عرض کروں۔ حضرت دہلوی سے ہم ان کی زندگی میں بہت لڑتے جھگڑتے تھے مگر ان کے جی کو لگن تھی، اس لگن سے ایک راستہ خود پیدا کر لیا ان کا یہ مطالبہ بھی بہت رہا کہ مولوی حبیب الرحمن لدھیانوی اور مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری کو ہمارے کام میں لگاؤ میں نے عرض بھی کیا کہ اب وہ اس طرح کام نہیں کر سکیں گے مگر بڑے میاں نہ ملنے ان کے حکم کی تعمیل میں میں نے ایک دو مرتبہ آپ حضرات سے آپ کو یاد ہو گا کہا بھی تو حاصل یہ ہے کہ کوئی طریق خاص مقرر نہیں تبلیغ کرنی چاہیے اور ذرا تے سمجھا رہا ہے اس پر لگ جائیں گے تو ضرورت کے مطابق اپنا راستہ نکال ہی لیں گے اور اصل تبلیغ کا وقت انسان کا اس وقت ہوتا ہے جب اس پر آثارِ ذکر طاری ہو جائیں اور ان میں خچنگی سی آجائے پھر اللہ تعالیٰ نے بعض سے کام نہیں لینا ہوتا تو وہ تنہائی کے ہی ہو لیتے ہیں اور جن سے کام لینا ہوتا ہے انکی طبیعت میں خود بخود جوش اٹھتا ہے اور تبلیغ ان کی ہی تبلیغ ہوتی ہے۔ اس تبلیغ کا ان کو اور لوگوں کو بے حد نفع ہوتا ہے۔

محرم الحرام ۱۳۶۶ھ مطابق ۲ دسمبر ۱۹۴۶ء سوموار۔ لدھیانہ

ماسٹر منظور احمد صاحب نے حضرت والا سے بعض باتیں صوفیہ کی دریافت کیں تو حضرت والا نے فرمایا کہ مشاہدہ ہو اور مشاہدہ سے یقین اور یقین سے خلوص نیت کے ساتھ اعمال صالح ہو سکیں۔ ماسٹر صاحب نے یہ بھی دریافت کیا کہ حضرت ہمارے ہاں تبلیغ کے سلسلہ میں چودھریوں نے اعلان کر دیا ہے کہ بے نمازیوں پر جہر مانہ کیا جائے حضرت والا نے

فرمایا کہ یہ نہ کرنا۔ لا الہ الا فی الدین قد تبین الرشید من الغنی۔ بس سمجھاتے
بجھاتے اور نرمی محبت سے کوشش کرتے رہو اور اپنے آپ کو مبلغ مت سمجھو۔

۸، محرم الحرام ۱۳۶۶ھ مطابق ۳ دسمبر ۱۹۴۶ء منگل۔ لاہور

قاری عبدالغفور صاحب وغیرہ علماء حضرات سے حضرت والائے فرمایا کہ آپ ترجمہ
جو انجمن خدام الدین کے مقاصد میں سے ہے نوجوانوں کو شوق سے سنائیں مگر اب مولوی
فیل ہو چکا ہے انگریزی دان طبقہ میں اب اس کی بات سُنی اور سنائی نہیں جاتی یہ کام مبارک
ضرور ہے مگر اس کی نتیجہ خیزی کے متعلق اس وقت کوئی روشن پہلو نظر نہیں آ رہا۔

ایک اور صاحب سے گفتگو میں فرمایا انسان کو چاہیے کہ خدا تعالیٰ کی رضا مندی
حاصل کرنے کے لیے اپنے اندر اخلاق حمیدہ پیدا کرے اور ذمائم سے دور رہے اور یہ
چیز ایسے شخص کی صحبت اٹھانے سے حاصل ہوتی ہے جس کے اخلاق اور نفس کی اصلاح
ہو چکی ہو مگر صحبت میں دو چیزیں شرط ہیں ایک توشیح سے محبت ہو اور عناد مہرگز نہ ہو اور
ایک ذکر الہی یا صرف صحبت سے فائدہ نہیں ہوتا۔ ————— اللہ ماشاء اللہ

کیونکہ آج کل والوں کی صحبت ایسی قوی نہیں کہ حضور کی طرح اثر کرے اس لیے ذکر بڑا
ضروری ہے صحبت اگر ہوگی تو آدمی شیخ کے اخلاق میں سے جذب کرے گا اور یہ جذب
کرنا ایک طبعی خاصہ ہے کہ عناد سے خالی محبت آمیز صحبت کا یہ اثر ہونا ہی ہوتا ہے ان صاحب
نے ذرا اونچی تصوف کی اصطلاحی باتیں شروع کیں تو حضرت والائے فرمایا کہ اتنی اونچی پرواز
ہماری نہیں ہے بس ہم تو سیدھا سادھا یہ ہی سمجھتے ہیں کہ صحبت شیخ جو عناد سے پاک ہو
اس میں جتنی محبت ہوگی اتنی ہی ترقی ہوگی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ طلب بھی جو پیدا ہوتی ہے

وہ شیخ کی طلب سے عہد ملتے اور اخلاق بھی وہیں سے اسی راستہ سے جذب کرتے ہیں۔ مگر اپنی استعداد کے موافق جذب کرتے ہیں جتنی اس میں کمی اتنی اس میں کمی اور اصل مقصود رضائے الہی ہے محبت کا ایک درجہ تو یہ ہے کہ انسان محبوب کو دیکھتا ہی رہنا چاہتا ہے خواہ وہ دیکھنا محبوب کو گراں گزرے مگر اس سے آگے گزر کر یہ ہے کہ محبوب کی رضا سے ہی وہ راضی ہوتا ہے گویا اس نے اپنے نفس کی لذت کو اب محبوب کی رضا پر قربان کر دیا۔ نفس دیکھو کہاں تک اپنا عہد لیتا رہتا ہے پس جس شیخ سے انس ہو اس کی بلا عناد محبت اختیار کر داور کچھ ذکر کا سلسلہ بھی جاری رکھو جتنی کسی کی استعداد ہوگی اور جتنا خدا کو منظور ہوگا حتمی مل رہے گا۔ ان صاحب نے دریافت کیا تھا کہ حضرت بعض اوقات انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ اب یہی کیفیت ہو گئی ہے تو اس وقت جو کچھ اس کے دل میں آتا ہے کیا ادھر سے ہی آتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ ہاں مگر نفس کے دھوکے بہت ہیں۔ اور ایک بڑا فریب نفس کا یہ ہے کہ وہ حالات کو مقام سمجھنے لگتا ہے بعض بزرگوں سے سنتے ہیں کہ ان کو چار ماہ میں سلوک ملے ہو گیا جب دریافت کیا گیا کہ استقامت کتنے عرصہ میں ہوئی تو فرمایا پچیس سال میں۔ تو اب دیکھو جو سریع السیر تو لیتے ہیں چار ماہ میں سلوک ملے ہو گیا اور استقامت جو اصل شئی ہے پچیس سال میں حاصل ہوئی تو اس راستہ میں یہ نہ سمجھ کر یہ حالات کوئی مقام ہے وہ تو مشکل سے حاصل ہوتا ہے حضرت واللہ نے مندرجہ ذیل شعر پڑھا اور فرمایا کہ ہم نے یہ شعر مولوی عبداللہ صاحب سے سیکھا ہے۔

صوفی نہ شود مسانی تا در نکند جامے بسیار سفر بایہ تا پختہ شود خامے

۹، محرم الحرام ۱۳۶۶ھ مطابق ۴ دسمبر ۱۹۴۶ء بدھ . لاہور

حضرت والائے گنگو کے دوران فرمایا جب انگریز آ رہے تھے پنجاب کے اجماع نے جن میں پٹیل، بابو فرید، خوشا سنگھ وغیرہ کے راجہ شامل تھے مشورہ کیا کہ مالیر کوٹہ والے بوڑھے نواب بابا سے کہہ دیں ہم سب سے بڑے مشورہ کو کہ رنجیت سنگھ کا ساتھ دیں یا انگریز کا۔ بوڑھے بابا نے کہا کہ انگریز حق اور رنجیت سنگھ ہیضہ ہے اس لیے حق کو قبول کر لو کہچہ زیادہ دن زندہ رہنے کی توقع ہو سکتی ہے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

فرمایا ہم ضروری سوال بنا کر لوگوں کو آپس میں لڑنے کا موقع پیدا کر دیتے ہیں تو قومی حکومت لوڑ آنے والی نسلیں اس بک بک کو ختم کر لے کے لیے مذاہب کو ہی ختم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے پس چونکہ سیاست پر آجکل کفر غالب ہے اس لیے کفر کے راستے سے سیاست آرہی ہے اور ایسی ہی سیاست کا غلبہ ہوگا تو کفر کے سویرات بڑھتے چلیں گے جب وینڈر لیڈ رہیں ہوگا تو خواہ مسلمان ہندو کسی طرح تفریق سے بھی مگر ہندو اور مسلمان مذاہب تو ختم ہی ہو جائیں گے اور خالص دھرمیت کا غلبہ ہوتا چلا جائے گا ہم نے یہ بھی اچھی طرح دیکھ لیا کہ خود ہماری تاریخ گواہ ہے کہ اکیلا مذاہب سیاست کے بغیر چل نہیں سکتا اور محدود رہتا ہے اس لیے ہم اب یا تو اپنی سیاست چلاتے یا اب دوسروں کی چلنے والی سیاست کے ساتھ ہوتے تو گاڑی چلتی ورنہ نہ چلے گی اس لیے میں تمہیں کہتا ہوں کہ آئندہ کسی طرح مذاہب کے لیے گنجائش نظر نہیں آتی اور پھر غنیمت سمجھا ہوں کہ ستر بہتر سال کی عمر ہو گئی ہے تو اپنا ایمان ہی سلامت چلا جائے اور کچھ کیا کریں ہاں بطور فریضہ کے کامیابی کے ظاہری امکانات نہ ہونے کے باوجود بھی ہم نے مذاہب کے لیے ہی اچھا

مارنے ہیں اور یہ تو کرتے ہی رہو خدا کو اگر منظور ہو گا تو کوئی ایسی شخصیت بھیج دے گا جو جمع
 خلائق بن سکے اس وقت ایسی شخصیت جو لوگوں کو اپنے گرد جمع کر سکے میں نہیں پاتا۔ میری
 اس مایوسی سے مایوس کن معنی نہ لو یہ میرا مطلب ہرگز نہیں مطلب یہ ہے کہ مذہب کو اپنے
 اندر زندہ رکھنے کے لیے کامیابی کے امکانات کی امید بھی نہ رکھتے ہوئے جدوجہد جاری رکھو۔
 ایک معذور مولوی صاحب نے حضرت والاح سے کچھ دریافت کیا تو حضرت والاح نے
 فرمایا کہ اولیاء اللہ اور اہل اللہ کی صحبت اختیار کرو اور جب تک تنگی نہ پیدا ہو جائے اس
 وقت تک تو اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں سگرا اس کے بعد بھی بلکہ میں تو کموں کا تمام عمر
 پھرایا کرو تا کہ ایمان سلامت لے جانے کی صورت بن سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء
 کے راستہ کے بغیر اور کوئی راستہ انسان کی فلاح کے لیے نہیں بھیجا اور انبیاء کے تربیت یافتہ
 ہی ان کے جانشین ہیں اور اولیاء اللہ بھی اسی قبیل سے ہیں۔ جب پہلے کانگریس کی
 وزارت میں قائم ہوئی تھیں تو گاندھی جی نے کہا تھا کہ وزارتوں کو ابو بکر و عمرؓ کی طرح چلانے
 کی کوشش کرو کیونکہ تاریخی دور میں اور کوئی اس سے اعلیٰ مثال ہم کو نہیں ملتی تو کفار کے نزدیک
 بھی معیاری طرز کی واقعی مثال سوا انبیاء کے نہیں ہے۔ اگر بغیر صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت
 یافتہ حضرات کو انہوں نے نظیر کے طور پر پیش کیا۔

مولانا حبیب الرحمن صاحب نے کہا کہ مسلمان کا ذہن اب حملہ آور نہیں رہا ہر جگہ
 دفاعی رہ گیا ہے جو شکست کی علامت ہے اس پر حضرت والاح نے فرمایا کہ انسان کے اندر
 ایک تو روح کی قوت ہے ملکوئی قوت کہہ سکتے ہیں ہوتی ہے اور وہ کسی عارضہ کی وجہ سے
 جس کا ظم خدا کو ہی ہوتا ہے ہر انسان میں متفاوت درجہ کی ہوتی ہے اور ایک قوت
 انسان میں سمیت کی ہوتی ہے اس کا بھی ایسا ہی حال ہوتا ہے پس جس شخص میں ملکوئی قوت

جس درجہ کی اعلیٰ ہوگی اور بہیمیت بھی جس درجہ کی زیادہ ہوگی وہ قوم کا امام ہوگا۔ اس کی بڑی استعداد ہوگی اور اس کے علاوہ جو لوگ ہوتے ہیں ان میں جس درجہ کی یہ دونوں چیزیں ہوں اتنے ہی وہ مضبوط ہوتے ہیں اور ان کی رفتار اسی کے مطابق ہوتی ہے اور ان چیزوں کے درجوں کے تفاوت اور اس کی ترکیب کے مطابق ہر شخص کی پرواز ہوتی ہے۔ ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ بہیمیت سے مراد شہ زوری اور رستمی نہیں ہے بلکہ قلبی قوت ہے خواہ وہ شخص ان میں نمایاں طور پر دوسروں سے ممتاز نہ ہو اور روح کے اعلیٰ ہونے کی مثال خیال میں لائیں کہ ملکیت میں کمی زیادتی جو آپ نیکی کے مدارج میں محسوس کرتے ہیں سب سے زیادہ ان میں قوی انبیاء علیہم السلام خصوصاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ حضرت انسؓ نے کسی کے پوچھنے پر آپ میں تیس آدمیوں کی قوت کا اندازہ بتایا۔ یہ اندازہ ہی تھا خدا جانے صحیح طور پر یہ قوت آپ میں کتنی تھی تو جن میں یہ دونوں دولتیں وافر ہوتی ہیں وہ جگمگ کر کہہ سکتے ہیں اور جن میں یہ کمزور ہوں وہ اتنا ہی کمزور جماؤ رکھتے ہیں۔

۱۰۔ محرم الحرام ۱۳۸۷ھ مطابق ۵ دسمبر ۱۹۶۶ء جمعرات۔ لاہور

ایک صاحب نے ایک نوجوان کے متعلق سفارش کی جو کالج میں پڑھتے تھے۔ تھے کہ یہ آیت کریمہ پڑھنے کی اجازت چاہتے ہیں حضرت والا نے فرمایا کہ آیت کریمہ کا عمل کس لیے کرنا چاہتے ہیں وہ نوجوان بولا کہ کچھ مقاصد ہیں۔ حضرت والا نے فرمایا اس مایخولیا میں مت پڑو، اپنا پڑھو اور کسی اللہ ولے کے ہاں حاضر ہو کر رضائے الہی کے لیے پڑھنا سیکھو۔ نیز فرمایا کہ میرے خیال میں خدا تعالیٰ جس سے ناراض ہوتے ہیں اس کو عملیات اور کمبیا میں

بتلا کر دیتے ہیں۔ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت تھانویؒ نے اعمال قرآنی مکمل
 ہے اس میں آیت کریمہ بھی ہے۔ اور لکھا ہے کہ پڑھنے کے لیے کسی کمال سے مہارت
 یعنی چاہیے۔ حضرت نے فرمایا کہ اب اجازت دینا گویا لپٹا آپ کو کمال سمجھا ہوا۔ مجھے
 بھی ایک زمانہ ہوا ان لوگوں میں اتفاق سے ایک عملیات کی کتاب ملی اس میں سب سے آسان
 چند منٹ وہ زمانہ پڑھنے کا ایک تسخیر کا عمل درج تھا میں نے خیال کیا کہ اسے کروں پھر خیال
 آیا کہ تسخیر کر کے کیا کروں گا۔ بس کتنا ہوتا شریاں کی رضا مندی حاصل کیسے کہ لے لے کر
 کروں اس کے بعد مجھے کسی اور مقصد کے لیے کوئی عمل پڑھنے کا خیال تک نہیں آیا اسی طرح
 زمانہ طالب علمی میں نے ایک شخص کو دیکھا اس کو لوگ مولانا اور بزرگ کے نام سے پکارتے
 تھے اور جب وہ باہر سے بوٹیاں پاؤں سر پر رکھے بی ماراں سے گزرتا تو بعض خوشامد سے
 بعض ادب سے بعض رسمی طور پر واقفیت کے باعث اور بعض عدتہ مذاق سے اسے
 سلام سلام کہتے وہ کیا کا دعویٰ تھا بڑا نیک۔ پنجاب کے ضلع سیالکوٹ یا فرمایا گجرات کی
 طرف کا تھا مجھ سے کافی بڑی عمر کا تھا مگر مٹی اس سے بے تکلفی اس کے گرد ظہر کے بعد وہاں
 کے بہت سے ہوسے جمع ہو جاتے اور وہ کچھ تسبیح پڑھا کرتا لوگ اسے سننے سناتے رہتے
 وہ بعض جگہ ہوں ہوں کر کے ٹوکتا مجھے بڑی ہنسی آتی اور جب وہ لوگ چلے جاتے تو میں اسے
 کہتا کہ تو جھوٹا ہے۔ وہ بھی کہتا ایک آکا کی کہی ہے وہ لوگوں کے ہر اس میں
 آگ میں جلاؤں تا بڑے بڑے رئیس اس کے پھر میں تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ کیا جانتا ہے
 وہ اپنا بھی سب کچھ آگ میں جلاؤں تا تھا اور لوگوں کا بھی اور کہا کرتا تھا ہم کو سارے گتے ہیں جمع
 کرتے ہیں اپنا ان کا سب جلا دیتے ہیں پاس کے پاس پیسے ہوتے تو بعض اوقات اس کے
 سامنے ہی میں ان میں سے قبضہ لیتا اور کہتا تو بھلا ہی دینے ہیں۔ چل میں نہیں دیتا

وہ چھیننے کی رو نہی سی کوشش کرتا مگر چھوڑ دیتا۔ غرضیکہ بہت لمبیوں کو دیکھا ہے کہ وہ ساری عمر ناکام اسی میں لگے رہے تو میرا مشورہ ان نوجوان کو یہ ہے کہ وہ اس طبعِ نوری میں نہ پڑے اور اگر امتحان کے لیے ایسا کرتا ہے تو محنت کرنی چاہیے اگر یہ عملیات کچھ ہوتے تو پیر میں اور عالموں کے لڑکے ہی امتحانوں میں سب سے زیادہ کامیاب ہوا کرتے۔

بعد از مغرب حضرت والائے ایک نابینا حافظ صاحب کو بیعت فرمایا اور اس مضمون پر تقریر فرمائی فرمایا تصوف کیا ہے دنیا کے تمام مباح اور جائز کاروبار کو بھی دین نہ دینا۔ یاد رکھو اگر اس نیت کو بیدار رکھ کر کہ یہ کام میں اللہ کے لیے یعنی اس کی رضا کے حصول اور تعمیل احکام میں کرتا ہوں کام کئے جائیں تو وہ بہت سی نفعی عبادتوں سے افضل ہو جاتے ہیں مثلاً مسلمان پر اپنے اہل و عیال کی پرورش کا ایک درجہ واجب ہے اب اگر اس واجب کی ادائیگی کے لیے وہ کام کرتا ہے مگر نیت کر کے اور غفلت ترک کر کے کرتا ہے تو نوافل پڑھنے سے زیادہ ثواب ہے۔ کیونکہ وہ ایک واجب ادا کر رہا ہے پس اس طرح ہر کام کو عبادت بنایا جاسکتا ہے بشرطیکہ وہ حرام اور مکروہ نہ ہو کم از کم مباح اور جائز کا درجہ ہو اور ریاکاری سے خالص عبادت خواہ نماز نہ ہو کو لو وہ شکر بن جاتی ہے کہ دکھاوے کے لیے کی جائے کیونکہ دکھاوے سے عبادت کرنا شرک ہے۔ شیخ الحدیث صاحب سے مولانا حبیب الرحمن صاحب نے ایک دفعہ دریافت کیا کہ تصوف کیا ہے انہوں نے کیا ہی خوب جواب دیا کہ تصوف تصبیح نیت کا نام ہے۔ انما الاحمال بالنیات کیا ہی اچھا فرمایا اور ایک مرتبہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے فرمایا کہ مولوی صاحب! لوگ خبر نہیں تصوف کے سمجھتے ہیں تصوف فقہیت کا نام ہے یعنی دینی کچھ حضرت شیخ نے تصوف کا ابتدائی سلسلہ بیان فرمایا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے انتہائی جو تصبیح نیت سے

حاصل ہوتا ہے۔ ان بیعت ہونے والے حافظ صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ پڑھنے کا کام کرتے ہو اگر ہر کچھ کو سبق پڑھتے وقت نیت کو تازہ کیا جائے اور غفلت کو دور کر کے پڑھایا جائے تو یہ بہت نفع بخش عبادت ہے ہمارے ہاں ذکر زیادہ نہیں کر دیا جاتا بلکہ ہر کام کو نیت کے ساتھ کر غفلت سے نہ ہو سہل انجام دینا ہی عبادت ہے اور ذکر بھی جو کر لیا جاتا ہے تو اس کی غرض بھی غفلت کو دور کرنا ہے تاکہ تمام کام نیت کے ساتھ ہو جائیں بشرطیکہ وہ کام حرام اور مکروہ نہ ہوں۔ مباح سے لے کر اوپر تک جو کام ہیں سب کو بیداری سے کرنا بڑا اعلیٰ ذکر اور یہی تصوف ہے۔ یہ بات خواہ ۱۰ گھنٹے میں حاصل ہو، دس دن میں حاصل ہو، دس ماہ میں حاصل ہو یا دس سال میں اس کو اخلاص کہتے ہیں۔ اور اسی کے لیے آیا ہے کہ درجہ احسان حاصل کر حضرت منی منللہ العالی جو کر رہے ہیں چونکہ وہ مجتہد ہیں تو وہ اگر اس میں غلطی پر بھی پھل تو ایک ثواب اور اگر صواب پر ہوں تو حسب حکم حدیث دو ثواب پائے ہیں ہم ان کے مقلد ہیں کیونکہ خود مجتہد نہیں اس لیے ان کے ساتھ ہیں بلکہ دن بدن ان کی رائے کا صواب ہونا بھی واضح ہوتا جا رہا ہے۔

۱۵ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۹۴۶ء مکمل۔ لاپرو

ایک نابینا حافظ صاحب نے حضرت والا کی خدمت میں سماع کے متعلق سوال کیا تو حضرت والا نے فرمایا کہ سماع وغیرہ یہ شرعاً درست نہیں اور اس کے لیے صوفیوں کے عمل سے جو گناہ نشن نکالی جاتی ہے اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ کوئی جلتا اور موزوں مضمون کا کلام غرض آوازی کے ساتھ ضرور پڑھ لینا یا ستر شرائط کے ساتھ سن لینا وہ بھی اپنی تجویز

دانش کی تجویز پر ایک معذری ہے مابور ی نہیں۔ سلع کا فائدہ ہے کہ یہ جذبات کو ابھارتا
 ہے تو ایسے شخص کے لیے جو عوارض کی وجہ سے بالکل نہ چل سکتا ہو یا اس کو کوئی سخت قسم کا
 قبض پڑ گیا ہو کہ اس کا علاج یہ ہو وہاں اگر اس کو استعمال کیا گیا فرض کرنا اس میں اضافہ
 بھی کچھ زائد چیزوں کا ہو گیا تو مریض کے لیے مجبوراً جائز ہے جس طرح کوئی عارضہ طبیب کوئی ناہانز
 چیز دعا میں تجویز کر دے تو یہ معذور ہے نہ کہ مابور کہ دوسرے بھی خواہ مخواہ اس دو کو پیٹے لگیں
 اور دیکھے کہ ایک شخص کو ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اضطراب کی حالت میں ہوتا ہے تو
 جس طرح مضطر کے لیے حرام بھی حلال ہو جاتا ہے مگر دوسرے کے لیے نہیں اسی طرح سلوک
 میں ایک تو اختیاری سلوک ہوتا ہے اور ایک اضطراری۔ اب اضطراری حالت میں اگر
 کوئی شخص سلع اختیار کرے تو صاحب اختیار کو تو اس کی تقلید جائز نہیں ہو سکتی سلوک کیا
 ہے جو میں سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ ان شرمیاں کی طرف چلا اس چلنے میں بعض اوقات عوارض
 پیدا ہو جاتے ہیں ان کو دور کرنا بھی ضروری ہوتا ہے اب اگر کسی کو کوئی عارضہ پیش آ گیا۔
 اور وہ اس کے علاج کے لیے مجبور ہو گیا تو یہ کیا ضروری ہے کہ تندرست آدمی بھی اس علاج
 کی تقلید کرے۔ جیسا کسی شخص کو کھانسی ہو گئی اور وہ کھانسی رہا ہے تو اوروں کو کسب
 درست ہے کہ اس کے ساتھ کھانسنے لگیں۔ پس میرے نزدیک یہ ہے کہ جو بچے ہیں اگر کوئی
 بات ایسی سنتے ہیں تو ان کو معذور سمجھ کر ان کے فعل کی تاویل کرتے ہیں ان پر اعتراض نہیں
 کرتے اور ان کی اس معاملہ میں تقلید درست نہیں سمجھتے جس طرح ایک بزرگ نے سہان ما
 اعظم شانی کا توہ چونکہ ان کی ولایت دوسرے قرائن و آثار کی وجہ سے مسلم ہے ان کو اس کئے
 میں معذور سمجھیں گے مگر صاحب شریعت کے مقابلہ میں ان کے قول یا فعل کو محبت نہیں
 مانیں گے یہی حال منصور کے انا کی کہ ہے اور ایک دفعہ کا واقعہ لکھا ہے کہ سلطان جی کے

کچھ مریدوں نے یہ کنا شروع کیا کہ وہی کھاتا ہے وہی کھاتا ہے گریبا ہمدوست اور بازار میں جا کر جس چیز کو چاہا اٹھالی اور کھالی۔ اب اس کے متعلق قاضی کے ہاں معاملہ کیا اس نے کہا یہ صوفی لوگ ہیں ان کے لیے سلطان جی سے فتویٰ لینا چاہیے چنانچہ ان کے ہاں معاملہ گیا تو انہوں نے کہا اعلان کر دو کہ ان تینوں آدمیوں کو جو ایسا کرتے ہیں پکڑ کر پھانسی دی جائے گی تو وہ سن کر بھاگ گئے ایک ایسا ہی کتار ہا سلطان جی نے کہا کہ جو کتنے میں جھوٹے تھے وہ تو بھاگ گئے یہ سچا ہے اس کو کچھ سزا نہ دو۔ ایسا ہی ایک دفعہ آپ کے لوگوں نے آپس میں کہا کہ آؤ محفل سماع منعقد کریں تو حضرت نصیر الدین چلغ دہلی نے جواب دلخوار میں سے ہیں انہوں نے کہا کہ میں تو اس کو جائز نہیں سمجھتا اور شرک نہیں ہوتا ان کا یہ قول حضرت کے ہاں پہنچا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ہاں وہ درست کہتا ہے نیز فرمایا کہ کئی طریقت سے گزے تو شریعت پر تو آکر ٹھہرے گا اور جو شریعت سے گزے گا اس کا کمال ٹھکانہ ہوگا کہیں بھی نہیں۔

سوال کیا گیا کہ صوفیوں نے اذکار اور اشغال جو مقرر کئے ہیں ان میں سے بعض کی اصل ہوتی ہے مگر بعینہ نہیں ہوتے اور بعض کی اصل ہی نہیں ہوتی تو کیا یہ دونوں اقسام بدعت ہیں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ ان تمام چیزوں کی اصل قرآن مجید میں موجود ہے۔ باقی صورت یہ ہے کہ اصل تو اس میں توجہ الی اللہ ہونا ہے تو حضور کی صحبت اس پر بعد قوی تھی کہ اس سے اتنی توجہ الی اللہ ہوتی تھی اور جن کو ہوتی جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ویسے تو صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے پر کھڑے بھی نہیں ہوتے تھے لیکن حضور کے حکم پر ہر شئی قربان کر لے کے شائق تھے۔ اس پر ان کا ان اباؤکم و ابناءؤکم اور دیگر متعدد آیات پڑھیں۔ جنگ احد کاقتہ سنایا کہ صحابہ اپنی طبیعت

سے بھی گزری گئے تھے کیونکہ انسان پر لامحی آئے تو طبعاً آدمی اپنے آپ کو اس کی زبردستی بھاتا ہے مگر وہاں صحابہ نے حضور کے لیے اپنے جسم کو تیرہ دن کے سامنے ڈھال بنالیا اور خاندانی حدود توں کو ترک کر دیا۔ آخر یہ سوچئے کہ ایسی تبدیلی کس طرح پیدا ہوتی تو یہی کہا جائے گا کہ حضور کی محبت اتنی قوی تھی جس سے یہ ہوا تو اب چونکہ یہ چیزیں مثلاً احسان، توجہ الی اللہ وغیرہ مطلوب ہیں مگر یہ پیدا ہوتی ہیں محبت سے اور محبت خود ہی مطلوب ہوتی۔ والذین امنوا اشد حبا لله۔ اور یہ موقوف ہے محبت پر، محبت تجربے سے ظاہر ہے کہ اتنی قوی نہیں تو اس کے لیے اولیاء اللہ نے حسب الہام ربانی کچھ طریق تجویز کئے جو تجربے سے کمال گزشت ثابت ہوئے ہیں امدان کی اصل بھی قرآن حدیث میں پائی جاتی ہے حضرت نے متعدد آیات اس پر پڑھیں اور یہ اذکار اشغال بھی اس لیے موقوف علیہ ہوئے مگر نہ لیجئے کہ ان کے بغیر وہ بات پیدا نہ ہو سکے۔ اس کے بغیر بھی پیدا ہو جاتی ہے مگر تجربے سے یہ ثابت ہے کہ کمال کے اندر بھی پیدا ہوتی ہے تو اب مطلوب شرعی کا موقوف علیہ بھی مطلوب ہو گیا جس طرح طہارت مطلوب ہے تو جہاں دریا نہ بہے وہاں اور کنواں ہو وہاں ڈول دسی بھی اتنی ہی مطلوب ہو گئی جتنی طہارت مطلوب ہے اگرچہ طہارت ڈول دسی کے سوا بھی دریا کے کنارے نہ بننے والوں کو حاصل ہو جاتی ہے اور جس کو ڈول دسی نہ مل سکے وہ ایسی صورت میں تیمم سے بھی طہارت حاصل کرے۔ نیز فرمایا کہ سلوک کیا ہے وہی کیفیت جو انبیاء علیہم السلام کو مختلف طور پر یقین کی حامل ہوئی اس پر آیت پڑھی۔ کذ اللہ منریٰ ابراہیم۔ ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کھلی ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی اور ابتدا ہوئی اس کیفیت سے جو غار حرا میں کھینچ کر لے جاتی تھی۔ توجہ و رجوع یقین کا انبیاء کو حاصل ہو جاتا ہے وہ اوروں کو کماں نصیب، اور دین کو ان کے طفیل جو ملتا ہے اس کی

بھی تاثیر صحبت اٹھانے والوں میں سے جن کو مناسبت اور استعداد عین ہو حاصل ہو سکتی ہے تو یہ یقین اور یہ محبت جو مطلوب ہے اس کے ذرائع بھی مطلوب ہیں تو صحبت کی کمی اور کمزوری کو پورا کرنے کے لیے اذکار اور اشتغال ہوتے ہیں اور ان کی چونکہ اصل بھی ہوتی ہے اس لیے یہ بدعت نہیں۔ نیز فرمایا کہ محبت محبت میں بھی فرق ہوتا ہے۔ دیکھو ایک تو محبوب کے پاس سے نہیں ٹکنا چاہتا اور دوسرا اتنا بڑھ جاتا ہے کہ محبوب کی رضا اس کو مقصود ہوتی ہے خواہ پاس رہنے میں ہو یا دور جانے میں۔ تو اس لیے محبت کو بڑھانے کے لیے بھی صحبت اور محبت کی کمی کو اور طریقوں سے جسکی اصل قرآن میں ہے پورا کیا جاتا ہے پھر آگے خدا کے اختیار میں ہے کہ ان پر وہ فرائض مرتب فرمادیں یہ سب فضل الہی سے ہوتا ہے۔

۱۴۔ محرم الحرام ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۲ دسمبر ۱۹۷۶ء جمعرات۔ جاویریاں

لیکھ پیش امام نے اپنے دو بچوں کو دعا کے لیے حضرت کے سامنے کیا اور ایک کے متعلق عرض کیا کہ یہ متوسط درجہ کا ذہن اور حافظہ رکھتا ہے شروع میں غلط میں اچھا چلتا تھا مگر اب نہیں چلتا اس پر حضرت نے فرمایا کہ یورپ میں لوگ ماہرین سے مشورہ لیتے ہیں جو بچوں کی استعداد کا اندازہ کرنے میں ماہر ہوتے ہیں اور پھر ان کے مشورہ کے مطابق بچوں کو تعلیم دیتے ہیں مگر ہمارے ہاں اس کا انتظام نہیں۔ یورپ والے زیادہ تر اسی لیے کامیاب ہوتے ہیں کہ جس استعداد کا بچہ ہوتا ہے اور جس طرف اس کا قدرتی رجحان ہوتا ہے وہ ویسی اور وہی تعلیم کلاتے ہیں بیس پچیس سال پہلے میں نے اخبار میں ایک جرمن ماہر کا مضمون دیکھا تھا جو کہ بتاتا تھا کہ وہ بچے کو اپنے کھلونوں کے ساتھ دیکھ کر یہ بتا سکتا ہے کہ اس شخص کو اگر غلط بات کی تعلیم ملے

اور ملکہ تو بغیر صحت کے پیدا نہیں ہوتا۔ اس ملکہ کی وجہ سے آنی ہوئی بیماری اور مصیبت کو بھی انسان ثواب کا موجب بنا سکتا ہے۔

۱۹ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۲ دسمبر ۱۹۴۶ء اتوار۔ ڈھڑیاں

ایک مولوی صاحب کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہاں ہماری تین صورتیں ممکن ہیں، ایک تو انگریز کے ساتھ ملنا، دوسرا ہندوؤں کو ساتھ لے کر مشترک پلیٹ فارم پر کام کرنا، تیسرا اکیلے کچھ کرنا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی کے جن اشکالات کو آپ دہراتے ہیں، وہ بے محل ہیں، اگر ہم اکیلے انگریز کے خلاف اٹھیں اور ہندوؤں سے اشتراک نہ کریں تو انگریز ہمیں اپنی اور ہندوؤں کی مشترکہ طاقت سے اور بھی کچل دے گا۔ اگر انگریز سے ملتے ہیں تو انگریز نے ہی تو ہم کو ہندوستان کے اندر اور باہر تباہ کیا ہے۔ جو مسلمان انگریز سے ملے ہیں، انہیں بھی مسلمانوں کے مقابلے میں جا کھڑا کیا ہے، کانگریس کی بڑی طاقت بن گئی ہے اور لیگ کی ناقابل اندیش قیادت نے مسلمانوں کا بھرم کھول دیا ہے۔ اور تیسری صورت وہ ہے جو ہمارے اکابر نے اختیار کر رکھی ہے، ہندوؤں کے اشتراک سے جدوجہد کر رہے ہیں اور ملک کو انگریز سے آزاد کرانا چاہتے ہیں۔ ہندوستان آزاد ہو جائے تو ہمارے مسلمانوں کے اور ممالک پنپ سکتے ہیں۔ کانگریس کا ارادہ اس وقت نہ صرف ہندوستان کو آزاد کرانے کا ہے بلکہ تمام ایشیا کو ابھارنے کا ہے، سیاسی تدبیر کا یہی تقاضا ہے کہ ہم اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔

جلستے تو یہ کامیاب ہوگا۔ (حفظ کے لیے بچے کی استعداد دیکھنی چاہئے) ۱۴۷

۱۸. محرم الحرام ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۳ دسمبر ۱۹۱۸ء جمعہ۔ دُھڑیاں

عصر کے بعد حکیم فیض بخش صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ انسان کو خدا تعالیٰ نے یہ عظیم النعمانی اس لیے دیا ہے کہ وہ ترقی کرے اور وہ ترقی کر سکتا ہے جسم کی صحت کے ساتھ اور ترقی سے مراد دائمی راحت کی زندگی حاصل کرنا ہے اس کی تہیہ حضرت والا نے یوں اٹھائی تھی کہ اگر میں خود یا میرا کوئی ساتھی بیمار ہو تو مجھے بڑی تشویش ہوتی ہے حالانکہ بادی النظر میں یہ توکل کے خلاف ہے لیکن حقیقتاً توکل کے خلاف نہیں کیونکہ انسان اگر بیمار ہوگا تو سلوک میں ترقی نہیں کر سکتا اور صحت کا اہتمام نہ کرنا بھی ذمہ داری میں کوتاہی ہے جس طرح موت جب اور جیسے ہوتی ہے مقدر ہوتی ہے مگر خودکشی کرنے والے کو شریعت مجرم قرار دیتی ہے۔ اسی طرح بیماری صحت خواہ مقدرات سے ہو مگر کوتاہی کرنے والا کوتاہ ہے، اگر با ہے اور انسان کی صحت پر اس کی حقیقی ترقی یعنی ہمیشہ کی آرام دہ زندگی منحصر ہے۔ یعنی انسان اگر قوی ہو تو اتنا ہی اس کی مددگاری پر دانا بھی بلند ہوتی ہے۔ یہ اخلاق جو اپنے غلط رخ کھاتے دوزخ میں لے جانے والے ہوتے ہیں ان کا رخ صحیح کر لیا جائے تو یہی جنت میں لیجانے کا سبب بنتے ہیں فرشتوں کو ترقی نہیں کیونکہ وہ حیوانیت کی طرف نہیں لوٹنے گئے۔ اگر انسان سے خدا تعالیٰ بے حد پیار نہ کرتا اور اس کی فطرت میں دائمی راحت کی زندگی کی طلب نہ رکھتا تو اس کے لیے راستہ پیدا نہ کرتا جو کہ اعمال صلح ہیں اور وہ جس انسان کے بغیر نہ ہو سکتے یہ خدا تعالیٰ کی مزید عنایت ہے کہ مقدرات سے بچتی ہوئی ضعیفی اور بیماری کو بھی ثواب کا ذریعہ بنا دیا۔ مگر وہ اسی صورت میں ثواب بنتی ہیں جب انسان کا رخ درست ہو

۲۲، محرم الحرام ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۴ دسمبر ۱۹۱۵ء مشکل۔ ڈھریاں

حضرت والاؤ حدیایاں میں سیر کرتے ہوئے قبرستان میں تشریف لے گئے اس قبرستان میں شاہ کلیم اللہ صاحب کا مزار ہے جو حضرت کے تایا ہیں ان کے قبلہ رخ لہجہ کے بڑے بھائی اور پیر چھوٹے بھائی کی قبر ہے معلوم ہوا کہ آپ سمات بنیر پھیل اپنے شیخ اخوند صاحب کے پاس جایا آیا کرتے تھے حضرت والا لے قرآن پاک آپ سے ہی حفظ کیا ہے قبروں کے فیض کے متعلق سلسلہ پڑا تو حضرت والا نے فرمایا کہ قبروں میں جانا تو سنت ہے اور اگر نشان رکھے باقیں تو اچھا ہے باقی یہ ضروری نہیں کہ جس طرح محرم میں قبروں پر مٹی ڈالنے کو مخصوص کر لیا ہے وہی کیا جائے نشان سے فائدہ پڑھنے والے کو استحضار ہوتا ہے اور اگر اس میں صلاحیت اور صاحب قبر سے مناسبت ہے تو فیض بھی پہنچتا ہے مگر اس کی مثال فلاح کی ہے کہ ایک چٹنی سے پیٹ نہیں بھرنا یہ قبر سے ثابت ہے کہ قبر سے نہ نظر آتی ہو تو استحضار عام طور پر زیادہ ہوتا ہے اور عبرت حاصل کرنا اور موت کا یاد آنا جو لذات کو مٹانے والا ہے اتنا ہی ہو گا جتنا استحضار اور اگر مناسبت و صلاحیت ہو تو استحضار کی حیثیت کے مطابق عالم برزخ سے فیضان بھی ہو گا۔

ایک صاحب نے کسب نفسی کا ذکر کر دیا حضرت والا نے فرمایا کہ یہ لوگ بناوٹ سے اپنے آپ کو حقیر ظاہر کرتے ہیں حالانکہ دل میں اپنے متعلق یہ نہیں بتوایا یہ تو فلاح ہے اور کسب نفسی اگر واقعی ہو تو یہ بڑی چیز ہے۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ ایک دفعہ

حضرت گلگوچی نے اثناء گفتگو فرمایا کہ میں تو مٹی کا مادہ ہوں حضرت نے عرض کیا کہ حضرت اس افطکے معنی مجھ میں نہیں آتے تو فرمایا واقعی مجھ میں کچھ نہیں ہے۔ حضرت واللہ فرمایا کہ جو شخص اپنے رب کو پہچانتا ہو کہ سب کچھ اسی کا ہے اور میں عدم وہ موجود۔ میں ممکن الوجود وہ واجب الوجود بھلا وہ اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے ایک بزرگ کا نام لیا کہ ان کو جب باری تعالیٰ سے مشرف مکالمہ ہوا تو ان کی طبیعت میں تعاضا ہوا۔ عرض کیا باری تعالیٰ میں تیرے حضور میں کیا چیز پیش کروں فرمایا تو بیچارہ کیا پیش کرے گا تیرے پاس رکھا ہی کیلئے حقوڑی دیر بعد پھر ان کو تعاضا ہوا جیسے موسیٰ علیہ السلام کا ایک ہے کہ ارنی کہا تو فرمایا کہ لوٹا ہوا قلب تو انکسار اگر حقیقتاً ہو بڑی چیز ہے اور عارفوں کو ہی ہوتا ہے۔

ایک صاحب نے قبر کے اندر منکر نیک کے سوال

جواب کے لیے اسٹھنے پر یہ اشکال وارد کیا کہ سانس والہ نے میت کی چھاتی پر پانہ درکھ کر اس کو دفنا کر پھر کھول کر دیکھا ہے اگر خدا بھر بھی جنبش ہوتی تو پارہ و پاں ہرگز نہ رہتا مگر پارہ جوں کا توں رہا۔ حضرت واللہ فرمایا کہ اگر واقعی ایسا کر کے دیکھا ہے اور ایسا ہی پایا ہو تو کیا ہے جو ہر ایک متنازع قبر میں اٹھاتا ہے وہ اگر پارے کو جوں کا توں رکھنا چاہے تو پارہ رکھا جاسکتا ہے جبکہ اس بات کو عام کرنا منظور نہ ہو اگر ایسا ہو جائے تو تمام کافر مومن ہو جائیں، اور ایمان بالغیب کے لیے غیب نہ رہے۔

نیز فرمایا کہ بعض کو بعض بات دکھا دینا جو سب کے لیے اشکال سے پاک نہ ہو یہ تو ہو سکتا ہے یوں اگر چاہے تو فرشتوں کو سب کے سامنے آمار کر گواہی دلا دے کہ چارہ کار نہ ہے باقی ایسی بات کہ کوئی آدمی آسمان پر سامنے چڑھ جائے اور گواہی دے اور لکھا قرآن

ازل ہو جائے اس میں احتمال رہ سکتا ہے اس لیے تو کافروں نے کہا کہ اے محمدؐ تو اگر آسمان پر چڑھ جائے تب بھی ہم ایمان نہ لائیں گے۔

ایک صاحب نے سوال کیا کہ حضرت درود شریف پڑھتے وقت کیا خیال کیا جائے فرمایا کہ اس طرح گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درود مبارک پر بیٹھ کر پڑھ رہے ہو اور ایک شخص کا فیض اور سے تمہارے قلب میں آ رہا ہے۔ پھر انہوں نے دریافت کیا کہ کلمہ شریف کا ذکر کرتے وقت کیا خیال کرنا چاہیے۔ فرمایا کہ اصل اصول اس میں یہ ہے کہ ذکر میں اکہم اور سہمی ایک ساتھ ذہن میں آئے مگر یہ بتدی کے لیے خصوصیت سے شکل بلکہ محال ہے اس لیے کوئی تصور ساتھ بتایا جاتا ہے تاکہ خیال اور ادھر ادھر دڑنے سے ایک چیز پر جمع ہونے لگے اس کے بعد پیرا کم سے بھی ختم ہو کر سہمی میں جا لگے یہ اللہ فضل فرمائے تو ہوتا ہے۔ اس لیے مختلف تصورات کئے جاتے ہیں۔ — دیکھتے نہیں کہ جب انسان اکیلا بیٹھے تو اس کا خیال ادھر ادھر دوڑتا اور کلام نفسی کرتا پھر ماسے یکیں جب آئے ساتھ ہم بیٹھے باتیں کر رہے ہیں یا کسی چیز کو غور سے دیکھتے ہوں تو خیال ایسے نہیں بھاگا پھر اس لیے وہ کوئی تصور کراتے ہیں ورنہ وہ ذات پاک برتر از قیاس و گمان وہ ہم ہے انسان یہ چاہے اس کا نام جتنے وقت اس کا براہ راست کیسے تصور کر سکتا ہے اگر خیالات کو زیادہ روکے تو یہی کر سکتا ہے کہ وہ ایسی ذات ہے جس کا تصور نہیں ہو سکتا اور بس لیس کٹلہ شی مر

ایک مولوی صاحب نے یہ دریافت کیا کہ لذیذ مباحات کو چھوڑ دینا مجاہدہ میں ضروری ہے فرمایا مجاہدہ تو یہی ہے کہ ناجائز خواہشات سے نفس کو روکے رکھنا اور حکم پر چلنا باقی حلال کو حرام کر لینا جائز نہیں اور علاج کے طور پر اگر کوئی پھر او سے مثلاً غیر شادی ہے شیخ اسے ایسی چیزوں سے منع کرے جو شہوت کو برکاتی ہیں تو یہ حرام کرنا نہیں اور صلوٰۃ

ہوئی۔ باقی کھانے پینے کی عام مشہور صورتیں جو بزرگوں سے منقول ہیں کہ وہ بہت کم کھاتے تھے یا بالکل نہیں کھاتے تھے یہ ان پر کوئی حال ہوتا تھا تو جس پر وہ حال نہ ہو اس کے لیے ایسا کہ نہ درست نہیں ورنہ پاگل ہو جانے یا اور کسی طرح بیمار ہو جانے کا ڈر ہے۔ حضور کا صوم وصال اسی طرح کا تھا دوسروں کو منع فرمایا مگر بعض بزرگوں کا سال سال نہ کھانا بیان کیا گیا ہے کم کھانا ہم نے بھی ضرور دیکھا ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ایسے کرتے دیکھا ہے ایک چمچہ یا دو چمچہ سے زیادہ نہ کھاتے اور پھر صحت پر اثر بھی محسوس نہ ہوتا تو یہ اور بات ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ ہندوستان میں ایک میل چلے تو تھک گئے اور جدہ سے آگے بڑھے تو پیدل اتنا قافلے کے ساتھ چلے کہ ہم تھک گئے اور ایک موقع پر تو تکلف کی تقلید سے مجھے بخار ہو گیا اور مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کا نصف سے زائد راستہ آپ نے پیدل طے کیا ہم تو مکہ معظمہ سے حضرت کے صاحبزادہ عبدالرشید کے ساتھ دوسرے قافلہ میں آگئے تھے مگر حضرت کا ساتھیوں سے یہی سنا کہ نصف سے زائد پیدل چلا کرتے تو اب ہم میں وہ طاقت کہاں۔

۲۳ محرم ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۸ دسمبر ۱۹۴۶ء - ڈھوڑیاں

صبح کی سیر میں حضرت والائے فرمایا کہ مذہبی اعتبار سے ہمارے سامنے موجود تحریکیں ہیں سے کسی میں کوئی خاص امید افزا پہلو نہیں ہے اب تو دہریت چھاتی جائے گی کیونکہ دین تو دینی لوگوں کے وقار سے ہوا کرتا ہے۔ اب فقیر خواہ وہ کتنے ہی غلط ہوں اور علماء خواہ ان کو بھی غلطیاں لگ رہی ہوں جب ان کا وقار اور احترام مٹ گیا تو اب دین تو پیدا نہیں ہوگا کیونکہ

دوسروں میں دین کہاں سے آئے گا۔ میں جب لیگ کو غور سے دیکھتا ہوں آگے انگریز کو ملاحظہ
آتا ہے۔ جمیہ والوں یعنی حضرت مدنی کے ہم معتقد ہیں۔ اصرار میں بھی چند اچھے لوگ ہیں۔ مولیٰ
عصیب الرحمن صاحب لہجہ انوی کی بات عقل کی معلوم ہوتی ہے مگر کون مانتا ہے۔ شاہ صاحب
ماشرک جالندین صاحب سب اچھے لوگ ہیں۔ شورش کشمیری کی باتیں سنیں وہ بھی خوب
آوی ہے مگر یہ غریبوں کی جماعت ہے ان کے اوپر سے تو سجد شہید گنگا کا مہی نہیں جھرتا۔
باقی فسادات کا قصہ یوں ہے کہ ہمارے لیگی دوست تو کہتے ہیں کہ ہندو فساد کرتے رہے مگر کتنے
مابدولت ہیں۔ کلکتہ میں فساد ہوا تو مونس کی کھائی ویسے بھی بیوقوف لوٹ پر پڑ گئے۔ جیسا کہ
سال جوئے سہارنپور کے فساد میں بھی ہوا تھا بعد میں سہارنپور میں دو سال تک مقتدمات
میں پس گئے وہاں سے نواکھالی جا فساد کیا اس کا جب جواب بہار میں پیدا ہوا تو آب پختہ
میں یہ سب وہی ملتے ہیں جہاں حضرت مدنی پر پتھر اڑا گیا اور کوئی کسر باخلاقی میں نہ چھوٹی
اس کا بنگتان تو آب کرنا ہی پڑے گا۔ نواکھالی میں حضرت مدنی نے خود فرمایا کہ ہم وہاں کی چھ
سیٹوں کے متعلق جیتنے کا خیال رکھتے تھے جب گئے تو دیکھا کہ کئی فلائنگ ٹک سڑک اکھیڑ
دی کڑی کے بڑے بڑے لٹھے راستہ میں ڈال کر اسے ناقابل عبور بنا دیا۔ دوسری طرف سے
جانبے کی کوشش کی تو پل توڑ دیا وہاں پنچا ہی نہ سکے۔ حضرت مدنی پر نواکھالی میں ہر جگہ پتھروں
اور گالیوں کی بھرپور پٹری، مسلم لیگیوں نے مذہبی کتابوں کے کتب خانے تک جلا دیے
ہندوؤں کے اوتاروں، مذہبی پیشواؤں، لیڈروں کے خلاف فحش گالیوں کے گیت بچہ بچہ
کو سکھائے جو ایکشن کے زمانہ میں پڑھتا پڑھتا تھا اس کا آگے جو نتیجہ نکلے دیکھئے۔

علی گڑھ میں یہ ہوا کہ ہندو میلے میں جس میں سازش تھی کانگریسی وزارت نے اس کو مہاجا
اور آریہ سماجی خیال کے خال متعصب ہندوؤں کی سازش بتایا ہے تو ان لوگوں نے وہاں

قبضے کے قبضے بھر کے مسلمانوں کو بالکل صاف کر دیا جو مسلمان کانگریسی تھے ان کو بھی نہ چھوڑا
کیونکہ یہ غیر کانگریسی ہندو تو یہ چاہتے ہیں کہ کانگریس گسٹ اور ہندو مہاسبھا پھر زندہ ہو

تو وہ کانگریسی مسلمان کو اپنا سخت دشمن سمجھتے ہیں پنجاب میں ٹکسہ ہے یگی فضا رت نہ
ہوئی درندہیاں بھی اب تک بیت کچھ گل کھل گئے ہوتے میرا تو یہ اعتقاد ہے کہ حضرت مدنی
جیسے حضرات کو بلا وجہ ستانے کا خیال نہ قوم کو بھگتنا ہی پڑے گا۔

بریلی میں ہم گئے تو وہاں مولوی حبیب الرحمن کا میرے متعلق شائع کردہ ماحتمل نہیں
پہنچا تھا ورنہ لوگ ہمارے سر ہوتے اس لیے لوگ جب آئے اور لیگ کانگریس سے سوال
کیا تو ساتھیوں میں سے ایک نے کہا کہ آپ نے نماز روزہ کے متعلق کچھ دریافت کر لیجئے
پس مدد مجھے کہ ان کو سیاسی باتوں میں درک نہیں تو چھسکارا ہو گیا مگر وہاں مولانا منظور صاحب
کا بیانی ہے کہ میں چونکہ سیاست سے الگ ہوں اس لیے جلسہ میں تو گیا نہیں مگر دیکھنے
کے لیے گیا کہ کیا ہوتا ہے ایک بلند جگہ الگ کھڑا ہو گیا جہاں سے تمام منظر اچھی طرح نظر
آتا تھا۔ اب اس لیے کہ جلسہ نہ ہو تقریریں کی جاتے اور اگر کچھ کہیں تو سنائی کسی کو نہ دے
اور استخفاف و استہزاء اور ذلیل کرنے کے خیال سے تو میں آمیز بڑی سے بڑی گالیوں کی
بھر مارا اور پھر زمین کے کنستر بکھانا اور چیزوں سے شور کرنا، آوازیں کسنا اور پیڑ سر کے ٹھوس
کی بے پناہ بارش کرنا اور انسانیت سے بالکل خارج ہو کر حرکات سفیہانہ کرنا۔
فرحیکہ وہ بیان کرتے تھے کہ کوئی کسر لوگوں نے ناٹھانہ رکھی اور یہ بھی سنایا کہ حکیم صاحب نے
عرض کیا کہ حضرت! پھر میں سے بچاؤ کے لیے آپ کے سرچ دری تان دیں تو حضرت مدنی
نے فرمایا کہ میرا سر آپ کے سر میں سے زیادہ اچھا نہیں جب آپ لوگوں کے سر لوٹیں گے۔

تو میں ہی اپنا سر بچا کر کیا کروں گا۔۔۔۔۔ زبیرم میں ایک علی گڑھی طالب علم کا خط شائع ہوا جو اس نے لکھا تھا اور باوجود لگی ہوئے کے کہا تھا کہ یہاں علماء کو گالیاں دی جاتی ہیں کتنا آتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ مولوی آرہا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ہماری جنگ مولوی سے نہیں خدا سے ہے مگر خدا ایسی سخت ہڈی ہے (غوث باخش) کہ چیلے نہیں جیتی ہم تو خدا کو دنیا سے نکالنا چاہتے ہیں اب آپ ہی خیال فرمائیں کہ بنی اسرائیل کو جو اس زمانہ کے مسلمان اور پیغمبروں کی نسبی اولاد تھے کفار کے ہاتھوں تباہ کرایا اور کفار کو اس کام کے انجام دینے میں عبادلہ لکھا تو وہ قاعدہ یہاں جاتا نہیں رہے گا ان کفار سے جن پر صدیوں مسلمانوں نے حکومت کی اگر ایسے خدا سے جنگ کرنے والوں کو پھانسی دیا جائے گا تو اور کیا ہوگا۔

حضرت والد نے یہ بھی فرمایا کہ وہ اشتہار جو ہماری طرف سے دیا گیا وہ لفظ اور مضمون تو ہمارا ہی تھا مگر اشاعت کا مشورہ کے بغیر مولانا حبیب الرحمن نے شائع کر دیا تھا ہمیں معلوم ہے کہ وہ ہمارا اشتہار ہمارے لوگوں میں سے کتنوں نے مانا حیرت ہے کہ لوگ کچھ ایسے جنوں میں مبتلا ہیں کہ نہ خود سمجھتے ہیں اور نہ کسی کی مانتے ہیں ویسے معتقد بھی بنے رہتے ہیں اور خلاف بھی کرتے رہتے ہیں۔ کچھ ایسی ہوا چلی ہے کہ نہیں معلوم خدا کو کیا منظور ہے اس لیے اب ہم نے تو اس سلسلہ میں کچھ کتنا چھوڑ دیا ہے اور اپنے ساتھیوں کو اختیار دیدیا ہے جس کے جو جی میں آئے کرے جب کوئی سننا ہی نہیں تو اور کیا کیا جائے اگر لوگ علماء کے پیچھے چلتے تو کبھی یہ حالت نہ ہوتی اور نہ یہ فساد ہوتے۔ باقی رہا دین کا قصہ تو جب دیندار طبقہ کا اقتدار اور وقار ختم ہو گیا اب دین بھی ان لوگوں میں نہیں رہ سکتا۔ میسر جی بالکل نہیں مانتا کہ

مے حضرت اقدسؒ نے ایک اور مجلس میں یہ الفاظ سنے تو فرمایا: "حضرت مدنیؒ کی یہ باتیں دل لے جاتی ہیں، مدنی مدنی ہیں۔"

ایسی قوم کے ابھرنے کی کوئی سبیل ہو سکتی ہے ویسے خدا چاہے تو دشمنوں کو مسلمان بنا کر دین کا کام لے لے۔ حافظ رمضان صاحب نے ایک قصہ سنایا تو حضرت نے اس سلسلہ میں فرمایا کہ آپ کو اور طرح پنچا۔ میں ان دنوں میں ڈھوڑیاں میں آیا ہوا تھا جو بات معلوم ہوتی وہ یہ تھی کہ ان نوزوں کے ساتھ قاضیوں کے پرانے تعلقات چلے آتے ہیں کیونکہ کسی مخالف نے ان نوزوں کے مورث کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اور قاضیوں کے مورث سے مشورہ لیا انہوں نے روک دیا۔ اس کا نوزوں کے مورث کو پتہ چل ہی جاتا تھا تو اس نے ان کی بڑی توقیر کی اور اپنی اولاد کو وصیت کر دی کہ ہمیشہ اولاد در اولاد ان کی اولاد سے حتی الوسع حسن سلوک سے پیش آنا اور کچھ زمین وغیرہ بھی ان کو دیدی مگر اب اس میں رستے وغیرہ کی مزاحمت اور دقتیں پیدا کرنے لگ گئے ہیں اور بے نماز اور بد اطوار ہو گئے ہیں قاضیوں میں سے ایک صاحب جو حضرت دین پوری سے بیعت تھے یہ ان بزرگ کو کہاں سے لے آئے فیروز خان کے ہاں پہنچے یہ لوگ اور کچھ باہر کے ٹوانے وغیرہ مہمان بھی آئے تھے شکار کو تیار تھے سب کو کہا کہ چلو نماز پڑھنے سب اچھی طرح پیش آئے اور مسجد میں چلے گئے پھر فرمایا کہ ذکر کرو تو انہوں نے کہا کہ معاف رکھیں ہمیں کام ہے یہ بزرگ جو مالے کر سرفروز خان کی طرف لپکے وہ دیوار پر سے کود کر مسجد سے نکل گیا یہ دیوار نہ کوہ کے مگر صحن میں تعاقب کیا اس کا ٹوپ گر کر مسجد میں رہ گیا اس پر جوتے ماسے اور وہاں سے اپنے گافل دین پر جو اس فلاح میں سے چلے آئے دوسرے لوگوں اور مہمانوں نے غصہ دلایا کہ سیری مریدی بھی سہی آخر ایسی حرکت کیا معنی۔ تو ان کے چرچا کرنے سے فیروز خان نے ایک حکیم صاحب کو لکھ بھیجا کہ جا کر میاں سے کہہ دو کہ پھر ادھر نہ آئیں۔ ادھر رات کو یہ ہوا کہ فیروز خان کو خواب میں خلیفہ صاحب اور حضرت نظر آئے جو مار رہے ہیں تو یہ چار پانی سے نیچے گر گئے طبیعت میں وحشت چھا گئی

اسی وقت والدہ کے پاس گئے، حمد توں کو ابھی تک عقیدت چلی آرہی تھی انہوں نے ساری بات سن کر کہا کہ اس کی فوراً ملائی کرو ورنہ مائے جاؤ گے تو فوراً صبح ہی سب وہاں سے حضرت کے اہل پنچے اور معافی چاہی۔ وہ حکیم صاحب خط لیکر پنچے ہی تھے کہ ان کو بھی خط کا مضمون حضرت سے ذکر کرنے سے ان لوگوں نے روک دیا۔ جمعہ وہیں پڑھا اور بے حد معافی چاہی۔ میاں صاحب نے فرمایا کہ ذکر کرو ذکر کیا فرمایا زکوٰۃ نکالو چنانچہ زکوٰۃ نکالی۔

۱۲ محرم الحرام ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹ دسمبر ۱۹۴۱ء۔ ڈھوڈیاں

حضرت بالانے اپنے ایک متوسل کو ان کی زندگی کے متعلق بنی طور پر نصیحت فرمائی۔ ذاکر شافل آدمی کو کسی آدمی سے یہ نہیں کہنا چاہیے کہ میرا گزارہ نہیں چلتا نہ شکایت کرے نہ مطالبہ کسی چیز کا کرے یہ توکل کے خلاف ہے بلکہ اگر ایسی ٹھہرنے کی جگہ میسر آجائے جہاں وہ مر نہ جائے مگر ٹھہرے تو اسے قیمت جانے بھوکا پیاسا کھائے اور جو کچھ مانگتا ہو اپنے مولے دعائیں التجائیں گرو گرو کر کرتا رہے اور اپنے اہل و عیال کو بھی اسی مسلک پر ڈالنے کی کوشش کرے خدا کو منظور ہو تو ضرور فضل بھی ہوا کرتا ہے اور یہ بھی کیا کم فضل ہے کہ اس نے اپنی طرف متوجہ رہنے کی توفیق دی اپنے شیخ سے مشورہ کے سلسلہ میں یا ویسے اپنی حالت بتا دینے کی گنجائش ہے مگر قسیر سے سوال اپنے مولے کے نہ چاہیے اور دینی کام کو اپنا کام سمجھے اس میں تنخواہ وغیرہ کی سودا بازی کے طرز سے معاملہ نہ کرے۔

۲۶ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۱ دسمبر ۱۹۴۶ء۔ دھویاں

حضرت والا کے ایک مرید سید صاحب نے حضرت کی خدمت میں ایک کاغذ پیش کیا جس پر ان کے گاؤں میں ان کے اپنے مکان مسجد اور گاؤں سے باہر متصل ایک مکان اور ایک خالی زمین کا نقشہ بنا ہوا معلوم ہوتا تھا اور حضرت سے عرض کیا کہ حضرت میں جب بات کو گھر میں ذکر کرتا ہوں تو گھر کنبہ کے لوگ کہتے ہیں کہ ہماری عیند میں خل نہ ڈالو، خدا تو آہستہ آواز بھی سنتا ہے تم شور کیوں مچاتے ہو اور یہی بات مسجد کے اڑوسی پڑوسی بھی کہتے ہیں اگر حکم ہو تو یہ گاؤں سے جو باہر جگہ ہے یہاں جا کر ذکر کر لیا کروں اور یہ خالی زمیں میں نے اپنی قبر کے لیے نیت کر رکھی ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ اجازت کی کیا بات ہے جہاں ذکر کرنے سے لوگوں کو تکلیف نہ ہو وہاں کر لیا کرو اور باہر کرنا وقت کا موجب اور خلاف مصلحت ہو تو گھر یا مسجد میں آہستہ سے ذکر کر لیا کرو جیسے اب بات کر رہے ہو اتنی آواز سے بھی ذکر جہر ہو سکتا ہے اور کسی کو تکلیف بھی نہیں ہو سکتی۔ اس وقت یہ صاحب دہلی آواز سے آہستہ آہستہ بات کر رہے تھے، امد قبر کے لیے جگہ پہلے سے نیت کرنے کی کیا بات ہے، عرض کیا کہ قبر اور اپنی موت یاد کرنے کے لیے۔ فرمایا کہ اور لوگوں کی قبروں کو دیکھ کر موت کو یاد کر لیا کرو کہ مجھ کو بھی یہاں آنا ہے اور مرنا ہے اس لیے کہ نہ تو کسی کو پتہ ہے کہ کہاں مرے اور کہاں دفن ہوا اور قبر ملے یا نہ ملے یہ فقہ قبر والا ہرگز نہ کرنا اور یہ خیال اپنے دل سے بالکل نکال دو اور پاس بھی نہ پھٹکنے دنیا کہ پیر ہنسا ہے اگر ایسا خیال کرو گے تو فساد نیت کی وجہ سے پھر کچھ فائدہ بھی نہ ہوگا، یہی لیا کم ہے کہ خدا کا فضل ہو جائے چھکارا اور اس کے فضل سے اپنا بیڑا پار ہو جائے باقی فضل ہو جائے تو اللہ میاں کو جس سے کام لینا ہوا سے پیر بنادیتے ہیں یہ اپنے

بس کی بات نہیں بلکہ خیال رکھنے سے نقصان ہوتا ہے تم تو یہ سمجھو کہ نہ میں پیر ہوں نہ مرید
وہی چاہے تو آدمی پیر بن سکتا ہے اور مرید بھی۔ ڈاکٹر امیر احمد صاحب امرتسری دہرہ دون
میں ملازم ہیں وہ اپنے بچپن کا قعر سنتے تھے کہ امرتسری میں ایک قبر پر لوگوں نے عرس کرنا
شروع کر دیا اور ڈھول باجے بکھلنے اس پر شروع کر دیئے مقصد ان کا کاروباری تھا۔
جب وہاں مجمع ہونے لگا تو وہاں بھی لگنے لگ گئیں اور لوگ ان دکان پر پہنچے ہی سٹھائی
وغیرہ لے کر قبر پر چڑھا بھی چڑھتے تھے، گھر سے پیسے تو میں (ڈاکٹر امیر احمد صاحب)
بھی میلے میں جا کر دکان سے ریوڑیاں خرید کر کھانے کو تھا کہ ایک مجذوب پاس ہی میٹھا نظر
آیا، میں نے کہا باور یوڑیاں کھاؤ گے اس نے کہا کھالوں گا میں نے اس کو ریوڑیاں دیں اور
بچے بھی ساتھ تھے اسے کہا کہ وہاں قبر پر کیوں نہیں جاتے وہاں دیکھو ریوڑیاں بھی بٹی ہیں اور
دیکھو ڈھول باجے بک رہے ہیں اور قبر پر جانے کا ثواب بھی ہے مجذوب نے کہا کہ صاحب
قبر کو عذاب کے فرشتے مار رہے ہیں اور وہ عذاب میں مبتلا ہے اور چلا رہا ہے میرے
خیال میں یہ ڈھول والوں کی ستم ظریفی ہے کہ اس کی آواز تاکہ لوگوں کو نہ سنے اور زور زور
سے ڈھول پیٹ رہے ہیں تو اس طرح اگر خدا راضی نہ ہو تو قبروں پر اگر میلے بھی لگنے لگیں
تو تم کو کیا، پیر تو پیر اگر مرید بننے کی توفیق مل جائے یہی بہت ہے۔

حصر کے بعد کی مجلس میں ایک طب کی کتاب زمر اور یاقوت احمد جو پنجاب کے ایک
بزرگ حکیم صاحب نے عربی میں لکھی ہے حضرت دیکھ رہے تھے اور تعریف فرما رہے تھے کہ

۱۔ زمر اور یاقوت احمد فن طب کی چھوٹی چھوٹی کتابیں ہیں یہ حضرت مولانا عبدالعزیز پراردی
رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی تھیں، پر ہر ایک چھوٹا سا کاغذ ہے جو ضلع مظفر گڑھ پنجاب میں ہے کونٹ ادو
سے چند میل کے فاصلے پر ہے مولانا عبدالعزیز صاحب نے حافظ محمد جمال رحمۃ اللہ علیہ سے بھی
تعلیم حاصل کی تھی جن کا دولت گیٹ طمان میں مزار ہے۔ مولانا عبدالعزیز کی ولادت ۱۲۰۶ھ
۱۲۳۹ھ ۱۲۴۹ھ (مرتب)

چاہے ایک صفحہ میں تمام طب کا خلاصہ کر دیا ہے ایک دو مقام پر یہ ذکر بھی سنائے فرمایا یہ کتاب نایاب ہے۔

۲۸ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۳ دسمبر ۱۹۴۷ء دھوڑیاں

صبح چلنے کی مجلس میں ایک مولوی صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اس طرح کبھی کچھ کیا پھر چھوڑ دیا کچھ بات نہیں بنتی میرا خیال ہے کہ میں چلے یعنی چار ماہ تو باقاعدہ پابندی سے بلاناغہ پورے اہتمام سے ذکر کرنا چاہیے اور پورا ذکر گیارہ تیسرے نفی اثبات اور چار ہزار اسم ذات ٹھیک شد و رد و حیان و اہتمام سے ہے اس میں کشف وغیرہ کی جسکی طبیعت ہو اسے کچھ اور ہوتا ہے ورنہ آثار ذکر کچھ نہ کچھ ہو جاتے ہیں اور خدا کو منظور ہو تو ایسی صورت ہو جاتی ہے کہ کوئی کام کرے تو اس میں امید ہوتی ہے کہ کچھ نہ کچھ اخلاص کا دخل ہو گا ورنہ ویسے تو ہر کام میں نفس کا ہی غلبہ ہوتا ہے باقی ذہن لوگوں کو تو یہ چیز بہت جلد حاصل ہو جاتی ہے اور کچھ ذکر وغیرہ کی زیادہ ضرورت نہیں ہوتی مگر ہماری زیادہ عام طبیعتیں آجکل غبی ہی ہوتی ہیں الا ماشاء اللہ۔ تو اس کے لیے اتنے یعنی تین چلے کے بعد پھر یہ ہے کہ اپنا کوئی کام کرنے لگے اور ذکر کا بھی اہتمام رکھے اصل میں خلوص و اصلاح اور تہذیب اخلاق کیلئے عشق و محبت ضروری ہے اس کے بغیر کوئی خلوص اصلاح اور تہذیب اخلاق نہیں ہوتی اور نفس کا ہی حقد ہوتا ہے اور فرمایا کہ محبت سے ذکر اور کم از کم تین چلے باقاعدہ ذکر اور محبت سے اگر خدا کو منظور ہو کچھ نہ کچھ ہو ہی جاتا ہے اور محبت ہی اصلاح نفس تہذیب اخلاق اور خلوص نیت کا ذریعہ ہے مولانا حبیب الرحمن صاحب نے عرض کیا کہ ذکر باقاعدہ سے کیا مراد ہے فرمایا کہ جیسا تم کرتے ہو اب کچھ کچھ ذکر تمہارا موثر ہونے لگے ہے ورنہ پہلے یونہی تھا مگر

کسی تھریک وغیرہ سے متاثر نہ ہو کر بیچ میں چھوڑ دو گے تو پھر ویسا ہی ہو جائے گا۔ اس لیے تین چلے تو جو ہو سو ہو دیکھی سے لگاؤ پھر خواہ تھریک میں حصہ لو یا کوئی اور دینی اور جائز دنیوی کام ہو وہ سب اور حیثیت سے ہوگا۔ حضرت مدنی جو کام کرتے ہیں اس میں خواہ ان کو کوئی عہدہ ملے یا نہ ملے اور اس کا کوئی نتیجہ نکلے یا خدا کو منظور نہ ہو تو نہ نکلے مگر سب اللہ کے لیے ہے اس میں بھی دیگر عبادات کو ترک نہیں کر دیتے اور مولوی صاحب کو جو

اصل مخاطب تھے فرمایا کہ اب خواہ یہاں خواہ گھر رہ کر تین چلے پابندی سے اس طرح لگاؤ جس طرح نماز فرض سمجھ کر ادا کیا کرتے ہیں کہ بچے نمازی پر خواہ کوئی حادثہ آئے یا کچھ اور ہو تو نماز ادا کر ہی لیتا ہے اور اگر کسی مدت مجبوری سے رہ جاتے تو اسے بہت افسوس ہوتا ہے اور قضا کرتا ہے اسی طرح اگر کبھی ناغہ ہو جائے تو رات کا کام دن میں کرے اور دن کا رات کو مگر یہ امر مجبوری کو ہے ورنہ وقت جو فراغت کا اور موزوں ہو وہ خود مقرر کر کے اسی کی پابندی کرنے کی کوشش کرے اور کوتاہی کے لیے ناوم ہو اور پورا کرے۔

مولانا حبیب الرحمن صاحب نے دریافت کیا کہ صحبت کے کیا آداب ہیں فرمایا کہ صحبت کے آداب جسکی صحبت اختیار کی جائے اس کی صحبت خود سکھا دیتی ہے۔

جن کا اوپر ذکر ہے ان مولوی صاحب نے اپنے والد صاحب کے خیالات بیان کئے کہ وہ زیادہ حضرت والا کے پاس میرے آنے جانے سے گھبراتے ہیں اگرچہ خود بھی خالص دیندار اور وظائف کے پابند ہیں اسی وجہ سے پیر جی کہلاتے ہیں حضرت والا نے فرمایا کہ وہ بچے ہیں۔ انہوں نے کابل وغیرہ کی طرف رہنے میں اور عام طور پر ہر جگہ فقیروں کی عام باتیں سنی ہوئی ہیں کیونکہ گھر بار اور کام کاج اپنے پاس آنے جانے والوں پر اثر ڈال کر چھڑا دیتے ہیں۔ اس لیے کوئی حرج نہیں گھر پر رہ کر ہی کم الزکم میں چلے پابندی سے ذکر کر لو اور اس اثنا

میں ہر وقت پڑھتے تو رہنا ہی نہیں، غالی وقت میں کوئی اور کام کاج اور مشغلہ بھی کر لیا مگر اتنا نہیں کہ وہ خیالات میں رچ جائے اور پوری توجہ جذب کر لے، اور پرلے دل سے کر لیا نیز تقریر و تحریر میں بھی ہمہ تن مشغولیت نہ کی جائے اور اگر تم بچے رہے تو آپ کے والد خود ڈھیلے پڑ جائیں گے ایک تو اس لیے کہ ان کو عام معلومات کی بنیاد پر جو خدشات ہیں واقعات ان خدشات کو رفع کر دیں گے کہ ہم اور فقیروں کی طرح سب کچھ مستطابھرا کر راہب نہیں بناتے آپ کی استقامت ان کے خیالات پر اثر انداز ہوگی اور کبھی آنا ہوا تو کہہ دیا کہ ایک آدھ دن کے لیے لیں ہی جا رہا ہوں ابھی آجاؤں گا میں نے بھی لڑکپن میں اور اس کے بعد اب تک ایسا ہی کیلئے میری والدہ صاحبہ بھی بہت گھبرا کر تکیں کرتی تھیں کہ تو بندشتا کیوں جاتے ہو اور پاس نہیں رہتا اور میں عرض کر دیا کرتا تھا کہ اب چند روز کیلئے جا کر جلد آکر پھر پاس رہوں گا مگر میرے بھائی میرے حق میں تھے اور حافظ عبد العزیز مرحوم قصبے کا کرتے تھے کہ تم ہمارا فکرنہ کرو اطمینان سے عبادت مرحوم کو میرا بڑا ہی خیال تھا چنانچہ پھر میں نے والدہ سے اب آخر میں عرض بھی کیا کہ اب اچھی حالت ہے یا وہ پہلی حالت اچھی تھی۔ فرمایا وہ پہلی کیا تھی یہی اچھی ہے اگر تم ہمارے کسے گئے تو نہ کچھ پڑھنا ہوتا اور بھی کچھ نہ ہوتا۔ مرحوم بہت ہی عبادت گزار تھیں بارہ ہزار اسم ذات روز پڑھا کرتی تھیں، ایسا ہی کہتے رہو خدا کو جو منظور ہوگا ہو کر رہے گا۔

کھانا کھانے کے بعد حضرت والانے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو جب تکوینی طور پر دنیا میں جو رنگ معاشرہ کا جاری کرنا منظور ہوتا ہے اس کے لیے موزوں امام امداس کے ارد گرد اس کے مناسب حال معاونین کو جمع کر دیتے ہیں وہ لوگ الہام ربانی کے تحت اس کے اہراہ کار کیلئے ماحول استوار کرتے ہیں شہادت کی پرواہ نہیں کرتے میں یہ شاہ ولی اللہ صاحب

کی تصانیف سے بیان کر رہا ہوں نیز امام غزالی نے بھی لکھا ہے کہ ایسے امام اور طبیبیں کچھ
تجربات کی بند پر ہی نہیں بلکہ کسی اندرونی تحریک سے متاثر ہو کر پورے نور سے اوجھل جاتے
ہیں اور ماحول کو موافق بنا کر چھوڑتے ہیں اگر یہ نہ ہو تو دنیا میں ترقی کی راہ ہی رک جاتے یہ
ضروری نہیں کہ ان لوگوں کا راستہ حق محض ہو غلط بھی ہو سکتا ہے مگر یہ دنیا سب اسماء
باری تعالیٰ کا ظہور ہے تو اس کا اسم خالق بھی ہے اور مذہبی ماحول پیدا کرنا ہو تو اس کا نام
یعنی مجدد اور معادین کا ظہور اسم ہادی سے ہوتا ہے اور علوم و فنون میں مثلاً طب یا صنعت
حرفت میں خالق سے۔ اور مسلمان بھی اگر فساد اور غلو کے مرض میں مبتلا ہوں تو بنی اسرائیل
کی طرح ان کے لیے بھی عبادت و نجات نص کی طرح ظہور پڑے ہیں جو اولی باس شدید ہوتے
ہیں باقی شخصی سلطنتیں اور عام ظلم و فساد کا انسداد کر کے لیے صحیح غلط لوگ بھی پیدا کر دیے
جاتے ہیں اور بعض اوقات دنیا میں کوئی زبردست سلسلہ قائم کرنا منظور ہو تو اللہ تعالیٰ
اس کے لیے مناسب ماحول پیدا کرنے اور پہلے جمع ہونے ظلم و فساد سے آلودہ سلسلہ کو اکھاڑ
پکھا کر لے کے لیے مناسب تحریکوں کے اسباب مہیا فرما دیتے ہیں کیا عجیب
کہ بالشورزم ایسی ہی قبیل سے ہو باقی یہ میرا عقیدہ ہے کہ زمانہ خواہ آسمان کے مارے توڑ
لائے مگر اصولی طور پر ایسے لوگ ایسی نیک اور امن کی حکومتیں قائم نہیں کر سکتے جو صوبہ کرام
کے ددرا مل سے خالق ہوں البتہ جزئیات اور طریق حکومت کی لازمی ضروری تبدیلیاں الگ
بت ہے خلافت راشدہ کے ختم ہونے کے بعد مسلمانوں نے یکے بعد دیگرے اپنی خرابیوں
کو کھولے اور اب تو اتنا کھو گیا کہ اس کی تلافی خدا ہی کے بس کی بات ہے۔

حضرت والانے اپنے راہپور کے طالب علمی کے قیام کے معلومات بیان فرمائے اور
یوپی کے زمینداروں میں سے ایک زمیندار کا اپنا بیان نقل فرمایا کہ جب مزارع (کاشتکار)

ذرا خوشحال ہو تو ہم اس کے ہاں امانت کے طور پر زیادہ امانج رکھ دیتے ہیں جس کی وہ ابھی حفاظت بوجہ محفوظ مکان نہ ہونے کے نہیں کر سکتا وہ کتا بھی رہتا ہے کہ امانج خراب ہو جائے ہے مگر ہم پروا نہیں کرتے جب دوسرے ذرائع سے معلوم کر لیتے ہیں کہ اب امانج خراب ہو گیا تو جا کر دیکھ کر اس پر تاوان ڈال دیتے ہیں اور اس طرح اس کو پھر دانستہ بد حال کر دیتے ہیں تو ایسے حالات میں اگر ایسی جمہوری حکومت قائم کی جائے جو مساوات ان معنوں میں قائم کرنے کے اصولوں پر کام کرے کہ سب لوگوں کو سب استعداد کچھ کام کرنا پڑے اور سب خوشحال زندگی بسر کریں اور ضروریات زندگی میں تنگ نہ رہیں اچھا کھانا اچھا پننا اور گرمی سردی سے بچاؤ کاموں اور مصافحہ مکان مفت اعلیٰ طبی امداد اور عزت کی پر امن اور رحمت بخش زندگی میسر ہو تو اس کو دین کے خلاف قرار دینا اور مذہب کو ایسی کوششوں میں آبد بنانا مذہب کو برباد کرنا اور لوگوں کو مذہب سے برگشتہ کرنے کے مترادف نہیں تو اور کیسے۔

۱۹ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۴ دسمبر ۱۹۴۶ء۔ ڈھویاں

صبح کی مجلس میں مجاہدات کے ثمرات کا تذکرہ آیا تو حضرت والائے فرمایا کہ غیر مسلم بھی مجاہدات کے ثمرات سے محروم نہیں رہتے جو کہ گلدہ پائے گا مگر اس سے رضا کا حامل ہونا لازم نہیں آتا کہ وہ قیغمہ دل کے اتباع میں حاصل ہو سکتی ہے۔

بیز حضرت والائے فرمایا کہ ہمارے اکابر میں سے ایک کے ہاں ایک فوجی شخص نے آکر بلا وجہ ایک درویش کو مارا تو درویش نے صبر کیا وہ فوجی گھوڑے پر سوار ہو کر چلا تو گر کر گر دیں ٹوٹ گئی شیخ نے فرمایا درویش تو نے اس کو برا بھلا کیوں کہ لیا تاکہ تیرا صبر

اس پر نہ پڑتا اور اس کو یہ نوبت نہ آتی۔

نیز فرمایا کہ ایک شخص کو اسمِ عظیم آتا تھا کسی نے سکھانے کی التجا کی تو فرمایا کہ بارہ سال میری خدمت کرو اس نے کی اور بارہ سال بعد درخواست دہرائی کہ خدمت کا وعدہ پورا ہو چکا وہ بزرگ اس شخص کو لے کر ایک گاؤں میں ایک چوراہے پر لے گئے تھوڑی دیر بعد ایک شخص لکڑیوں کا گھڑلے کر آیا تاکہ اسے بیچ کر اپنا اور اپنے بال بچوں کا گزار کرے، ایک سپاہی گھوڑے پر سوار آیا اور لکڑیوں کو ڈانٹا کہ تو سرکاری محفل سے لکڑیاں لیا ہے چل حالات میں اور بڑبھلا کما مار پیٹ کی اور لکڑیاں اپنے گھر جا کر ڈلوادیں اسے دیکھ کر نکال دیا یہ سب ماجرا ان دونوں نے دیکھا۔۔۔۔۔ اس کے بعد اسمِ عظیم جاننے والے نے اس کے طالب سے پوچھا کہ اگر تجھے اسمِ عظیم آتا ہو جس کی برکت سے آدمی بہت کچھ کر سکتا ہے اور تیرے ساتھ یہ سوار ایسا ہی سلوک کرے جیسا لکڑیوں سے کیا ہے تو تیرا کیا نتیجہ ہوگا اس نے کہا کہ میں اسمِ عظیم کی برکت سے سپاہی کو تباہ کر دوں یہ سن کر اس نے کہا کہ دیکھ یہ لکڑیوں کا اسمِ عظیم میں میرا استاد ہے اور اللہ میاں گننے کو ناخن نہیں دیا کہتے جاتو اسمِ عظیم سیکھنے کے قابل نہ نکلا۔ اس پر مولانا حبیب الرحمن صاحب نے عرض کیا کہ حضرت سنا ہے کہ آیۃ الکرسی اور آیت کریمہ میں بھی اسمِ عظیم ہے فرمایا کہ میرا اور خیال ہے کہ خدا کا ہر نام اسمِ عظیم ہے مگر اس شخص کے لیے جس کا وہ اسمِ ربی ہو پھر اس کو وہ کلمے تو اس سے نفع ہوتا ہے ایک مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت دنیا کا نفع مرد ہے یا آخرت کا فرمایا کہ آخرت کا اور دنیا کا بھی اسی میں آگیا کیونکہ ایذا نے جب محمّد کو لے لیا تو ہیرے جواہرات کے ٹوٹے ہوئے صندوقوں کی لوٹ میں شریک ہونے کی لے کیا ضرورہ رہی۔ فرمایا کہ ہر شخص کا ربی اسم ہوتا ہے اگر اپنے ربی اسم کو کافر بھی پڑھے تو اس کی

طبیعت اور استعداد کے مطابق اس کو بھی فائدہ ہوگا مگر یہ فائدہ اور طرح کا ہوگا جو مومن کو ہوگا وہ اور طرح کا ہوگا۔ مولانا حبیب الرحمن صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت اپنا مربی ہم معلوم کرنے کا کیا ملکہ ہے فرمایا کہ اس کے دو قاعدے ہیں، ایک بزرگ تو اپنے مریدوں پر ہر اسم کی ضرب لگا کر دیکھا کرتے ہیں جس کا اس پر زیادہ اثر پاتے ہیں اسے اسی کا ذکر بتاتے ہیں تو وہ جلد کامیاب ہو جاتا ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اسما ربی تعالیٰ کو انسان کئی روز پڑھے جس پر اس کی طبیعت زیادہ مناسبت اور اثر محسوس کرے وہی اس کا اسم مربی ہے اور اب تو مشائخ اسم ذات کا ذکر بتاتے ہیں کیونکہ یہ اسم تمام اسموں کا جامع ہے۔

مولانا حبیب الرحمن صاحب نے صبح کو سیر کے وقت حضرت والا کی خدمت میں کوئی اعتراض پیش کیا عصر کے بعد کی مجلس میں ان کو مخاطب کر کے حضرت والا نے فرمایا میرا خیال ہے اس کو عرض کرنے سے پہلے میں چند باتیں جو بزرگوں سے منقول ہیں بیان کروں گا اور سب کو جوڑ کر سوچنا کہ جواب ہو یا نہیں۔ اقل یہ کہ ہر چیز کے تین مراتب ہوتے ہیں ابتداء انتہا یعنی کمال اور انحطاط، دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا تعاضل ہو کہ عالم پیدا ہو اور اللہ تعالیٰ کی معرفت ہو تو اللہ تعالیٰ نے ایک چیز پیدا کی یا یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے اور مخلوق ممکن الوجود۔ تو واجب الوجود نے اپنا پر تو ممکن پر ڈالا تو جو چیز پیدا ہوئی وہ جوہر ہے یہ تو مادیات میں بھی ملتے ہیں کہ مادہ کوئی ایسی چیز نہیں جو اپنی ابتدائی شکل میں جو اس سے محسوس کیا جاسکے بلکہ استدلال ہی اس پر قائم کیا جاتا ہے۔ اس جوہر سے ایک تو روحانی مخلوق پیدا ہوئی جس میں انسان کی روح، فرشتے وغیرہ بھی آگئے اور ایک جسمانی مخلوق جس میں زمین اور آسمان خواہ اجرام فلکی مراد لے لو۔ سب پیدا ہوئے اور جمادات نے وجود پکڑا۔ جمادات کے بعد نباتات نے اور نباتات کے

بعد حیوانات پیدا ہوئے اس کے بعد بلکہ بیچ میں اور مراحل بھی اور مخلوق بھی سمجھ لو یا نہ سمجھو کہ یہ بحث غیر متعلق بھی ہے آخر میں سب کے بعد انسان کو پیدا کیا ہر تخلیق کسی نہ کسی اسم الہی کا پر تو ہے اور انسان سب سے زیادہ اسماء یعنی صفات باری کے پر تو کا جامع ہے اور انسانیت کو باقی جمیع مخلوق سے زیادہ صلاحیت نیابت الہی کی حاصل ہے اب ایک اور بات سمجھو کہ جمادات سے نباتات اور نباتات سے حیوانات اپنی اپنی روحانیت اور خصائص کی بناء پر فائق ہیں اور اس لیے فائق ہیں کہ ہر ایک ایک دوسرے سے زیادہ اسماء کا مظہر یا یوں کہو کہ پر تو ہے ظہور صفات اس میں زیادہ یا توجہات باری میں اس کو فوقیت ہے مگر یہ دقیق مبہم اور غیر متعلق بھی ہے۔ بتانا میں یہ چاہتا ہوں کہ انسان کو خدا تعالیٰ نے جمادات، نباتات، حیوانی اور پرہیزگار کی روح انسانی اسی قبیل سے ہے صفات کا جامع بنایا۔ مزید براں اس کو عقل کا جوہر عطا کیا جو شاید اس افراط سے کسی اور مخلوق کو اس نوعیت کا عطا نہیں ہوا تو جب سے انسان عالم وجود میں آیا اس سے پہلے ذی عقل مخلوق کی بحث میں پڑنا ابھٹتا ہے انسان کی عقل کی رہنمائی کے لیے سلسلہ رشد و ہدایت بھی اللہ تعالیٰ نے جاری کیا کیونکہ عقل کی رسائی ایک حد تک ہے اور معرفت الہی کے لیے اکیلی عقل اتنا کام نہیں دے سکتی کہ انسان کو ظن و تخمین کی دلدل سے کلی طور پر نکال کر یقین و ایتقان کے مدارج عالیہ تک پہنچا دے اور معرفت الہی کے بغیر انسان اپنے معراج کمال اور ملت غنائی تک فائز المرام نہ ہوتا اور تخلیق کا منشا پورا نہ ہوتا اس لیے پہلے انسان یعنی آدم علیہ السلام کو بھی نور نبوت سے فائز کیا گیا تو اب صحت یہ ہے کہ ایک عام مادی علوم و فنون اور عقلی علوم منطق و فلسفہ اور ایک درجہ انہیات کا ایسا ہے جس میں بظاہر کسب و عمل کو کافی دخل ہے اور اس میں دو معلومات کے ذریعہ ایک مجہول کا علم حاصل ہوتا ہے مگر ہوتا اس وقت ہے جب خدا تعالیٰ چاہیں ورنہ دو معلومات

کیلئے لوگ پھرتے رہے مگر ابتدائی مرحلے میں فنون کے احاطے کو بھی برق ایٹم اور ایسی
 ہی تمام بے شمار چیزوں کا جو انکشاف اور علم ہو رہا ہے اور بے شمار چیزوں کا ابھی ہونا باقی ہے
 فوراً جلد جلد ہو جانا اور ایک ہی آدمی تمام مراحل کو طے کر لیا کرتا حالانکہ یہ رفتار نسلوں اور
 صدیوں میں ایک سے دوسری تیسری منزل تک پہنچتی ہے لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ علوم پہلے
 علوم کی مدد اور ان میں مہارت و تجربہ سے حاصل ہوتے ہیں یہیں اس میں بحث نہیں مگر میرا
 خیال اس میں یہ ہے کہ جب باری تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے کہ کوئی علم دنیا میں ظاہر ہو تو
 اس کے اسباب اس صلاحیت کے لوگ ان علوم کی مناسبت کے داعیات قلبی پیدا کرتے
 ہیں اور پھر جب جس پر قبضہ چاہتے ہیں اپنے علم کی صفت سے پر تو ڈال دیتے اور جھٹک
 سی پیدا کر دیتے ہیں تو کتنا یہ ہے کہ انسان کی رشد و ہدایت نجات آخرت یا حصول معرفت
 باری کا راستہ دوسرا ہے اور عقل اس کے لیے ضروری ہے مگر گاڑی وہاں عقل کے بل پر
 نہیں چلتی بلکہ یوں کہو کہ عقل کو ترقی دی جاتی یا عقل کی رہنمائی کی جاتی ہے وہ علم جس پر انسان
 کی نجات اخروی اور معرفت الہی کا مدار ہے وہ علم صرف نبیوں کو ملتا ہے مثلاً عقل کو قیامت
 کا علم حشر و شرجنت و دوزخ کا علم بھی نہیں ہو سکتا اگر نور نبوت یعنی منیبات کی خبر دینے کا ایک
 اور ذریعہ علم موجود نہ ہو تو عقل قاصر ہے اب اس کو اگر روحانی ترقی کیسے تو روحانی ترقی کے لیے
 نبوت کا ہی راستہ ہے۔ دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فارغ ہر کی طرف جانے کے لیے
 عقل نے راہنمائی نہیں کی بلکہ تمکید غیبی نے دل کو اس عبادت اور تنہائی کی طرف مائل کر دیا
 پھر اس کا اسکان بھی زیر بحث نہیں تھا کہ فرشتہ ایک دم نمودار ہو گیا تو روحانی علم مادی علم کے
 برعکس دو معلوموں سے ایک مجہول کا علم حاصل کرنا یا اس کے لیے پہلے سے ٹھکان کر کوئی
 ریاضت اور جدوجہد کرنے پر موقوف نہیں بلکہ جب ہو تو قلب و ایک دم ہوتا ہے اور ایسا ہوتا

ہے کہ اس میں شک و تردید کو راہ نہیں دیتا اور کسی وجدانیت میں بھی یہ بات نہیں رہتی گویا اس شے کو اس نے پایا جب پایا تو اب شک و تردید کیا بلکہ یقین حاصل ہو گیا۔ ایک بات حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے فرمائی ہے کہ یہ خانوادے وغیرہ یوں پیدا ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کسی ایسی ہستی کو پیدا کر کے ایسے مدارج پر پہنچاتا ہے کہ اس کی صحبت اور اس کے صحبت یافتہ لوگوں کی صحبت سے دل گرماتے ہیں اور لوگ روحانیت میں ترک و ماز دکھاتے ہیں مگر جب مردِ زمانہ سے جو بعد کی صورت ہے وہ گرمی پہنچنی کم ہو جاتی ہے تو جذب بھی اس خانوادہ کے نام لیواؤں میں ختم یا کم ہو جاتا ہے اب صرف سلوک رہ جاتا ہے لوگ زیادہ جدوجہد کر کے بھی کم کامیاب ہوتے ہیں اور جو ہوتے ہیں وہ بھی حیثیت اور مقدار کے اعتبار سے ٹھٹھے ہوئے ہوتے ہیں اصل گرمی تو آفتابِ نبوت کی ہوتی ہے پھر آفتابِ نبوت کے فیض سے اس کے فیض یافتہ لوگوں کی اور جن لوگوں کو نبی کے اتباع میں ویسے ہی علوم اور فیوض ملتے ہیں اسے ہماری اصطلاح میں قطب ارشاد یا جو بھی کہہ لوکتے ہیں تو جو ایسا ہوتا ہے اس میں گرمی ہوتی ہے جس گرمی سے دوسروں کے دل گرماتے اور وہ جلتے اور کامیاب ہوتے ہیں اور جب اس گرمی کو بعد ہو جاتا ہے تو پھر اس کے ساتھ لگنے والوں پر اس کا اثر بھی ویسا ہی رہ جاتا ہے یہاں تک کہ وہ بات کسی اور کو حاصل ہو۔

اب ایک بات اور سنو کہ قرآن پاک نے بیان کیا ہے کہ ان من امۃ الا
خلا فیہا نذیر۔ اب کوئی قوم اور ملک ایسا نہیں جہاں نذیر نہ آیا ہو اور
نذیر حقیقتہً نبی یا نبی سے فیض یافتہ قطب ارشاد سمجھ لو ہو سکتا ہے تو اب جو غیر مسلم ہیں ان کے
پاس جو علوم اور طریقے ہیں وہ بھی درحقیقت فیضِ نبوت ہے خواہ وہ انہوں نے کتنا بگاڑ
لیا ہو مگر حقیقتی اس میں حقیقت ہے وہ تو ہے ہی اگر وہ پوری بھی ہوتی تو مردِ زمانہ سے جو

بعد اس میں ہوتا ہے اس کی وجہ سے ٹھنڈک بھی اتنی ہی ہونی ضروری تھی چہ جائیکہ دوری بھی ہو اور جیسے درجہ کی ہو مستوری بھی ہو اس لیے اب وہ باوجود بے حد جدوجہد کے بھی مجاہدات کے ثمرات سے بہرہ ور تو ہوں گے مگر اپنی نسبت کے تناسب سے اور مسلمان بوجہ قرب و عدم التباس کے تھوڑی محنت سے زیادہ پائیں گے اور جو کسی قلب ارشاد یا مجدد کے ساتھ وابستہ ہوں گے وہ اور بھی زیادہ چلیں گے اور نوعیت کے اعتبار سے اور علوم کے اعتبار سے غیر مسلم اگر جدوجہد زیادہ کرے گا تو زیادہ پائے گا مگر کسی پہلے نبی کے دور اور مستور نور سے اقتباس کرنے کا فرق اس میں ضرور پڑے گا اور مسلمان اتنی حیثیت اور مقدار کی جدوجہد کرے تو اس سے آگے ہو گا مگر کسی کرے گا تو قرب و عدم التباس کی مقدار آگے رہے گا زیادہ کمی کرے گا تو اسی حساب سے کم رہے گا مگر وہ چیز اور ہے وہ ہے رضا۔ چونکہ رضائے الہی کا تعلق اب اس نبوت کے آفتاب عالمیاب سے وابستہ ہونے میں ہی اللہ کو منظور ہوا اس لیے ایک تو رضائے الہی ان علوم سے متعلق نہ ہوگی دوسرے یہ غیر مسلم چلنے والا اس حقیقت تک راہ نہیں پاسکتا جس تک دوسرا یعنی مسلم مل پاسکتا ہے اگرچہ ہر آدمی پر وہ حقیقت لازم و روشن نہیں ہوتی اور اس حقیقت تک امت مسلمہ کے سب دلی پہنچے ہوئے نہیں ہوتے کیونکہ یا تو اس لیے کہ اس کی شرائط داخلی خارجی ان میں مفقود ہوتی ہیں یا یہ کہ منظور الہی اس میں ہی ہوتا ہے وہ حقیقت حقیقت محمدیہ ہے۔ چنانچہ مجدد صاحب کے مکتوبات کو غور سے پڑھیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان کو جو علم ملا وہ بہت سے سابق اولیاء کو بھی نہ ملا تھا کوئی وحدۃ الوجود میں جا کر پھنس گیا اور کوئی کسی اور چیز میں پھنس گیا حقیقت محمدیہ تک رسائی نہیں یہ حقیقت محمدیہ تک رسائی مجددین کو ضرور ہوتی ہے ورنہ وہ دین کی تجدید نہ کر سکیں اور اس کی علامت صرف مقطعات قرآنی

سے سب ضرورت مراتب آگاہی پانا بھی بیان کیا جاتا ہے اگر آپ لوگ خیال نہ کریں تو میں کہہ دوں کہ ہمارے حضرت دعتہ اللہ علیہ پر حقیقت محمدیہ کا درود ہوتے ہیں نے خود دیکھا ہے تو کسی غیر مسلم کو حقیقت محمدیہ تک رسائی نہیں ہو سکتی مگر ایک مسلم کو ہو سکتی ہے اگرچہ مہر ولی کو نہیں ہوتی ہاں باقی علوم وغیرہ تک ایک غیر مسلم کو بھی رسائی ہوتی ہے خواہ اسکی نوعیت رضا، عدم رضا میں مختلف ہوتی ہے جس کا ظہور صرف آخرت میں اور دیکھنے والے صاحب بصیرت کو اندازہ یہاں بھی ہو جاتا ہے۔

مولانا حبیب الرحمن صاحب نے کہا کہ حضرت کچھ کچھ سمجھ میں آگیا کہ محبت تو خدا تعالیٰ کی غیر مسلم کو بھی ہو سکتی ہے شدت عدم شدت ایک اضافی چیز ہے اسی لیے اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی يحبکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم واللہ غفورٌ رحیم۔ نیز کفار کے لیے آیا ہے۔ یحبونہم کحب اللہ والذین امنوا لشد حبوا اللہ۔

حضرت والانس نے فرمایا کہ پہلی آیت کا استدلال صحیح ہے اور متعلق ہے اور دوسری سے استدلال بے محل اور غیر متعلق ہے نیز حضرت والانس نے قل ان کنتم تحبون اللہ والذین امنوا آیت مبارک خود پوری پڑھی اور ترجمہ فرمایا استدلال ظاہر کیا نیز فرمایا کہ دوسری جگہ قرآن پاک میں ہے ومن یتبع غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه وهو فی الآخرۃ من الخاسرین۔ تو اسلام کے علاوہ کئی دین اللہ کے ہاں شرف و قبولیت نہ پائے گا۔ اور ایسے دین والا آخرت میں خسارے میں رہے گا۔

عصر کے بعد کی مجلس میں حضرت والانس نے ایک بات یہ بھی فرمائی کہ دل میں جو خیالات آتے رہتے ہیں یہ بالکل تو بعض خاص طبائع والوں کے نہیں جلتے البتہ مجاہدات سے ان

میں کی آجاتی ہے اور اگر انسان یہ خیال کرے کہ یہ بھی سب ادھر سے ہی آرہے ہیں جس طرح کہ سب افعال کا خالق اللہ ہے کامراقبہ کیا جاتا ہے۔ تو یہ خیالات بھی ٹھکانے لگ جاتے ہیں اور یہ نور وحدت الوجود کے سب مراقبہ و حقیقت بعض امراض کے علاج ہیں اور حقیقت تو یہی ہے جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے یہ مراقبات بعض اوقات عقائد کے سوا بھی ہوتے ہیں جو کہ بطور علاج ہوتے ہیں جیسے درد و شریف پڑھتے ہیں تو خیالات کے انتشار کو روکنے کے لیے یہ تصور کر لینا کہ حضور کے روضہ کے سامنے بیٹھا پڑھ رہا ہوں اور ادھر سے ایک نور میرے قلب پر آرہا ہے حالانکہ ایسا ہونا اکثر واقعہ نہیں ہوتا۔

یکم صفر المظفر ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۶ دسمبر ۱۹۴۷ء۔ ڈھڑیاں

حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب نے حضرت والا کی خدمت میں میاں نور عالم صاحب کا یہ سوال عرض کیا کہ میں نے مولانا آزاد کی تحریریں کو پڑھا۔ حضرت تھانوی اور موڑھا شریف والے اور دوسرے کئی صحیح العقیدہ بزرگوں کی خدمت میں عقیدت سے گیا مگر پہلی حالت سے کوئی تغیر وغیرہ نہ پایا حالانکہ بزرگوں سے سنا ہے اور کتابوں میں بھی پڑھا ہے کہ ایک ہی صحبت میں بعض کو رنگ دیا اور بزرگ بنا دیا نیز صراطِ مستقیم پانے اور اس پر استقامت کی سچا دہشتگی اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ ان کا یہ درخواست کرنا کہ مجھے صراطِ مستقیم پانے کی خدا توفیق دے اور اس پر استقامت بخشے آخر یہ بات گھر سے پیدا تو نہیں ہوتی خواہ یہ مولانا آزاد کی کتابیں دیکھنے کا اثر ہے یا ان کی یا بزرگوں کی صحبت اور دوسری کتب وغیرہ دیکھنے کا۔ بہر صورت یہ بات بھی کسی ایک دن کے دیکھنے سے فورا ان کی طبیعت میں پیدا نہیں ہوتی اصرار عموماً ہوا کرتی

ہے بلکہ نیک لوگوں کے ملنے اور اچھی کتابیں پڑھتے پڑھتے ایک عرصہ میں پیدا ہوا ہے اس طرح فوری تغیر نہیں ہوا کرتا بلکہ دیر میں دیر پا اثر غیر محسوس طور پر ہوتے ہوتے ہو جایا کرتا ہے اور فوری بھی کسی کسی کو ہو جایا کرتا ہے مگر وہ کلیہ نہیں انہوں نے جیسا کہ بیان کیا بعض بزرگوں کے پاس جاننے سے بعض لوگوں کو فوری اثر ہوا اور فوری تغیر طبیعت میں ہو گیا مگر یہ ان بزرگوں کے سب ملنے والوں کو نہیں ہوا اور نہ یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی کی استعداد اور ہوتا اس کو ایسا اثر اور تغیر ہو جبکہ وہ اس کا اہل بھی نہ ہو طبیعت کی ایک مقدار عموماً سب میں بشرطیکہ وہ مائل بالغ ہوں پائی جاتی ہے اور ایک خاص خاص انسانوں میں آدمی کو اپنی استعداد کا خود پتہ بھی نہیں چلا کرتا اور یہ بھی خیال لوگوں کا ایک نظر میں تغیر ہو گیا عموماً سب ہی ہوتا ہے اگرچہ جیسا میں نے بیان کیا بعض طبائع میں ایسا تغیر بھی ہوا مگر اس کی خاص وجوہ ہوتی ہیں اور یہ لوگوں کو معلوم نہیں ہوتا کہ یہ آلے والا پہلے کیا کر چکا ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کو دیکھئے کہ اپنے شیخ خواجہ ہارون رحمۃ اللہ علیہ کی اتنی خدمت کی کہ آجکل کوئی نہیں کر سکتا شیخ کی ڈانگیں نہ تھیں تو خواجہ اجمیری ایک بیگلی کے ایک پٹے میں شیخ کو اور دوسرے میں ان کے ضروری سامان راحت کو اور سر پر رکھے ہوئے چولے پر گرم پانی ہر وقت ضرورت پیش آنے پر شیخ کو وضو کرانے کے لیے ساتھ لیکر چلتے تھے اس طرح بغداد سے مکہ معظمہ مدینہ منورہ تک لے گئے حج کرایا شام کے مقامات کبریٰ میں لیتے لے پھرے اور یاد پڑتا ہے کہ بیس سال تک ایسی خدمت کی بعض کے پہلے مجاہدات ایسے ہوتے ہیں کہ بس ایک آنچ کی کسر ہوتی ہے جو نظر کیا اثر سے پوری ہو جاتی ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ یہ مجاہدات کے ثمرات ہوتے ہیں جس نے ایسے مجاہدات کر رکھے ہوں، وہ اس طرح تڑپنا سبے ہوش کرنا، بھر بھری پیدا کرنا، کچھ دکھا دینا، مرحوب کر دینا اور تصرف کر دینا

دفعہ بھی کر سکتا ہے ان کمالات کا تعلق وصول الی اللہ سے نہیں ہے پہلے زمانے کے لوگ قوی بھی تھے اور وہ ایسے مجاہدات کرتے بھی تھے کہ جس سے کچھ ایسی بات خیالی طور پر ہو جاتا کرتی تھی

مگر اب تصوف کا بھی خلاصہ نکل آیا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں جو لوگ حج کو ملتے تھے کئی سال میں پہنچتے تھے راستہ کی تفصیل سے ان کو واسطہ پڑتا تھا۔ مگر اب سواریوں میں ترقی ہو جانے سے جہاں سے چلا ہفتے میں اور ہوائی جہاز سے تو چند گھنٹے میں جا کر حج کر لیتے ہیں اور اسی طرح واپس آ جاتے ہیں اب اگر کوئی پہلا حاجی زندہ ہو جاتے اور آجکل کے حاجی سے کہے تم حاجی ہو بتاؤ فلاں گاؤں کے پاس جو کیکر دہ کی بنی کھڑی ہے راستہ اس کے دائیں کو جاتا ہے یا بائیں کو تو آجکل کا حاجی اس کو کوئی جواب نہ دے سکے گا اور آئندہ شاید اس سے بھی سترج السیر سہاری نکل آئے اور آئندہ کے حاجی کو اتنا بھی معلوم نہ ہو سکے جو آجکل کے حاجی کو معلوم ہو جاتا ہے تو اب یوں نہیں کہہ سکتے کہ آجکل کے حاجی کا حج نہ ہوا یا کچھ ناقص حج رہا۔ وہ تو خلوص پر موقوف ہے ہو سکتا ہے کہ کسی آجکل کے حاجی کا حج کسی ماضی کے حاجی کے حج سے مشقت میں کم ہو مگر خلوص کی وجہ سے برابر ہو۔ اور زیادہ کامل ہو خلوص کی زیادتی کی وجہ سے ان سفروں کی مشقتوں کو حج کی حیثیت مقرر کرنے میں کوئی دخل نہیں اور اگر کسی طرح دخل بھی مانیں تو ان کو وہی مشقت مشقت تھی۔ اور آجکل کے لوگوں کو آجکل کا سفر بھی ویسا ہی مشقت کا پڑتا ہے یہی حال ان حالات تلکے جو پہلے صوفی بزرگوں کو پیش آئے اور ان کی کتابوں میں ان کا ذکر ہے ان کتابوں کو دیکھ کر اگر کوئی کہے کہ آجکل تو مجھے ویسے حالات پیش نہیں آتے اس لیے شاید مقصد میں کمی رہی تو یہ بات درست نہیں۔ ایسا ہی شاید شیخ نور عالم صاحب کو بھی منہ لگ گیا ہو۔

ایک مولوی صاحب کا سوال تھا کہ اب جو صورت وصول الی اللہ کی نکالی گئی وہ ذہنوں کے تنزل کے باعث ہے یا ترقی کے۔ فرمایا کہ اس میں ترقی اور تنزل کو دخل نہیں ہے ہر زمانہ کے مناسب حال رنگ ہوتا ہے اور اب نہ زوائد کی ضرورت ہے اور نہ زوائد کا اس وقت اتنا علم ہوا جتنا تجربات سے بعد میں ہوا اور زوائد ترک کر دیئے گئے اب وصول الی اللہ کے آسان ہونے کی طرح بالکل آسان ہو گیا ہے اب تو کچھ خواہشات کو دہنا اور کچھ کرنا کرنا اس سے وصول ہو جاتا ہے باقی اس کا یہ مطلب نہیں کہ پھر کچھ نہیں کرنا، کرنا تو یہاں عمر بھر کا ہے اس زمانہ میں لوگ زیادہ قوی ہوتے تھے بعض امراض کے انا لہ کیلئے ریاضتیں ضروری بھی ہوتی تھیں۔ دیکھو بادا فرید علیہ الرحمۃ نے صلوة معکوس کہ شہوة کیلئے کی اگر کھٹی آج کرے تو عین ہو جائے اور دماغ کھو بیٹھے اور بادا صاحب کی اسکے باوجود اتنی اولاد ہوئی کہ ملک ان کی اولاد کا بس رہا ہے، مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ ان لوگوں کی روحانیت زیادہ تھی یا آجکل سے کم۔ فرمایا کہ ان کی جسمانییت بھی زور کی تھی اور روحانیت بھی، آج دونوں کمزور ہیں اس لیے آج وصول کا وہ طریق مزدوں نہیں پڑتا۔ مولوی صاحب نے عرض کیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آجکل وصول الی اللہ زیادہ ہو رہا ہے۔ فرمایا یہ بات نہیں یہ تو زیادہ لوگوں کے اس طرف توجہ کرنے پر منحصر ہے طریق آسان ہے تم تو مولوی ہوا حدیث بھی سامنے ہیں کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ حالات کے ماتحت اس وقت طریق مشکل ہو مگر لوگ ادھر چلنے میں زیادہ اہتمام رکھتے اور زیادہ اس کام میں لگتے ہوں اور آجکل طریق آسان ہو جائے مگر لوگ اور مشاغل کی اہمیت کا ماحول ہو جانے کی وجہ سے اس کام میں کم لگیں۔

حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب نے دوسری مجلس میں یہ دریافت کیا کہ یہ طریق

جو نیا آسان نکالا ہے یہ کن اکابر نے نکالا ہے کیونکہ مولوی صاحب کی دریافت پر حضرت والا نے فرمایا تھا کہ یہ آسانی ہمارے اکابر کی تجویز کر دے ہے جو اپنے زمانہ کے تصوف کے مجتہد اور حاکم ہوتے ہیں نہ کہ متعلد اور محکوم۔ فرمایا کہ یہی حضرت گنگوہیؒ حضرت حاجی صاحبؒ اور حضرت نانوتویؒ وغیرہم اکابر مراد ہیں اور ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بھی میرے خیال ہے کہ وہ تصوف پر حاکم تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا تھا کہ مولوی صاحب جس طرح مہربان کا خلاصہ اور روح نکل آئی ہے تصوف کا بھی اب خلاصہ نکل آیا ہے۔ حضرت بہلولنگری نے ایک دفعہ چلے کے لیے عرض کیا تو فرمایا کہ چلہ کیا اعتکاف کہو اور فرمایا لوگ باہمت ہیں جو بھوک پیاس کھٹتے ہیں اور شہائد برداشت کرتے ہیں مقصود تو اللہ تعالیٰ اس کے بغیر بھی عنایت فرما دیتے ہیں۔

۲ صفر المظفر ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۰ دسمبر ۱۹۴۶ء ڈھوڑیاں

مولانا عبد الغنی صاحب نے اپنے پہلے پیر کے متعلق جس سے اجازت لیکر یہ حضرت سے بیعت ہوئے بتایا کہ وہ توجہ سے لوگوں پر میرے سلسلہ اثر ڈال دیتے تھے مگر میں نے خیال بٹایا تو مجھے کوئی اثر نہ ہوا ایسا متعدد مرتبہ ہوا حضرت والا نے فرمایا کہ یہ چیزیں اگر اہل حق کریں تو غیر مگر ان سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ اکثر نقصان ہوتا ہے حقوق بغیر کسی ضرورت کے اس کو نہیں کرتے یہ تو تماشہ ہے چنانچہ ایک ہیر کا قلعہ بنایا جس نے حضرت کے ایک مرتبہ کو حضرت والا کے پاس آنے سے توجہ دیکر روکا مگر وہ نکل نکل کر بھاگتا تھا اس سے ان کا کوئی سوا دنیوی فائدہ کے نفع نہ تھا اور وہ شخص صحت اور قلب کے اعتبار سے اس طرح

تباہ ہو گیا۔ نیز حضرت والانس نے ایک بات کے سلسلہ میں فرمایا کہ یوپی میں ایک شخص کلکتہ گئے ہوئے تھے وہ بتاتے تھے کہ ایک پیر صاحب اس شہر میں آنے والے تھے چونکہ ان کی حادثہ بیان یہی اور دیوبندی اکابر کو گالی دینا تھی اس لیے کشتن کلکتہ اور دیگر حکام نے باہمی مشورہ سے ان کے وہاں پہنچنے پر دفعہ ۱۲۲ لگادی۔ مگر فوراً لگے روز گورنر سے براہ راست حکم موصول ہوا کہ ایسا مت کرو۔ نیز فرمایا کہ ڈاکٹر امیر احمد صاحب جو دہرہ دوں رہتے ہیں کا ایک عزیز گورنر کے دفتر کا اعلیٰ کلرک ہے جو گورنر کی پیشی میں رہا ہے وہ ڈاکٹر صاحب کے سامنے بیروں کو بڑا کتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے منع کیا تو اس نے کہا کہ جب میرے سامنے ہے کہ یہ لوگ گورنر کے کوٹ چلنے میں دریغ نہیں کرتے تو میں ان کا معتقد کیسے ہوں۔ وہ حکایت اشاعت ملی جس میں ایک بریلوی اور ایک دیوبندی کو ڈپٹی کمشنر تنخواہ دے کر دونوں کے ذریعہ لوگوں کو ان مسائل کے مہمیلوں میں الجھانے رکھتا تھا۔ آج شام کی مجلس میں مولانا حبیب الرحمن صاحب نے عرض کیا کہ صبح والی تقریر تھوڑے سے بیان کے طرز کے اختلاف کے ساتھ حضرت والانس پہلے بھی بیان فرمائی ہے مگر مجھے ابھی تک الجھاؤ باقی ہے۔ حضرت والانس فرمایا تم تو تمام باتوں کو جو بیان کی گئی ہیں چونکہ احاطہ نہیں کرتے اس لیے الجھاؤ ہے ورنہ وہ تو کوئی عجیب و غریب بات نہیں عام اور معمولی بات ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر شے کے تین دور ترقی، کمال اور زوال کے ہوتے ہیں خدا تعالیٰ نے چاہا کہ وہ پہچانے جائیں لہذا تخلیق ہوئی اور حضرت نے تخلیق کے متعلق قدیم و جدید نظریات بیان فرمائے کہ ان میں تزییع وغیرہ سے بحث نہیں تو پہلے جو مہر یعنی وہ مادہ پیدا ہوا جسے قدیم و جدید علماء سب کہتے ہیں کہ اس کو محسوس کسی طرح نہیں کیا جاسکتا۔ دلائل سے اس کا اثبات سب کرتے ہیں پھر کثیف مادی اجسام کا وجود ہوا اور یہ سب مادی تعالیٰ کی صفات کے پر تو ہیں۔ جمادات کے بعد حیوانات مخلوق

سے شروع ہوئے اور اتنے بڑے ہوئے کہ قطب جنوبی کی مہم والوں کو بیس بیس سال آئے
ایک برف کا توڑا ٹوٹا تو ایک جانور کی نعش ملی جس کی ہیل پچاس فٹ تھی اور شاید اس سے بھی
بڑی مخلوق جو جسمانی کمال کے بعد اب جسمانییت کا زوال بھی سامنے ہے یہاں یہ کتنا چاہتا ہوں
کہ جمادات کے بعد نباتات اور پھر حیوانات سب کو ترقی کا ایک نصف النہار اور معراج کمال
عطا ہوا اور پھر زوال، اسی طرح انسانیت کہ دیگر سب مخلوق سے زیادہ صفات کثیرہ کے پر تو
کا حامل ہے اس میں بھی سب فوائد ترقی ہوتی اور بیوں میں بھی ایک سے ایک کا درجہ بڑھا
ہوا ہے اور مرد کامل اکمل انسان آخر ایک ہونا تھا وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے ہیں۔
اس کے دلائل کو غیر ضروری سمجھا ہوں اگرچہ حدیث لَوْلَا لَمْ يَخْلُقِ الْفَلَاکُ لَقَدْ
ایک موضوع حدیث خیال کی جاتی ہے مگر معنوں کے اعتبار سے محدثین نے اس کو صحیح قرار دیا
ہے تو گویا فناء تخلیق یعنی معرفت میں حضور کو وہ شرف ملا کہ اس سے اوپر سلسلہ ختم ہو گیا۔ اس
کے بعد ولایت اسی سلسلہ میں اب غادیت کے فرائض ضرور انجام دے رہی ہے مگر یہ سوال
کا پہلو ہے اب جس شخص کو جو استعداد ملی ہے اس کے اعتبار سے اسے معرفت حاصل ہوتی ہے
تو جن کے لطائف نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیادہ مشابہ ہیں وہ معرفت میں زیادہ حصہ لے
لیتے ہیں دوسرے کم۔ مولانا حبیب الرحمن صاحب نے عرض کیا کہ غیر مسلم جس کی صلاحیت تو
اوپر چلی ہے اس لیے اسے معرفت میں کافی حصہ اس کو حضرت کی تقریر کے مطابق ملتا ہے مگر ایسا
نہ لانے سے اس میں کیا کمی رہی جو مومن کو حاصل ہو فرمایا کہ تم سمجھتے نہیں اگر کسی غیر مسلم کی معرفت
کے مناسب حال اوپری صلاحیت ہے تو ضرور ہے کہ ایمان اس کو ابتداء میں حاصل نہ تھا تو
بطور تغرہ (یعنی وہی طور پر ایک دم) اسے ایمان مل جائے گا۔ جو غیر مسلم ایمان سے بے بہرہ
رہتا ہے وہ سو استعداد کی وجہ سے ہی تو رہتا ہے اور جس میں استعداد ہوتی ہے اسے ایمان

بھی ضرور ملے گا۔ کیونکہ معرفت اور اس کا نتیجہ ہے ایمان یعنی یقین عام مومن کا بڑے سے بڑے
گیانی غیر مسلم سے اسی لیے بڑھا ہوا ہوتا ہے کہ مومن میں صلاحیت اور استعداد زیادہ ہے اگرچہ
وہ معرفت کے تفصیلی ذرائع سے حاصل نہ ہوا ہو۔

۳، صفر ۱۳۶۹ھ ۲۸ دسمبر ۱۹۴۹ء - دھوڑیاں

صبح کو قیام گاہ پر حضرت والائے فرمایا کہ جب مرزا غلام احمد نے اپنی کتاب براہین مکھی
تو بعض لے لیکر یوپی پہنچے اور ہمارے اکابر سے بھی چاہا کہ ایسی مدلل کتاب حمایت اسلام میں
لکھنے والے کو مجبوراً مانجھتے اس زمانہ میں حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری
اور حضرت مولانا مظہر الدین صاحب اور دوسرے حضرات حیات تھے۔ حضرت گنگوہی کے
پاس یہ بات لیجانے والوں کو حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ نے تو یہ جواب دیا کہ میں یہاں ہوں مجھے
حالات معلوم نہیں سہارنپور اور ادھر یعنی پنجاب کے علماء سے لکھوالہ میں بھی تائید کرونگا اس
طرح ملا دیا اور سہارنپور والوں نے کہا کہ کتاب کے مضامین کی تائید و تنقید تو ایک بات ہے
مگر مجبوراً مانجھنا یہ تو دوسری لائن کی بات ہے اس لیے میاں صاحب یعنی میاں شاہ عبدالرحیم
صاحب رحمہ اللہ سہارنپوری کے پاس جاؤ۔ میاں صاحب ظاہر طور پر پڑھے ہوئے کچھ نہ تھے
فرمایا کہ بھائی طلحہ سے پوچھو میں اس کتاب کو نہ پڑھ سکتا ہوں نہ یہ میرا کام ہے۔ عرض کیا گیا
کہ علماء نے ہی فرمایا ہے تو فرمایا کہ بھائی مجھ سے پوچھتے ہو تو سن لو کہ یہ شخص تھوڑے دنوں میں
ایسے دمے کرے گا جو نہ رکھے جائیں نہ اٹھائے جائیں وہ لگے جربز ہوئے کہ دیکھو علماء تو
علماء، درویشوں کو بھی دوسرے لوگوں کا شہرت پنا گناں گزر رہے ہیں صاحب نے
فرمایا کہ بھائی مجھ سے پوچھا ہے تو جو سمجھ میں آیا بتا دیا ہم تو اس وقت زندہ نہ ہیں گے تم

اب آگے دیکھ لینا۔

نیز حضرت والد نے فرمایا کہ مولانا مولوی نواز ش علی صاحب سے ہی سنا ہوا ہے جو حضرت میاں صاحب یعنی میرے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے پیر کی خدمت میں بیس سال رہے اور تمہارے آنے سے ذرا پہلے تک بہٹ کی جامع مسجد کے امام رہے ہیں بہت اچھے آدمی تھے جن کا انتقال ہو گیا کہ حکیم نور الدین جو بعد میں اخلاص احمد خلیفہ تھے حضرت میاں صاحب کی خدمت میں گیا بات یہ تھی کہ جموں کا ہندو راجہ پیشاب کے مارغہ میں بیمار تھا بہت علاج ہوئے، حکیم نور الدین نے بھی علاج کیا جب فائدہ نہ ہوا تو راجہ دودیشوں اور فقیروں کی طرف متوجہ ہوا حکیم نور الدین کو حضرت میاں صاحب کی خدمت میں سہارنپور بھیجا اور انہوں نے راجہ کی طرف سے مرض کیا کہ آپ جموں تشریف لے چلیں آپ کو آپ کے ساتھیوں کو سیکند ٹکلاص کا آمد و رفت کا کرایہ شاہی مہمانی اور پاکی سورد پہ بھٹو مندیش کیا جائے گا راجہ کے لیے شفا کی دعائیں فرمائیں، میاں صاحب نے فرمایا کہ راجہ کا اسی بیماری میں انتقال کرنا لرح محفوظ میں لکھا ہوا ہے میں دعا کروں گا مگر تین شرطیں ہیں اگر وہ راجہ پوری کر دے تو میں دعا کروں گا جس سے جب تک اس نے زندہ رہتا ہے بیماری کی تکلیف نہ ہے گی اور جب موت آئے گی تو اس وقت یہ بیماری خود کرتے شرطیں یہ ہیں کہ راجہ اگر اس کا دل ملے مسلمان ہو جائے دوسرے اپنی راجدہانی میں قربانی گاؤں سے پابندی اٹھا دے تیسرے اذان بلند آواز سے کہنے کی جو بندش ہے وہ اٹھا دے۔ حکیم نور الدین نے دوبارہ آکر جواب دیا کہ راجہ نے کلمہ مجھے مسلمان ہونے میں دل سے انکار نہیں مگر ایسا کیا تو میری قوم مجھے ہلاک کر دے گی اور قربانی گاؤں سے پابندی اٹھانے سے بھی میرا ہی حشر ہو گا البتہ اذان بلند آواز سے کہنے کی میں اجازت دے دیتا ہوں میاں صاحب نے فرمایا کہ میں دعا

کرتا ہوں جو اللہ کو منظور ہوگا ہوگا مگر تینوں شرطیں مان لیں تو انشاء اللہ مذکورہ بالا طریق پر شفا
 تاحیات ہو جائے گی اور موت کے قریب مرض عود کر آئے گا حکیم نور الدین نے راجہ کی طرف
 سے میاں صاحب کو وہاں چل کر دعا کرنے پر اصرار کیا کہ ہو جائے جو ہو جائے آپ چل کر دعا
 کریں راجہ کے لیے بیماری میں سفر محال نہ ہوتا تو اس کا زیارت کا شوق بھی سہا صاحب بے حد
 ہوا تو فرمایا نہ بھائی جلتے تو نہیں اپنے آدمیوں کو دعا کے لیے آپ کے اصرار پر بھیج دیتا ہوں
 چنانچہ مولانا مولوی نور محمد صاحب بنی ام الدارس لدھیانہ ان دنوں وہاں پڑھا کرتے تھے
 ان پر سو روپیہ قرض تھا اس سے پہلے مولوی صاحب نے اپنے قرض کی میاں صاحب سے
 شکایت کی تھی اور میاں صاحب نے مولوی صاحب سے فرما رکھا تھا کہ صبر کرو اس کا وقت
 بھی آرہے گا۔ چنانچہ اس موقع پر میاں صاحب نے مولوی نور محمد صاحب اور مولوی نواز
 علی صاحب کو جہول بھیجا۔ ان کو سو سو روپیہ دیا گیا مولوی نور محمد صاحب نے اپنا قرض چکا دیا۔
 قیسری دفعہ حکیم نور الدین صاحب پھر میاں صاحب کی خدمت میں آئے جب جلتے گئے تو
 مولوی نواز علی صاحب کا بیان ہے کہ میاں صاحب نے جب حکیم نور الدین صاحب جلتے
 کے لیے رخصت ہو چکے تھے دوبارہ حکیم نور الدین کو بلوایا اور فرمایا کہ دیکھو دو تین مرتبہ آپ
 آئے ہو ایک طرح کا دوستانہ سا ہو گیا ہے تو اب میرا حق ہے کہ میں ایک نصیحت کی بات
 آپ کو کہوں کیا پنجاب میں کوئی جگہ قادیان ہے عرض کیا کہ ہے فرمایا وہاں کا ایک شخص ظاف
 دین بڑے بڑے دعاوی کرتا چلا جائے گا عرض کیا کہ وہ ہے اور ایسا ہی کر رہا ہے فرمایا کہ میں
 لوح محفوظ پر حکیم صاحب آپ کو اس شخص کا مددگار لکھا ہوا دیکھتا ہوں۔ ہوگا تو وہی جو خدا
 منظور ہوگا مگر میری نصیحت یہ ہے کہ اس سے بچنا حکیم نور الدین نے عرض کیا کہ حضرت
 ابھی تک تو بچا ہوا ہوں آپ دعا فرمائیں۔

مولوی عبدالغنی صاحب نے حضرت والد سے عرض کیا کہ حضرت فاکرین کو ذکر کرتے ہوئے سنا تو آج میں نے غور کیا کوئی کسی طرح ذکر کر رہا ہے کوئی کسی طرح اس کا کوئی مقرر طریقہ ہے جو ضروری ہے یا ذکر مقصود ہے خواہ کیسے ہو۔ فرمایا کہ بزرگوں نے جو طریق مقرر کیا ہے چاہیے کہ اسی قاعدے اور طریق سے ذکر کیا جائے اس سے جلد نفع ہو گا ہے اور ویسے بھی ذکر کیا جائے تو خالی از نفع نہیں۔ مگر اس طرح دیر میں درود و سحر اس نفع ہو گا ہے ہمارے ہاں ایسا ہی حال ہے بتلایا تو سب کو ہے مگر جس کا جس طرح دل چاہے کرنے لگتا ہے غیر کرتا رہے تو جیسے بھی ہر نفع سے خالی نہیں اگر چہ یوں دیر میں نفع ہو گا ہے عرض کیا گیا کہ نفع سے ثواب مراد ہے جو آخرت میں معلوم ہو گا یا کچھ اور فرمایا ہے تو ثواب ہی، مگر مراد یہ ہے کہ آثار ذکر پیدا ہو جاتے ہیں اور انوارات پیدا ہو جائیں۔ آثار ذکر یعنی انسان کا دل خدا کے سوا غیر کی محبت سے چھوٹ جائے اور کچھ اللہ تعالیٰ سے انس پیدا ہو جائے کیونکہ انسان انس سے مشتاق ہے مولانا مولوی عبدالغنی صاحب نے فرمایا کہ صبح ایک صاحب ایسا ذکر کر رہے تھے کہ مجھے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ وہ لا الہ سے ابتداء کرتے ہیں بلکہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ لا الہ اللہ سے ابتداء کرتے ہیں اور لا الہ پر انتہاء، مگر جب وہ تسبیح ختم کرتے ہیں یا ٹھہرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ لا الہ اللہ پر ختم کر رہے ہیں حضرت والد نے فرمایا کہ یہ تو غلط ہے لا الہ سے شروع کرنا چاہیے اور لا پر ذرا سکتے تو ہو، مگر وقف نہ ہو اور لا اللہ کے بعد اس سے زیادہ فصل کیا جائے جتنا اللہ پر سکتے کیا جاتا ہے مولوی عبدالغنی صاحب نے حضرت والد سے یہ بھی دریافت کیا کہ حضرت اس ذکر کی کوئی حد بھی ہے یا ہمیشہ کا قصہ ہے حضرت والد نے فرمایا کہ ہمیشہ اس کے پورا ہونے کا ایک وقت ہو گا اور بتایا والا ہی اس کو بتاتا ہے پھر ایسا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہتی اگر کوئی کچھ نہ کچھ کر لیا کرے تو وہ اس کی مرضی اور بعض اوقات وقتی ضرورت کے طور پر ہو سکتا ہے پھر تو ایسا ہو گا ہے کہ

آثار ذکر میں کسی کو نفل نماز دل سے انس ہو جاتا ہے کسی کو ملکوت قرآن سے کسی کو تعلیم و تعلم
 سے اور کسی کو کسی اور دینی کام سے کسی کو مفاد عامہ کے امور سے اور انتظامِ سیاسی سے کہ
 صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے اکثر کو اسی سے تھا جس کے ماتحت انہوں نے دنیا میں
 صل و انصاف قائم کیا۔ رفاہِ عام کے کاموں کو سرانجام دیا جہاد کئے اور اشاعت و ترویج
 دین کی۔ گو ہر ایک کا مخصوص رنگ مقبوضاتِ حق پر الگ بھی ہوتا تھا پس ذکر جب پورا ہو جاتے
 تو پھر اعمالِ صالحہ کی کثرت اور نفلِ عبادتوں سے کہ ان تمام امور میں فراغ، واجبات
 اور نفلِ درجہ کے امور ہوتے ہیں واسطہ رہ جاتا ہے اور وہ حدیث قدسی میں جو آیت ہے کہ میرا
 بندہ نوافل سے میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے
 وہ کام کرتا ہے پاؤں ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا
 ہے او کا قال الخ۔ ایک مولوی صاحب نے سوال کیا کہ اس سے تو ہمارا دستِ ملے
 دلیل پکڑتے ہیں اصل مطلب اس کا کیا ہے اور مولوی عبد الغنی نے یہ سوال کیا کہ یہ اذکار کے
 مخصوص طرزِ بزرگوں نے استنباط کئے ہیں یا تجربہ سے لے جاد کئے ہیں یا الہام ربانی سے معلوم
 کئے ہیں دونوں کے سوالات کا حضرت والائے ایک ہی جواب دیا کہ جب کوئی بندہ اس
 حدیث قدسی کا مصداق ہو جاتا ہے تو پھر جو کچھ اس کے دل میں آتا ہے وہ سب اللہ کی طرف
 سے ہوتا ہے اور کامل اصلاح کا یہی مطلب ہے باقی وحی سے قائم کردہ شریعت کے خلاف
 ہو تو وہ خیال قابلِ اعتناء نہیں ہوتا اور دوسرے نفسانی ہوتا ہے کیونکہ وحی تو وحی ہے جس کے
 ذریعہ حق و باطل کو واضح کر دیا جاتا ہے اور اصولی امور قائم کئے جاتے ہیں جزئیات کے اخذ کے
 لیے جزئیات کی مثالیں تک بھی وحی کے ذریعہ واضح کر کے راستہ کھول دیا جاتا ہے آنکھیں کان
 وغیرہ ہو جانے سے یہی مراد ہے کہ کامل رضا، کامل اصلاح اور خلوص نیت اور کمال فنائیت

حاصل ہو جاتا ہے۔

آج کھانچے کے وقت ایک جگہ کے ہیڈ ماسٹر صاحب آئے تھے انہوں نے کسی مولوی صاحب کے دھڑ میں ایک بزرگ کی حکایت سنی کہ قیامت میں ان سے سوال ہوا کہ کیلئے ان کو اپنی توحید پرستی پر ناز تھا سو عرض کر دیا، باری تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک دفعہ تم کو درد ہوا تھا تو کتنا تھا کہ دودھ پینے سے ہما تو توحید کیا رہی، جاؤ ان کو جہنم میں ڈال دو، راستہ میں خواجہ احوار نظر آئے انہوں نے فرشتوں کو ٹوکا کہ علامہ جامی کو ادھر کیوں لے جا رہے ہو ماجرہ عرض کیا تو فرمایا جاؤ باری تعالیٰ میں عرض کر دو کہ خواجہ احمد نے روک دیا ہے یہ قصہ سنا کہ ماسٹر صاحب نے عرض کیا کہ پھر عامۃ مومنین کی توحید تو بے کار ہوئی، حضرت والانے فرمایا کہ اول تو یہ کسی کو خواب نظر آیا ہے خواب صحیح بھی ہو تو پھر یہ ان کے مرتبہ کے مطابق پڑھتی حوام اس کے مکلف نہیں ہیں کیونکہ ایسے الفاظ حدیث سے بھی ثابت ہیں جو کہ حضور نے بھی فرمائے اور تاثرات سے نتائج کو فسوب فرمایا جو بالکل ظالم اور عام ہے لہذا ہم سے انشاء اللہ ایسے معاملات میں گرفت نہ ہوگی تیسرے وہاں نبات مجز سے ہے کوئی عمل اور کمال وہاں پہنچ ہے وہ بھی چلے پھر بھی بڑا فضل سے پار ہوگا اگر وہاں باریک مہیا گیا تو پھر کون کا سکتا ہے اس لیے انشاء اللہ ہم سے ایسے سوال نہ ہوں گے نہ ایسی پچہن فکر نہ کیجئے مگر اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ قلعہ و اعمال سے غفلت اور لا پرواہی برتی جائے۔

۵ صفر ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۰ دسمبر ۱۹۱۵ء دھڑیاں

عصر کے بعد کی مجلس میں حضرت تھانویؒ کے بارہ میں آخر میں لیکسے مایوس ہو کر

الگ ہو جانے کا ذکر ہوا نیز الیکشن میں لیگ کے حق میں بیان دینے سے خاموشی اختیار کرنے
 کو حضرت تھانویؒ کے متوسلین کے مناسب سمجھنے کا ذکر ہوا لیکن بعد میں حضرت تھانویؒ کے
 نام سے اشتہار بازی لیگ کے حق میں شروع ہوئی تو مولانا عبد الجبار صاحب نے اس
 اشتہار بازی کے رد میں اعلان شائع کر دیا تھا اس تذکرہ پر حضرت والد نے فرمایا کہ مولوی
 عبد الجبار صاحب تو جواب اب جواب کا جواب شائع کرنے کو تیار تھے مگر میں نے کہا کہ نہ تو
 کوئی مسئلہ ہے اور نہ کوئی جان کر مانتا ہے اس لیے فضول ہے اس لیے وہ اشاعت سے رک
 گئے نیز فرمایا کہ حضرت کی زندگی میں مولانا عبد الجبار صاحب جو مولانا تھانویؒ کی جماعت دعوت
 الحق کے واحد سرگرم مبلغ تھے وہ لیگ کے جلسوں میں حضرت کے حکم سے تشریف لے جاتے
 رہے اور وہاں کی دین سے بے اعتنائی بلکہ لیگ کے اعلیٰ طبقہ کی اسلام دشمنی کے حالات
 کی حضرت کو آکر رپورٹ دیتے تھے تو ایک دفعہ الگ مولانا عبد الجبار کو مولانا شبیر علی صاحب
 نے ڈانٹا کہ ایسے قصے آکر حضرت کو نہ سنایا کرو چنانچہ اس سلسلہ میں مولانا مولوی عبد الجبار صاحب
 نے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب سے مشورہ لیا حضرت شیخ نے مشورہ دیا کہ جانے دو
 ورنہ کسی ترکیب سے آپ کو حضرت تھانویؒ کے ہاں سے نکلوا دینے کا خطرہ ہے چنانچہ انہوں نے
 اس کا خیال رکھا نیز حضرت والد نے فرمایا کہ ایک دفعہ مولانا مولوی شبیر علی صاحب ہارنپور
 کے مدرسہ کی کمیٹی کے جلسے میں آئے اور بڑی چبا چبا کر باتیں کرنے لگے اور ہم لوگوں سے
 کہا کہ مدرسہ والوں کو اس سلسلہ میں بحث مباحثہ کر کے ایک طرف کا فیصلہ کر لینا چاہیے تو
 میں نے کہہ دیا کہ جس طرح آپ حضرات کو لانگ کس سے نفرت ہے اسی طرح مجھے لیگ
 سے نفرت ہے اور حضرت مدنی کا ساتھ نہیں چھوڑا جاسکتا اس لیے اگر ایسا فیصلہ کرنے کا
 خیال ہو تو میل استعفیٰ لیجئے اس وقت تو بات رہ گئی دوسری مرتبہ مولانا محمد شفیع صاحب کو

لے کر آئے اور سیر کبیر کیس سے مل گئی تو گفتگو کرنے لگے یوں نے کہا کہ علامہ حلوانی کیس یا سیر کبیر ہم تو حضرت مدنیؒ کا ساتھ چھوڑ نہیں سکتے ان علامہ حلوانی اور صاحب سیر کبیر کو کیا خبر تھی کہ کبھی مسلمانوں کو یہاں تک کی ہستی حالت میں جانا پڑے گا جو ایسی حالت کے متعلق مسائل ان میں درج کرتے اور ناظم صاحب نے بھی فرمایا کہ یہ کتابوں کی عبارت میں موجودہ حالات پر چسپاں نہیں ہوتیں ناظم صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب یہاں نہیں کبھی ان کے ملنے اس پر مفصل بحث کر لینا مگر اس کے بعد پھر نوبت نہیں آئی۔

حضرت والائے ہجرت کے سلسلہ میں فرمایا کہ سنگہ سنگہ میں جب ہجرت کی تحریک چلی تو دل لے پور حضرت شیخ الہند اور مفتی صاحب تشریف لائے، مجمع کی کثرت اور وقت کی کمی کے باعث حضرت شیخ الہند سے تو ذکر نہیں آیا مگر مفتی عزیز الرحمنؒ سے میں نے پوچھا کہ واقعی اب جو ہجرت نہ کریں گنہگار ہوں گے جیسا کہ عام طور پر فتویٰ دے دیا گیا ہے مفتی صاحب نے فرمایا کہ واجب تو ہجرت نہیں ہے البتہ زیادہ سے زیادہ مستحسن کہہ سکتے ہیں چونکہ لوگ ہجرت کر رہے ہیں اس لیے ان کی دل شکستی نہ ہو یہ فتویٰ دیدیا گیا ہے میں نے عرض کیا کہ مقرر تو اسے فرض واجب کا مرتبہ دیتے ہیں مفتی صاحب نے فرمایا کہ کبھی بات کو مرغوب خاطر بنانے کے لیے مقررین ایسا ہی کیا کرتے ہیں تب میرا غلبان ان دنوں دور ہوا حضرت والائے یہ بھی فرمایا کہ ہجرت تو عاشقی کرنا ہے حضرت مدنیؒ کے والد صاحب نے عشق و محبت میں ہجرت کی تھی خود اپنے ہاتھ سے وہ مکان بنایا تھا جو بعد میں برباد ہو گیا تھا اور وہ باہر ٹونکس کی رباط سے آگے ہے ترک شہر میں زیادہ جگہ رکھنا میں حضرت مدنیؒ کے والد اور بھائی

کو کہیں پنچا دیا گیا کسی کو کہیں اور حضرت کے والد کو اوڈیا فوہل پنچا دیا تھا حضرت مدنیؒ کے بھائی جب وہاں سے چھوٹ کر آئے تو دوبارہ اس برباد مکان کے کھنڈروں میں رہے اور ایک

جدو چور لے آپ پروا کیا تو ایسے خدشات میں وہاں سے باب مجیدی کی طرف ایک جگہ اگر
خریدی اور پھر مکان اور مدرسہ کی بنیاد رکھی جب ہم اولاً حج میں گئے تو اس مکان میں رہتے
اس میں کچاس ساٹھ مایوسوں کا بخوبی گزر ہو سکتا تھا جب دوسری دفعہ حج میں گئے تو اس مکان
کی زیارت کو بھی گئے تو وہ بالکل ٹوٹ پھوٹ چکا تھا گو یا کسی نے اوپر ہل چلا دیا ہے۔

حضرت مولانا محمد علی صاحب ہالندھری نے واقعہ بیان کیا کہ دو آدمیوں کی دعوت پر
ضلع جالندھر میں ایک گاؤں میں تبلیغ اسلام اور تردید مرزائیت کے لیے گئے مگر جس مکان میں
ٹھہرا اس کے مالک کے نام کے بعد احمدی لکھا ہوا تھا وہاں چونکہ کچھ مرزائی تھے مجھے مغرب کے
بعد شبہ ہو گیا کہ یہاں ٹھہرنے میں مرزائیوں کی طرف سے میرے ساتھ کوئی شرارت نہ ہو پھر رات
کو تردید مرزائیت پر تقریر کرنے سے روکنے میں مینز بانوں اور دوسرے مرزائیوں میں صلاخ مشو
کی طوالت رہی، اس وقت معاملہ حل گیا، صبح کو میں نماز کے بعد ذرا سو گیا کہ پھر جمعہ کی وجہ سے
موقعہ نہ ملے گا لیٹے لیٹے میں ان لوگوں کی باتیں سناتا رہا۔ دو آدمی مرزائیت کے بارہ میں جھگڑنے
کے لیے بھی آئے مگر مجھے سو یا ہوا خیال کر کے چلے گئے پھر مجھے نیند آگئی تو میں خواب میں دیکھتا
ہوں کہ بہت خوبصورت بزرگ آسمان سے سیدھے زمین پر نازل ہوئے میں نے دریافت کیا
کہ آپ کون بزرگ ہیں فرمایا میں عیسیٰ بن مریم ہوں میں نے عرض کیا کہ آپ کے نازل ہونے کا وقت
تو ابھی دور ہے آپ پہلے ہی کیوں تشریف لاتے انہوں نے غصے کے لہجہ میں فرمایا کہ جب تم لوگ
میری حیات ثابت نہ کرو تو میں خود نہ آؤں تو کیا ہو، میں نے عرض کیا کہ حضرت ناراض نہ ہوں
آپ کی حیات ثابت کرنا تو ہمارے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے فیروزہ ثابت کروں گا چنانچہ بیدار بھٹنے
کے بعد میں نے اپنے بلانے والوں پر جو یہاں کے مرزائیوں کے رشتہ دار بھی تھے واضح کر دیا کہ
اگر یہاں کے مسلمان بھی تردید کی اجازت نہ دیں گے تو میں بازار میں ہندوؤں سے جلسہ کی جگہ لیکر

نے حضرت مولانا محمد علی صاحب ہالندھری سابق صدر مجلس برہمچریہ ختم نبوت پاکستان

تقریر کر دینا چنانچہ جمعہ کے بعد جامع مسجد میں چار گھنٹے طرزائیت کی اسکانی تردید کی۔ ایک مولوی صاحب سے ذکر کیا تو انہوں نے ایک حدیث بیان کی جو مجھے یاد نہیں رہی کہ انبیاء علیہم السلام کی شکل میں خواب میں شیطان دکھائی نہیں دے سکتا۔

اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ یہ پیغمبر ہی تھی کہ تقریر سے رکنا نہ جلتے نیز حضرت والا نے فرمایا میں اس پہ ہوں کہ یہ خواب میں خداوند تعالیٰ بحیثیت اپنے اسم ہادی کے یا انسان کے اپنے مربی اسم باری کے ہر انسان کا مربی اسم الگ الگ ہے وہ کسی بزرگ کی اگر استعداد اس سے اچھی ہو تو کسی نبی کی شکل میں اور پھر اور زیادہ استعداد اعلیٰ ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں خواب میں اور بعض اوقات ویسے ہی جسے کشف کہہ دیتے ہیں متشکل ہو کر کوئی ہدایت دے جاتا ہے اور یہ بھی ہو جاتا ہو گا کہ وہ بزرگ ہی نظر آجائے آخر جسم خاکی میں تو کائناتیں اور نہ روح کے لیے آنا جانا ہوتا ہے کہ حضرت بہاولنگری علیہ الرحمۃ ان حالات سے بہت گزرے ہوئے تھے اپنے استاد کو دہلی میں ایک حدیث کے متعلق عرض کیا کہ جناب نے جو تقریر اس حدیث میں فرمائی ہے وہ غلط معلوم ہوتی ہے۔ حضرت والا یعنی شاہ عبدالرحیم صاحب (رابع پوری) ابھی اس حدیث کی یہ تقریر کر گئے ہیں۔ استاد سن کر حیران ہوئے اور فرمایا کہ یہ تقریر نہایت سلیس ہے باقی جو میں نے کی تھی غلط وہ بھی نہیں طلباء جو مولانا بہاولنگری سے پڑھتے تھے ان میں سے ایک صاحب فرماتے تھے کہ حضرت بہاولنگری رحمہ اللہ کو کربید جاتے اور کشتے تھے کہ سبق میں جو کسی نے پوچھا ہے پہچانے اور جس علم سے گفتگو کرنی ہو سکے طلباء حیران تھے کہ اب مولانا کو اتنا علم ایک دم کہاں سے آگیا مولانا کا یہ حال تھا کہ رات کو ذکر میں گذرتی اور مطالعہ دیکھنے کا وقت نہیں ملتا تھا طلباء بھی مستعد تھے مگر حضرت بہاولنگری باوجود مطالعہ نہ دیکھنے کے پہلے سے زیادہ اعلیٰ اور اچھی تعاریز کرتے تھے خود حضرت بہاولنگری

نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لکھا تھا کہ حضرت مجھے علوم تو تمام آگئے ہیں حضرت
 نے فرمایا خدا مبارک کرے مگر یہ رہنے کے نہیں چنانچہ بعد میں ایک دفعہ حضرت بہاولنگری
 سے میں نے پوچھا تو فرمایا اب وہ علوم نہیں رہے، بعد از عرصہ بسیار ایک دفعہ اس کا ذکر
 بطور شکایت کے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچایا گیا کہ حضرت پہلے بڑی اچھی حالت
 تھی اب کچھ نہیں، فرمایا کہ پہلی حالت ہی کچھ نہ تھی حضرت والالے ایک بات یہ بھی فرمائی کہ
 حضرت بہاولنگری علیہ الرحمۃ کی بڑی عالی استعداد تھی اور بڑے بڑے حالات آپ پر گئے
 ہیں۔ حضرت بہاولنگری علوم میں زمانہ طالب علمی میں بڑے مستعد طلباء میں سے تھے اور اسی
 وجہ سے بعض اوقات اساتذہ سے علمی لڑائی بھی بندہ جاتی تھی نیز فرمایا کہ حضرت مولانا بہاولنگری
 رحمۃ اللہ لے اخیر زمانہ میں ایک خط لکھا کہ رستے پور میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جا کر میرا
 سلام عرض کرو اور عرض کرو کہ بھلوں کو بھلی لگ جہے۔ میں نے ایسا ہی کیا اور سخت گرمیاں
 حل جانے پر یہ دریافت کرنے کے لیے گیا کہ یہ کیا بات تھی غالباً کوئی بات حضرت کو پیش آئی
 ہوگی مگر جب وہاں گیا اور کئی دن رہا بھی تو بالکل پوچھنا یاد نہ رہا آخری دفعہ جب میں وہاں
 حاضر ہوا تو بڑے خوش ہونے اور دریافت فرمایا کہ کتنا قیام ہوگا عرض کیا کہ حضرت دس دن
 فرمایا بہت اچھا مگر دو چار دن بعد ہی مولوی عبدالعزیز صاحب کے بھائی چودھری عبدالحمید
 خان گتھلوی گتھلہ میں سخت بیمار تھے مولوی عبدالعزیز صاحب کا خط آگیا اور مجھے طلب کر لیا
 تو مجھے واپس ہونا پڑا میرے آنے کے غالباً تین دن بعد حضرت کا وصال ہو گیا اگر میں دس
 دن وہاں ٹھہرتا تو حضرت کے جنازے میں شامل ہو جاتا ایک دفعہ خواب میں حضرت بہاولنگری
 کی زیارت کی عرض کیا کہ حضرت آپ تو انتقال کے بعد تمام حالات سے بے خبر ہو گئے ہیں
 کیا گزری فرمایا کہ جب روح تن سے جدا ہوتی تو میں اپنے آپ کو جدا نہیں پتا۔

فرمایا کہ حضرت نفی جی صاحب بھی بڑے ذہین تھے ذہنی انتقال آپ کا بہت ہی جلد ہوتا تھا چنانچہ ایک شخص نے دیر تک باتوں میں بڑی محبت کا اظہار کیا آپ نے بعد میں فرمایا کہ سب علی اللسان جب آپ کا زمانہ وصال قریب آیا تو دریافت کرنے پر کہ کب زیارت ہوگی لکھا کہ اب طبیعت سب سے الگ یا فرمایا یکسو ہو گئی ہے یہاں تک کہ مشائخ سے بھی میں نے ملنے پر عرض کیا کہ بڑے طوطا چشم ہو ہم کو یہاں چھوڑ کر آپ عالم بالا کی طرف تشریف لے جا رہے ہو فرمایا کہ تیرا تو کبھی کبھی کچھ خیال آجاتا ہے جی میں تھا کہ پھر جلد زیارت ہوگی مگر پھر حضرت کی خدمت میں ایسی حالت میں حاضری ہوئی کہ فاجح پڑ چکا تھا بات بھی نہ کر سکتے تھے۔

، صفر المظفر ۱۳۶۷ھ مطابق یکم جنوری ۱۹۴۷ء . دھڑیاں

حضرت والا کی خدمت میں چند حضرات نے مولوی عبد الکریم صاحب کے متعلق ذکر کیا کہ وہ کہتے ہیں کہ آپ کے حکم سے درس میں لگ گئے ہیں مالا لکھ خوش کام اور ہا ذہینت کے آدمی ہیں ہمارا خیال ہے کہ وہ شہید ملت مولانا مولوی بخشیش صاحب کے جانشین بن کر احرار کا پرہیزگندہ کیا کریں۔ درس تو اور بھی جاری رکھ سکیں گے حضرت والا نے فرمایا کہ انہوں نے

مولانا عبد الکریم صاحب شاہ پوری مرحوم

مولانا بخشیش صاحب کے رہنے والے تھے بہت خوش الحان تھے وعظ میں بہت تاثیر تھی ان کے خط سے بہت لوگ تائب ہو کر جہانم کی زندگی ترک کرتے تھے یہاں تک کہ بہت سے ہندو آپ کے خط سے مسلمان ہوئے، مجلس احرار اسلام میں شامل ہو کر انگریزوں کے خلاف کام شروع کر دیا تھا۔ ۱۹۴۴ء میں رات کو گھر میں آرام فرما رہے تھے کہ کسی نے بندوق سے غائر کر کے شہید کر دیا۔ (مرتب)

مجھ سے دریافت کیا تھا تو میں نے درس کے لیے کہہ دیا، میں تو نہیں روکتا وہ چاہیں تو یہ کام کرنے لگیں دین کا کام ہی کرنا ہے جس سے بھی مناسبت ہو اور بن آئے کر لیا جائے ان حضرات میں ایک نوجوان عبدالرؤف صاحب جن کو ساتھی مولوی عبدالرؤف کہتے تھے تشریف فرما تھے جو کہ تیرہویں جماعت میں سرگودھا میں پڑھتے تھے اسی کالج میں ان کے والد مولانا مولوی عبد صاحب پروفیسر تھے حضرت والائے جب یہ سنا کہ یہ نوجوان عبدالرؤف تیرہویں جماعت میں ہے تو فرمایا کہ اب یہ تو ملازمت میں جانے کی تیاری کر ہی چکے ہیں۔ اور انگریزی تعلیم کے جو نتائج قوم اور افراد قوم کے حق میں نکل رہے ہیں وہ مختصر سادہ مگر موثر انداز میں بیان فرمائے۔

ارک کے لکاکہ حضرت تعلیم حاصل کرنے میں میرا کوئی قصور نہیں یہ تو والد صاحب کا ہے، حضرت والائے فرمایا ہاں یہ تو درست ہے مگر جو کچھ بھی ہے اب آپ تو آج نہیں کل جب اس تعلیم میں ہیں تو حالات سے گھر کر لیک میں ہی ٹھکانا بنانے پر مجبور ہو جائیں گے۔ ارک کے لکاکہ حضرت آپ اگر میرے والد صاحب کو تحریر فرمادیں تو میں اب بھی انگریزی تعلیم چھوڑنے کو تیار ہوں۔

حضرت والائے فرمایا کہ اب نہیں اب وہ مقام جہاں چھوڑنے کی گنجائش حتیٰ دور نکل گیا اور اسکا واپس آنا مشکل ہے اب تم یہ نیت کر لو کہ پڑھنے کے بعد تم تبلیغ اور دینی خدمت کرو گے تو یہ پڑھنا کچھ ٹھکانے لگ جائے گا اس نے جس طرح کوئی شخص بڑا بوجہ اتار دیتا ہے ایسا محسوس کیا اور عرض کیا کہ انشاء اللہ ایسا ہی کروں گا مولانا حبیب الرحمن نے لکاکہ ساتھ ہی یہ بھی خیال رکھنا کہ زندگی سادہ رہے ورنہ باوجود ایسی نیت کے بڑے ہوتے اخراجات کی مجبوریاں آپ کو ملازمت کی طرف کھینچ لے جائیں گی۔ حضرت والائے تائید میں فرمایا کہ بھائی مولوی صاحب ٹھیک فرماتے ہیں تباؤ تم چائے تو نہیں پیتے ہو ارک کے نے عرض کیا کہ حضرت نہیں پیتا۔ مولانا حبیب الرحمن صاحب نے ساتھ ہی یہ کہا کہ شادی نہیں ہوئی تو سوچ کر کرنا ورنہ اس راستے

سے بھی ملازمت کے دروازہ پر پہنچا دیا جاتا ہے حضرت والائے تائید میں فرمایا کہ ہاں اگر بُری جگہ شادی ہو گئی تو بیکم صاحب ایسی ایسی فرمائشیں کیا کریں گی کہ ان کا پورا کرنا بغیر ملازمت کے ناممکن ہے۔ حضرت والائے اس نوجوان سے دریافت فرمایا کہ اچھا کچھ عربی بھی پڑھی ہے اس کے لئے جواب دیا جی حضرت پڑھی ہے، حضرت والائے فرمایا خیر میری نیت کر کے اب تو بی۔ اے کم از کم کر ہی لو کہ تبلیغ کرو گے نیز فرمایا کہ عبدالوہابؒ ہے تو بادلا سا مگر خوب تبلیغ میں دلچسپی لے رہا ہے ملازمت ترک کر دی ہے اتنا سادہ ہے کہ لوگ پڑھا ہوا بھی نہیں سمجھتے مگر بعض اوقات تبلیغ میں جہاں ضرورت پڑے تو جب انگریزی بولنے لگتا ہے اور لوگ سنتے ہیں کہ بی۔ اے ہے تبلیغ کے لیے نوکری چھوڑے پھر تلبہ ہے تو پھر بڑی توجہ سے بات سنتے اور اثر بھی لیتے ہیں۔

۸۔ صفر المظفر ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۲ جنوری ۱۹۴۹ء دھڑیاں

حضرت والا کی خدمت میں ایک صاحب کا ذکر ہوا کہ اس نے دنیا کلنے کے زاویہ نگاہ سے بڑی کامیاب زندگی گزار دی اور پسماندگان کے لیے مقول سکھائی، زرعی اور نقدی مہیا کر رکھی ہے مگر سو سالہ پیرانہ سالی کے باوجود حرمِ دن و رات چو گنی ترقی پر ہے اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ ان کو الزام نہ دو انسان کا قاعدہ ہے کہ جو کام زندگی بھر کرے بڑھاپے میں وہی خیالاً گھومتے ہیں اور حرمِ توحیدِ بیٹھ میں آیا ہے کہ بڑھاپے میں جوان ہو جاتی ہے بشرطیکہ جوانی اور شروع عمر میں اس کا علاج نہ کر دیا جائے، اخلاق میں سے حرم کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ

اے حاجی عبدالوہاب صاحب جو آجکل تبلیغی جماعت پکستون کے ایمر ہیں انہیں بھائی عبدالوہاب کا نام سے یاد کیا جاتا ہے مگر اصل ضلع کراچی کے راجپوت گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں حضرت اقدسؒ سے بیعت میں (مرتب،

اس کو جوانی میں قابو نہ کر لیا جائے تو بڑھاپے میں بڑھتی ہے کیونکہ حرم کا کوئی خاتمہ نہیں ہوتا۔

۹، صفر المظفر ۱۳۶۶ھ مطابق ۳ جنوری ۱۹۴۷ء ڈھڑیاں

حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب نے محبت کے بارہ میں سوال کیا تو حضرت والا نے فرمایا کہ دنیا میں ہر شخص کی طبیعت کے مطابق محبت مختلف صورتیں اختیار کرتی ہے دیکھو کسی کو تجارت کر لے کر ذوق ہے کسی میں زراعت کا شوق ہے کسی پر صنعت و حرفت میں ترقی کرنے کے جذبات غالب ہیں اور وہ یہ کمالے کی محبت نے یہ مختلف صورتیں اختیار کر رکھی ہیں حب مال کے علاوہ جس کو حب جاہ ہے وہ کہتا ہے کہ مال تو خرچ کرنے کے لیے ہی ہوتا ہے وہ جاہ کے کاموں کو ترجیح دیتا ہے اور مال کو جاہ کی محبت میں قربان کرنا ایک کھیل سمجھتا ہے پھر ان میں سے کسی کو کسی سے عام عشق ہو جائے تو وہ مال و جاہ کو مالائے طاق رکھ کر محبوب کے وصال کے لیے جان تک کی بازی لگا دیتا ہے اور جان سے زیادہ عزیز مال جاہ کو بھی خیر باد کہہ دیتا ہے پھر اس میں اس کو وصال سے پہلے جو بے کلی ہوتی ہے اس کو رفع کرنے کے لیے محبوب کو اگر پہلے پٹاتا ہے اور چاہتا ہے کہ ہم دونوں ایسے ایک ہو جائیں کہ کوئی حجاب درمیان میں نہ رہے اس میں بھی ہر ایک کی پرواز خیال اور صلاحیت و استعداد مختلف ہوتی ہے کوئی کسی مرحلہ پر سکون محسوس کرتا ہے کوئی کسی پر مگر چونکہ یہ فانی چیزوں کے عشق میں کمالِ اتحاد اور پھر اس کے نوال کا عدم معدوم و محال ہے اس لیے اس کے بعد بھی حقیقی سکون حاصل نہیں ہوتا مگر خدا تعالیٰ کی محبت جو ایک دائمی شے ہے اس میں جہاں تک اس کی استعداد ہوتی ہے جب تک نہ پہنچے لے تو شوق اور سوز رہتا ہے پھر جب وصال ہو

جلئے تو سکون و اطمینان ہو جاتا ہے جیسے دنیا میں بھی اس کی مثال آپ کی اگرچہ مثال مثال ہے اور اس سے زیادہ کا بیان محال ہے کہ ذوقی شے ہے اگر دنیا میں بھی لوگوں کو اس کا تجربہ اور وجدان نہ ہوتا تو مثال و شواہد ہوتی تو وہاں بھی مثال مثال کی ہی حیثیت رکھتی ہے پس یہ کھلی عجز و اور عالم قاعدہ کے باہر کی شے نہیں ہے وہی جذبات ہیں جن کا رخ مولانا ہوتا ہے۔

۱۰۔ صفر المظفر ۱۳۶۹ھ مطابق ۲ جنوری ۱۹۴۹ء دھڑیاں

مولانا حبیب الرحمن صاحب نے عرض کیا حضرت خیال آیا کرتا ہے کہ انسان جو اپنے شہواتی جذبات کو غیر محل سے روک کر صیغ محل میں صرف کرتا ہے تو اس روک کے مجاہدہ پر جو ثمرہ مرتب ہوتا ہے وہ جنت کی حوریں ہیں، حضرت والائے فرمایا کہ ہاں یہ بھی درست ہے بات یہ ہے کہ عام مومنین کی جو خواہشات یہاں پوری نہیں ہوتیں اور شریعت کے پاس کی وجہ سے ان کو پورا کرنے یا کسی اور وجہ سے عدم استطاعت کے باعث ان کو پورا کرنے کا موقعہ نہیں ملتا وہ جنت میں پوری کر دی جائیں گی اگر ان کا استعمال یہاں رہے تو انکی حرص اور بھلا کتنی ہے مگر وہاں کا یہ خاصا ہو گا کہ ایسی نعمتوں کے ملنے سے بھی وہاں ترقی ہوگی۔ یعنی دل ان سے نکل کر تربیت پاتا ہوا ایسی حالت کو پہنچ جائے گا کہ سوار رؤیت باری تعالیٰ کے اور کھلی چیز ایسی نہ ہوگی جس سے لذت پائے جیسے یہاں بھی لڑکپن کے محبوب کھیل حالت بدلنے پر ایسے ہو جاتے ہیں کہ اور بڑی قسم کی لذتیں اس محبوب کھیل کی لذت کو بالکل ہیج کر دیتی ہیں بلکہ اس سے دل آنا دور ہو جاتا ہے کہ اس میں نام کی لذت بھی محسوس نہیں ہوتی۔ حدیث شریف میں رؤیت باری کے متعلق آتا ہے کہ اس کی لذت جنت کی تمام لذتوں کو ہیج کر دے

گی نیز فرمایا یہاں بھی ایک لذت دوسری کو فنا کر لی ہے اور بڑا بھنے کی لذت اور سب کو فنا کر دیتی ہے اور خدا کو منظور ہو اس کا فضل ہو تو اس کے مٹ جانے کے بھی سامان پیدا ہو جاتے ہیں۔

۱۱ صفر ۱۳۶۹ھ مطابق ۵ جنوری ۱۹۴۷ء دُھدیاں

عصر کے بعد کی مجلس میں حضرت سکسپین کے ساتھی امام دین صاحب سے حضرت والد نے فرمایا کہ جتنی وہ بھی یاد ہے جب تم اور میں پڑھنے کے لیے کھیڑے کو چلے مگر حکرام داس جا کر آپ کے والد صاحب نے آپ کو روک لیا کہ مجھے پڑھانے کی ضرورت نہیں زمین سے کھلنے پینے کی کمی نہیں پھر پڑھا کر کیا کرنا ہے اور میں کھیڑے چلا گیا۔ اور حضرت والد نے امام دین صاحب کے والد کی انہی سے سنی ہوئی حکایت سنائی کہ بچپن میں وہ گھر سے بھاگ گئے تھے کراچی پہنچے وہاں سے باد بانی جہانوں میں سوار ہو کر آگے جا اترے اور جونا گڑھ کی ریاست میں پہنچ گئے نولی عہد تک رسائی ہو گئی آدمی زمین تھے نواب جونا گڑھ کے منچھے مصاحب بن گئے یہاں تک اثر و رسوخ پیدا کیا کہ نواب اپنی صاحبزادی سے نکاح کرنے کو تیار ہو گیا۔ مگر نواب پر ایک زد پڑی اور اس کے منہ بولے مصاحبوں کو بھی بیکس دینی و دو گوشتس ریاست سے بھاگنا پڑا اور جب واپس آئے تو اگرچہ گھر آئے کو جی نہیں چاہتا تھا مگر مجبوراً اسی راستہ گھر پہنچے پاس صرف پانچ سو روپیہ کے قریب رہ گئے تھے ان کی زمین خریدی حضرت والد نے امام دین سے فرمایا کہ جتنی تمہاری والدہ کی شادی کا مجھے ہوش ہے اور تم جب پیدا

ہوئے تو میں کھوٹے تھا جب آیا تو خفا سا بچہ تم کو مجھے دکھایا گیا اور پھر بڑے ہو کر ہم ساتھ کھیلے۔ جناب امام دین صاحب نے کہا کہ حضرت وہ دن یاد ہیں جب ہم دونوں مولشی چرایا کرتے تھے فرمایا خوب یاد ہے آپ کے والد کو پڑھانے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی اور میرے والد صاحب پڑھانے کے شوقین تھے خواہ میں کتنا جفاکشی سے گھر کا کام کاج کرتا مگر والد صاحب مرحوم سر و آہیں بھرا کرتے کہ یہ پڑھنے کیوں نہیں جاتا اور مجھے کبھی گھر میں نہیں سے رہنے دیا پڑھنے بھیجتے تھے پھر کنواں بھی دریا برد ہو گیا مگر اثر کا شکر ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر اثر کا یہ فضل جواب ہوا مجھ پر کیسے ہوتا۔ فرمایا کہ امام دین صاحب کے والد صاحب کو چونکہ وہ بہت پھرتے رہے کئی دفعہ فقیروں سے واسطہ پڑا ایک دفعہ لڑکپن میں ہی بھلگے تو ایک درویش کے ڈیرے پر جا کر رات کاٹی۔ دن میں وہاں بہت بھگڑ چکے تھے جمع ہوئے تھے اور وہ فقیر بھی اپنی مجلس میں لوگوں کے ساتھ علمیانہ گالی گلوچ میں مشغول رہتا۔ مگر رات کو وہاں کسی کو ٹھہرنے نہ دیتا۔ امام دین کے والد کی ٹھہرنے کی چونکہ کوئی جگہ نہ تھی ان کو ٹھہرا لیا اور کپڑا اوڑھنے کو دیا رات کو اپنی چوٹی ایک دیوار میں گڑھی ہوئی مضبوط کھوٹی سے باندھ دی اور کل شریف یعنی نفی اثبات کا ذکر شروع کر دیا وہ بتلاہر سوسے ہوئے تھے۔ مگر کپڑے میں سے کچھ رہے تھے چونکہ اوپری اجالا جگہ تھی فیذ باوجود تھکے ہوئے ابھی نہ آئی تھی دیکھا کہ لا الہ الا کہنے سے اس فقیر کے تمام جسم کا جوڑ جوڑ الگ ہو کر گر جاتا اور کھوٹی میں صرف سر لٹکا رہ جاتا اور لا الہ الا شریعہ جسم پھر سالم ہو جاتا۔ وہ فقیر ان کو رکھنا چاہتے تھے مگر یہ ماجرا ایسا تھا کہ وہ ڈر گئے اور اگلے روز وہاں سے چلتے بنے مولانا حبیب الرحمن صاحب نے عرض کیا کہ یہ کیا ماجرا تھا حضرت والا نے فرمایا کہ بعض طبیعتیں ہوتی ہیں ان کو ذکر نفی اثبات میں یہ ہو جاتا ہے کہ سب کی نفی ہو جاتی ہے اور جوڑ الگ الگ ہو کر گر جاتے ہیں نفی پر

الگ الگ اور اثبات پر ہر سب اعضاء بڑھاتے ہیں مولانا نے عرض کیا کہ یہ حقیقتاً ہوتا ہے یا ایسا نظر آتا ہے، فرمایا کہ واقعہ ہو جاتا ہے مولانا نے عرض کیا اس سے تو خون نکل جائے اور وہ شخص جریان خون کے باعث مر جائے، فرمایا کہ خون پر بھی نفی کا اثر پڑتا ہے اور نفی کے وقت وہ سب چیزیں فنا اور اثبات پر ثابت ہو جاتی ہیں۔

ضلع شاہ پور کے رہنے والے ایک صاحب نے حضرت کی خدمت میں بیان کیا کہ ملک خضر حیات نے اپنا گھوڑا کنٹرول نمبر سے زیادہ یعنی چودہ روپے من ہندو تا صرفوں کو بیچ دیا ہے اور وہ بیس روپے من عام طور پر بیگ کر کے کھالے والوں کو دیتے ہیں حضرت والا نے فرمایا کہ یہ سنا تو کسی دن پہلے بھی تھا مگر جی باور نہیں کرتا تھا کہ وزیر اعظم ایسا کر سکتا ہے کہ پھر تو اندھیر مچ جائے مگر اب آپ وہاں کے رہنے والے اور پورے واقف بتا رہے ہیں تو حیرت ہوتی ہے، ظفر ندیم صاحب نے اس کی تصدیق کی کہ واقعی ایسا ہوا ہے اور یہ عام بات ہے جو وہاں کے لوگوں کو بھی معلوم ہے اور اخبار طلب میں بھی یہ خبر شائع ہو چکی ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ جب اتنی ذمہ داری والے لوگ ایسا کر رہے ہیں تو ملک کی انتظامی ہیل کیسے منڈے پڑے گی مجھے تو اس کا یقین نہیں آتا تھا مگر آپ سے سن کر حیرت ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ زمیندار لوگ عام طور پر ہر جگہ کے خود غرض اور جابر و ظالم ہیں خواہ یوپی ہو یا پنجاب۔

۱۳ صفر ۱۳۶۶ھ مطابق، جنوری ۱۹۴۷ء ڈھڈیاں

مولانا حبیب الرحمن صاحب نے عرض کیا کہ ایک عشق کی موجودگی میں دوسرے عشق

لاگز کیسے ہو سکتا ہے فرمایا کہ جس طرح بچپن میں کھیل کود سے عشق ہو تو وقت آنے پر وہ
 خود چلا جاتا ہے اسی طرح بعض صحبتیں بعض حالات پیدا ہونے پر خود رفع ہو جاتی ہیں عرض
 کیا گیا کہ بچپن کی مرغوبات خاصہ کا زوال بچپن کے زائل ہونے سے طبعی طور پر لازم آ گیا کہ
 بچپن کا جانا ایک طبعی امر ہے تو یہاں یہ کیسے چسپاں ہوا۔ فرمایا کہ انسان کی صحبت کا باری
 تعالیٰ کی طرف لوٹنا ایک طبعی امر ہے تو جب ان صحبتوں کا رخ ماسوا کی طرف ہو گا وہ گویا
 غیر طبعی حالت ہے جس کے لیے کچھ ہتھوڑا سا کرنے سے حالت طبعی امر کی طرف کو لوٹتی ہے
 اور کرنا گویا اس مذمہ میں عوارض اور غیر طبعی دباؤ کا علمی طور پر اور بہت دیکھشش کے ذریعہ
 دور کرنا ہی تو ہے کہ فضل ایزدی شامل حال ہو تو اس میں اگرچہ پہلے حالات کے رسوخ کے
 اعتبار سے کچھ وقت پڑتی ہے مگر طبعی بات ہے کہ اس رسوخ کے مقابلہ میں بہت کم محنت
 کرنے سے ہی حالت رو باصلاح ہو کر معتدبہ ازالہ ہو جاتا ہے تربیت مشکل بہت ہے اگر
 بچپن سے اچھی تربیت متسر آ جائے تو کام کچھ بھی دشوار نہیں گویا اس طرح ہے جس طرح طبعا
 بچپن سے لڑکپن اور دوسرے مراحل زندگی بے تکلف آ جاتے ہیں مگر طبیعت کا فقدان حسب
 حیثیت مشکلات کا باعث ہو جاتا ہے اور یہ فضل ایزدی ہے کہ ایک نیک کام دس گنا اور
 اس سے بھی زیادہ ثواب عطا ہے یا نیکیاں لکھی جاتی ہیں تو گویا وہ برائی جتنی راسخ ہوتی ہے
 اس کے لیے جتنی عام قاعدہ میں مشقت مطلوب تھی اس سے دس گنا کم مشقت محض فضل سے
 کفایت کرے گی اور فرمایا کہ دراصل نیک صحبت اختیار کرنا ضروری ہے اور صحبت اس کا ایک
 طریقہ ہے جب تک کثرت سے صحبت نہ اٹھائی جائے نفع کچھ نہیں ہوتا رسمی بات جو دیکھتے ہو
 پیلا ہو جاتی ہے کہ پیر صامب نے سوچا کہ ہمارا ایک روپیہ نذرانہ ہر ہو گیا اور مریدوں نے
 سمجھا کہ ہمارے پیر ہیں اور نفع جو چاہے اس طرح صحبت اٹھائے بغیر نہیں ہوتا اور کسی بدعتیہ

سے تعلق ہو جائے تو اسی کا اثر آجاتا ہے۔

۱۴ صفر المنظر ۱۳۶۹ مطابق ۸ جنوری ۱۹۴۷ء ڈھڈیاں

صبح کی مجلس میں حضرت والا مولانا مولوی عطاء محمد صاحب سے باتیں کر رہے تھے اور سعدی کے مشہور شعر "سعدی بشو لوج دل از نقش غیر حق" کی تشریح فرمائی تھے کہ انسان کو تمام دنیاوی بلکہ دینی علوم سے بھی اپنے دل کو صاف کرنے کی جست کرنی چاہیے کہ جہاں تک ممکن ہو ماسوا کا وہم مٹانے کی کوشش کرے پھر جو علوم حق نما ہوتے ہیں وہ اقیان کی راہ سے خود آجاتے ہیں اور جتنے خدا کو منظور ہوں آتے ہیں اور مستہلکیں تو پھر ادھر کو چلے جاتے ہیں باقی حین سے خدا کے کام لینا ہوا ان کو اس عروج کے بعد نزل ہوتا ہے۔ خواہ قرآنی سے لگاؤ سے یا البام کی استعداد ہو تو البام سے خدا تعالیٰ جو کام لینا چاہے اس کی طرف کا میلان پیدا فرما دیتے ہیں وہی وقت اصل تبلیغ کا میرے نزدیک ہے ورنہ اس سے پہلے نفس کا حصہ ہوتا ہے امام غزالی علیہ الرحمۃ نے خود تحریر فرمایا کہ میں بغداد کے مشہور مدرسہ نظامیہ میں درس دیتا تھا اور چونکہ ابتداء سے ایک تلاش اور کھٹک تھی اسلئے غالباً دس سال بعد اس خیال نے زور پکڑا کہ یہ تو نفس کا حصہ ساتھ ہے اس کا ازالہ کرنا چاہیے جس فقیہ اور صاحب علم و فضل سے مشورہ لیا۔ سب نے اس کام میں لگے رہنے کا مشورہ دیا مگر آخر دل کے فتویٰ پر عمل کیا اور سب چھوڑ چکا مگر غالباً بیت المقدس کے کسی مجاہد میں کابل تنہائی اختیار کی۔ پھر دیکھا جو دیکھا سنا جو سنا۔ پھر حق تعالیٰ نے بعض اور لوگوں کو جو اس کے اہل تھے، میرے متعلق مبشرات کے ذریعے میری رہنمائی کے لیے اشارہ فرمایا۔ خود مجھے بھی اور بلو شاہ

اسلام کو کہ بد مذہب ماحول ہو گیا تھا تصانیف کے ذریعہ اس کی اصلاح کی جائے۔ چنانچہ بارہا کے مبشرات اور الہامات کی بناء پر جب ادھر سے یہ کام سونپا گیا تو شروع کیا۔ دیکھو پھر اس سے کتنا نفع مخلوق الہی کو ہوا وہ ظاہر ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک صلہ منی عامہ یا اور کوئی مفاد عامہ کا کام ایک شخص از خود کرتا ہے تو حکومت اس کی قدر کرتی ہے اس سے خوش بھی ہوتی ہے۔ مگر ایک شخص کو اس کام پر ملو کر کرتی ہے تو اس کے لیے جو مدد حکومت کرتی ہے وہ اور ہوتی ہے اور اس پر جو رضا مرتب ہوتی ہے وہ بھی اور ہوتی ہے۔ یہی حال پہلی اور پھلی تبلیغ اور دینی کاموں کا ہے۔ ہر کام جس کی شرع میں جس درجہ کی تاکید و ترغیب ہو وہ موجب رضا تو ہے مگر حکومت کو دلی حذیہ سے پوری واقفیت نہیں ہو سکتی۔ یہاں اگر نفس کے اور مذہوم حصے ہوں تو اتنا ہی اس کی حیثیت کم ہو جائے گی۔ ہاں نفع اور اہمیت سے خلل نہ ہوگا۔ مگر جب کسی کو وہ خود اہل سمجھ کر اور ضرورت کے مطابق سامان تائید کے ساتھ امور فرمائیں گے تو اس سے جو رضا اور انعام اور کامیابی مرتب ہوگی وہ اور ہوگی۔

۱۵۔ صفر ۱۳۶۶ھ مطابق ۹۔ جنوری ۱۹۴۷ء مقام ڈھوڑیاں

مولانا مولوی عطاء محمد صاحب نے حضرت والاکے خدمت میں عرض کیا۔ حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمایا ہے کہ اس جمل قوی کمزور ہیں۔ اس لیے پڑھنے پڑھانے میں پہلے لوگوں کی اندھا دھند ریس نہ کیا کرو تو حضرت والائے فرمایا کہ ہاں قوی کی کمزوری تو ہے مگر ہماری پستی کی وجہ قوی کی کمزوریوں سے زیادہ عشق کا فقدان ہے عشق کمزوریوں کی تلافی کر دے گا کہ ہے حضرت حافظ یوسف صاحب مرحوم جو جنگ طرابلس وغیرہ میں ہندی طبی وفد میں ترکی کی مدد کو گئے تھے فرماتے تھے کہ اندر پاشا ایسے کام کر جاتا تھا جو عام عادات و قوت سے مافوق معلوم دیتے تھے

مولانا حبیب الرحمن صاحب نے عرض کیا کہ حضرت عشق کے فقدان میں بھی قویٰ کی کمزوری کو
 کچھ دخل ہے فرمایا کہ ہاں دخل تو ایک بڑی حد تک ہوتا ہے مگر عشق ہو تو قویٰ کی کمزوری کی
 تلافی ہو جیسا کرتی ہے اور عشق ویسے بھی ہوتا ہے تمام تر قویٰ کی قوت پر بھی منحصر نہیں اور فرمایا
 کہ علماء کے لیے کام کا بے حد میدان ہے مگر ان میں عشق کا نہیں، عرض کیا گیا کہ حضرت عشق
 کا رخنہ نہ ہی مگر احساس کا تو ہے جب کام کرنا چاہتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ طلباء نڈار و جن کو
 دین پڑھائیں۔ نیز اہل و عیال کی پرورش واجب اگر اس میں کوتاہی کریں تو گنہگار بھی ہوں اور
 جس کے اہل و عیال نہ ہوں اس کو کم از کم اپنے لیے قوت لایموت تو ضروری ہے کہ انسان
 کو آخر اس سے چارہ کار نہیں ہے اور عیال کی حفاظت فرض ہے اور کوتاہی گناہ۔ فرمایا کہ اہل ماگر
 اشاعت دین میں کوتاہی کریں وہ بھی تو گناہ ہے آخر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین
 کو بھی دقتیں پیش آئیں انہوں نے سوا اصحاب صفہ کے معاشی کاروبار میں حصہ بھی لیا مگر
 دینی کام کو مقدم اور عادی رکھتے ہوئے کہ کام کاج زندگی کا ضمیمہ تھا دین کا ضمیمہ نہیں تھا۔
 ایک مولوی صاحب کی زبان سے یہ بھی نقل کیا کہ کلمہ بغیر تو اسے کوئی لڑکی نہیں دیتا۔ مولوی صاحب
 صاحب نے ان کو جواب میں فرمایا کہ شادی نہ کرے روزے رکھے، حضرت والا نے
 فرمایا کہ ہاں کسی بزرگ سے کسی نے کہا کہ حضرت آپ شادی نہیں کرتے کہ سنت ہے فرمایا
 کہ بھائی ہر کام کا وقت ہوتا ہے خدا کو منظور ہو گا تو اپنے وقت پر شادی بھی ہو جائے گی،
 یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ہر سنت کو ہر وقت ادا کرتے ہی رہنا بھی سنت ہے آخر حضور صلی اللہ
 علیہ وسلم کی بھی تو ایک زمانہ تھا کہ شادی نہ ہوئی تھی ایک دور تھا کہ گھر سے ساتھ لے کر بیٹہ
 کو نہیں چلے اور ایک دور تھا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ حکم الہی کے ماتحت دین کو مقدم کرنے والی

زندگی پر اگر زیب و زینت کو ترجیح دیں تو ان کو چھوڑ دیا جائے یہ سورہ اخزاب میں ہے۔ اور
 پھر تو یہ وغیرہ کہ اگر اہل و عیال ہیں تو ان کو بھلا تا پھسلتا رہے میں نے ہمیشہ ایسا ہی کیا کہ اب
 آتا ہوں اتنے دنوں تک آجاؤں گا۔ مولوی علی محمد صاحب نے عرض کیا کہ حضرت جب نکاح
 ہو جائے تو نامان اخفہ تو واجب ہے حضرت والائے فرمایا کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ
 تو بیان کر ہی دیا باقی دوسرے زاویہ سے دیکھو تو آنکھ کی اوٹ پہاڑ ہے قرآن پاک میں حضور
 صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آتا ہے کہ دین پر جبارہ اور اپنے اہل و عیال کو جھانکے رکھ اور بعد میں
 فرمایا ہے کہ لا فسلک و زقاہ و فلیا و فی السحاب و زقاہ۔ آخر یہ سب کچھ جو ان حضرات
 علیہم السلام نے پڑھا ہے یہ کہ ہے کہ اس پر بعض اعتراض علماء نے کئے مگر حضرت والا ختم
 مکتوبہ کر سب کا جواب دیتے رہے نیز فرمایا کہ منظر ہر علوم میں تو مجھے معلوم ہے کہ اساتذہ
 اس کامل پڑھائی کے ساتھ ساتھ فرماتے رہتے ہیں خصوصاً شیخ اکبر ریشہ صاحب کو اسکا بڑا اہتمام ہوا
 کرتا ہے مگر وہاں طلباء سننے اور سمجھنے نہیں ورنہ تعذیر پر ایمان اور توکل کا بیان ہونا کس لیے ہے
 فرمایا کہ تبلیغ کیوں نہیں کرتے خصوصاً حضرت دہلوی کے طرز سے تبلیغ کریں پھر دیکھیں مگر ہم کام
 پر مرنے کا ارادہ کر کے کیا جائے تو کامیابی ہوتی ہے اور یہی چیز اساتذہ اور مشائخ سے سیکھی
 جاتی ہے نہ تو زبان سے نہ دل سے خدا کے سوا کسی سے سوال کریں یا توقع رکھیں اگر حضور
 صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات پر غور کریں گے
 بلکہ بزرگوں کے حالات پر بھی غور کریں گے تو راستہ اور میدان طے گا مگر یہ سب عقیدہ تقدیر اور
 توکل اور اشیاء و قربانی پر فراموش کر دیا جاتا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ حاصل کر لے کی طرف زما نہ
 تعلیم میں توجہ بھی نہیں کرتے جس کی وجہ سے بعد میں بھٹکتے پھرتے ہیں فرمایا کہ حضرت دہلوی کو
 اتنا کہا گیا اور خواص تک نے کہا مگر انہوں نے فرمایا کہ میں جس چیز کا مشاہدہ کر رہا ہوں اب

اس میں کسی کی کیسے مانوں اور بعض وقت چپ ہو جاتے مگر تھوڑی دیر میں سن کر ہر جوش میں
فرماتے کہ مجھے تو شرح صدر ہو گیا ہے۔ یہ سب عشق کے کرشمے تھے اور یہ تھا کہ اس علاقہ میں
جہاں کے لوگ دین سے قطعاً اور کلیتہً نادان قبیلے تھے یعنی میوات میں جس کے حالات سرکاری
کاغذات میں جو تھے وہ حضرت کی سوانح میں سید علی میاں نقل کر دیتے ہیں حضرت نے اتنا کام کیا
کہ اب ایک صدی بھی وہاں کوئی باہر نہ جاتے اور وہاں کے ادارے سُست پڑ جاتیں تو
اسلام سے وہ لوگ منحرف ہو کر کسی دوسرے دین کی طرف مائل نہیں ہو سکتے ایک دفعہ وہاں
بہت سالوں کا تختہ ہے اپنے پیر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کو بلایا
تو حضرت شیخ الحدیث بھی ساتھ تھے مجھے بھی ساتھ لے لیا۔ اور حضرت شیخ نے
بلاتلئے قرض لے کر چپکے چپکے سفر پر فرج کیا اور وہاں بھی جا کر حضرت دہلوی نہ تو کھانے پانے
کا چنداں اہتمام کرتے تھے بلکہ ہر وقت کھم میں گئے رہتے تھے اگر کام کے وقت کوئی کھانے
کا ذکر ہو کہ بیافاکہ حضرت وہاں ہیں کھانا کھا لو وقت ہو گیا تو فرماتے کام ہو رہا ہو تو کھانے
کے لیے مت ڈکو۔ ایک دفعہ حضرت دہلوی بیمار تھے تو تمیز کے لیے مولانا ذکر یا قدوسی مدظلہ
کو بلایا اور یہ کہیں نے مولانا ذکر یا قدوسی سے بھی سنا ہے کہ جس جگہ طلبہ تھا فجر کی نماز بڑے میاں
نے حسب معمول طہال منخل کی بڑی سورتوں سے پڑھائی۔ سلام کے بعد فرمایا کہ بھائی میں تم بیل
ہوں تمہارے سامنے مولوی ذکر یا صاحب قدوسی کچھ فرمائیں گے مگر میں ایک آدھ بات
کہ میں پھر جو فرمانا شروع کیا تو ظہر کا وقت ہو گیا، میں نے عرض بھی کیا کہ حضرت آخر مجھے بھی تو
اسی عرض سے بلایا تھا یہ سن کر فرمایا کہ ہاں بیان تو آپ نے ہی کیا ہے، ظہر کی نماز پڑھی گئی اور
میں (یعنی مولانا ذکر یا قدوسی) فوراً کھڑا ہو گیا تاکہ ایک بات پھر نہ شروع ہو جائے تو فرمایا کہ ہاں
مولوی صاحب آپ فرمائیں میں فوراً نماز میں مبتلا ہوں ابھی جلتا ہوں اور ایک سامنے کے درخت

کے ساتھ ادا کر بیٹھ گئے اور عصر تک اسی طرح بیٹھے رہے یہ آخر عشق کی نیرنگیاں نہ تھیں تو کیا تھا اگرچہ وہ بات نہیں مگر مولوی یوسف صاحب اور ان کے ساتھی بڑے ہی خلوص سے کام کر رہے ہیں پس کرو مگر مخلص کے پیچھے لگ کر خلوص سے، غیر مخلص کے پیچھے لگ کر خود رانی سے نہ کرو۔

اور فرمایا کہ کچھ کرنا ہے تو قاضی صاحب اب تبلیغ کچھ نہ کچھ سیکھ کر آرہے ہیں ان کو آگے کرو اور ان کے پیچھے لگ کر خوب کام کرو اس کا اجر بھی ضرور ملے گا اور انشاء اللہ محنت رائیگاں نہیں جائے گی حضرت دہلوی کی یہ حالت تھی کہ مولوی لطیف الرحمن صاحب نے فرمایا کہ ایک رمضان میں سحری و افطاری میں مہمانوں کو بھی گولہ ہی دیئے جلتے تھے تو میں نے اجازت چاہی۔ فرمایا گولہ نہیں کھائے جاتے اچھا ٹھہرو شام کو افطاری سے پہلے چھکڑے پر لادی لائی کسی نے زردہ پلاؤ کی دیگیں بھیج دیں۔ فرمایا کہ ہم نے اپنے ایسے مہمان کے لیے جو گولہ روں سے بھاگتا ہے دعا کی تھی اللہ نے یہ بھیج دی اب خوب کھاؤ اب ایسی حالت ہے کہ رجوعات کی انتہا نہیں اور وہ سیٹھ اور تاجرجن کے متعلق مفتی کفایت اللہ صاحب کا بیان ہے کہ ہم چلاتے تھے اور قالین بچھاتے تھے اور خاطر میں کرتے تھے تب بھی ذرا سی بات پر ان کے ناک چڑھ جلتے تھے اب خود آتے ہیں ساتھ کھانا بھی لاتے ہیں اور جمعرات جمعہ کو نظام الدین میں آکر جہاں فرش پر رات کو تھوڑی بہت اچھی بری جگہ مل جاتی ہے لیٹ جاتے ہیں تبلیغ میں کندھوں پر مختصر بستر لے اٹھائے پیدل سوار بھاگ رہے ہیں اور اپنے کپڑے خود دھو رہے ہیں۔

رات کی مجلس میں تبلیغ کرنے والے حضرات کے لیے حضرت والا کا موضوع حضرت بہاولنگری اور حضرت منشی جی صاحب علیہما الرحمۃ کے حالات تھے فرمایا کہ حضرت بہاولنگری ج کا اصل وطن بہاولنگر کے پاس ایک گاؤں تھا حضرت کے والد بزرگوار بچپن میں فوت ہو گئے تھے

اور والدہ ماجدہ نے آپ کے تعلیم کے زمانہ میں محنت مزدوری کیا س چنا وغیرہ جو کام اکثر دیہات میں مل سکتے ہیں کر کے گزر کی، حضرت مولانا اللہ بخش صاحب کو میں نے بھی اپنے زمانہ طالب علمی میں دہلی میں دیکھا کہ دہلی میں بدرالدین مہرکن کی مشہور مسجد میں ایک مدرسہ کے مدرس و امام مسجد تھے اور اس زمانہ کے اعتبار سے ممتاز تنخواہ ملتی تھی جس پر آپ کا اور آپ کی والدہ صاحبہ اور گھر والوں کا گزر اچھی طرح ہوتا تھا اور مولانا مرحوم بن بٹن کر رہا کرتے تھے لاہور کے قریب کے ایک غالباً مولوی عبد الکریم صاحب نام کے جو راتے پور میں پڑھنے کے زمانہ میں ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہو چکے تھے پھر دہلی چلے گئے تھے اور دوسرے طالب علموں کے ساتھ حضرت مولانا سے پڑھا کرتے تھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو جب لقوہ کا مرض ہوا تو حضرة گنگوہی کے حکم سے دہلی میں حکیم عبد المجید خان صاحب کے پاس علاج کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کمریدان مولوی صاحب طالب علم نے حضرت بہاولنگری اپنے استاد سے عرض کیا کہ میرے پیر علاج کے لیے دہلی آرہے ہیں۔ اور وہ اچھے سے اچھا مکان بھی آسانی سے لے سکتے ہیں مگر مسجد کے قریب کوئی مکان اس وقت تک مجھے ایسا نہیں مل سکا جو ان کے لیے کرایہ پر چل کر لوں اگر جناب اجازت دیں تو ہم طالب علم اپنے جبروں میں سے ایک پیر صاحب کے لیے خالی کہ دیں اور خود دوسرے میں گزر کر لیں گے تو مولانا نے فرمایا کہ نہیں میں خود طلباء میں لیٹ جا کر دنگا اور میرا حجرہ جو زیادہ آرام دہ اور مسجد سے بالکل لگا ہوا ہے آپ کے پیر صاحب کے لیے زیادہ موزوں ہے میں اسے ان کے لیے خالی کر دیتا ہوں، چنانچہ وہ خالی کر دیا گیا حضرت رحمۃ اللہ علیہ دہلی تشریف لے گئے تو اس میں فروکش ہوتے وہاں تین ماہ قیام رہا۔ مولانا بہاولنگری اس زمانہ میں کسی پیر فقیر اور عالم کے جیسا مستعد ذہین لوگوں کا ہوتا ہے قائل نہ تھے اس لیے شروع شروع میں پاس جا کر اٹھنا بیٹھنا نہیں ہوا دو چار دن پرے پرے ادھر ادھر پھرتے پھرتے اور اپنے

کام میں مشغول رہے اس مسجد میں متولی مدرسہ اور مسجد بدرالدین مہرکن کے صاحبزادے پابندی سے نماز باجماعت پڑھا کرتے تھے اور اس زمانہ میں اس طبقہ کے لوگ باوجود متولی ہونے کے پابند صوم و صلوٰۃ ہوا کرتے تھے اور آجکل کی نسبت نیک ہوا کرتے تھے یہ متولی صاحب بھیچے لوگوں میں تھے اور نماز میں پہلے سے آکر عین امام کے پیچھے پہلی صف میں بیٹھا کرتے تھے اس طرح یہ جگہ گویا ان کے لیے مخصوص ہو گئی تھی اگر کبھی کسی دن کسی وجہ سے متولی صاحب دیر میں آتے یعنی جماعت سے پہلے نہ آسکتے تو لوگ ان کے ادب و رعایت کے باعث وہ جگہ ان کے لیے چھوڑے رکھنے کے عادی سے ہو گئے تھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اس رواج کا علم نہیں تھا

_____ آپ نماز کے وقت پہلے سے جا کر عین امام

کے پیچھے پہلی صف میں کہ اس وقت ساری صف میں جگہ خالی پڑی تھی بیٹھ گئے اور نماز بھی آتے اور بیٹھتے اور صف پر کرتے گئے، متولی صاحب جو ذرا دیر سے مگر جماعت سے پہلے آئے تو جگہ رُکی ہوئی تھی وہ بے ساختہ حسبِ عادت اس جگہ پر بیٹھنے کے لیے حضرت کے عین ساتھ جو تھوڑی جگہ فرجہ سا تھا اس میں گھس کر حضرت کی گود میں ہی سمجھے جا بیٹھے تو حضرت ذرا دوسری طرف سرک گئے تاکہ وہ اچھی طرح بیٹھ جائیں حضرت بہاولنگریؒ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو نصیحت کے طور پر ایک آیت غالباً اس کا ترجمہ کچھ ایسا بنتا ہے کہ پس صبر کر جیسے پہلے اولوالعزم پیغمبروں نے بھی صبر کیا ہے گویا ایک طریق سے متولی کے جبر پر صبر کی تلقین کی اور پھر ہمیشہ ساری عمر اس نصیحت کے باعث شرمندہ رہے کہ آپ کو اور نصیحت اور وہ بھی میں کرنے والا۔ حضرت کو تو ایسی باتوں میں کیا ہوتا غیر دو تین روز بعد

_____ آپ حضرت کی خدمت میں اپنے حجرہ

میں آکر تھوڑی تھوڑی دیر کو بیٹھنے لگے اور کافی اٹریا اور دو چار ورق ثنوی شریف کے ان دنوں حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت بہاولنگریؒ نے پڑھے بھی تھے جب تین ماہ بعد حضرت وہاں

سے راتے پور تشریف لے آئے تو حضرت بہاولنگری کو اب احساس زیادہ ہوا اور خود فرطے
 تھے کہ میں کسی کا قاتل نہ تھا مگر میں نے محسوس کیا کہ تین ماہ میں میں نے آپ سے کبھی کسی کی
 غیبت زمانہ قیام دہلی میں نہ سنی حالانکہ رات دن ایک ہی مسجد کے پاس کے حجرہ میں رہنا
 اور اگلے بیٹھنا اٹھنا سونا لینا ہوتا تھا اگر کوئی بڑا آدمی کسی کی غیبت کرتا تو اگر حضرت رحمۃ اللہ
 علیہ بات کو ملاحظہ کرتے یا اس میں سے اپنی توجہ اور طرف کر لیتے اور اگر کوئی اور غیبت کرتا تو
 اسے روک بھی دیتے تھے اس طرح کئی باتوں سے تاثرات لیے اور جب حضرت چلے آئے تو
 وہ تاثرات زیادہ محسوس ہونے لگے اور حافظ عبد اللہ جو سنہری مسجد میں رہتے تھے حضرت سے
 نقل رکھتے تھے ان کو ساتھ لے کر بیعت کے ارادہ سے حضرت بہاولنگری راتے پور تشریف
 لائے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ ان دنوں دو گٹھ یا کسی اور آس پاس کے گاؤں میں فرود کش
 تھے حضرت بہاولنگری کو لائے پور سے ہوتے ہوئے حضرت کی خدمت میں اس کا قتل میں جلیپے اور
 اور موزوں طریق پر درخواست بیعت کرنے کی مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بیعت
 ہونے ہے، رنگوہ حضرت گنگوہی سے جا کر ہو جاؤ۔ حضرت بہاولنگری نے عرض کیا کہ حضرت
 میں تو آپ سے بیعت ہونا چاہتا ہوں نیز خاص امان میں فرمایا کہ آپ نہ کریں اور ہمارے وہاں بھی
 پیر ہوتے ہیں ہم خود بھی ہستی لوگ پھلے سے چلے آتے ہیں اور ہری جا کر وطن میں کسی پیر کا مرید
 ہو جاتے گا اور دھوکے قتل وغیرہ خوب سنا کر دوں گا، حضرت نے کافی ملایا مگر ایسی باتوں کی
 وجہ سے جو اس فرض سے کسی بھی گئی تھیں آخر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت فرمایا ویسے حضرت
 رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حضرت بہاولنگری حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں گئے بھی تھے
 مگر اس وقت وہاں جانا منظور نہ کیا تھا کہ یا خود بیعت کر لو ورنہ پھر ہمارے وہاں اور پیر ہوتے
 ہیں آخر بیعت ہو کر چلے آئے اور پڑھنے پڑھانے لگے پھر بیٹے اصرار سے حضرت سے اجازت

لے کر وہ ملازمت ترک کر دی جو اس زمانہ کی معقول ملازمت تھی اور جس پر تمام گھروالوں کا
فرمانت اور اکرام کاغذ تھا اور وطن اگر ایک مسجد کے امام ہو گئے پھر وہاں سے چک نادر شاہ
میں امامت پر چلے گئے وہاں کچھ طلباء بھی پڑھتے تھے وہاں ایک خانصاحب زیندار میں وہاں
اس زمانہ میں حضرت سے ملنے ایک دفعہ میں بھی گیا تھا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی
گیا تھا جب حضرت بہاولنگری ہی حضرت کو وہاں لے گئے تھے حضرت نے مولوی اشفاق صاحب
کو بھی وہاں حضرت کے پاس پڑھنے بھیجا تھا وہ بیارہو گئے تو میں لینے گیا تھا اور ایک دفعہ
لے مجھے خط ملا کہ ایک کام بہاولپور بھیجا تھا تو فرمایا تھا کہ مولوی اشراق بخش اور حاکم واقف ہیں
ان کو بھی وہاں سے بہاولپور ساتھ لے جانا میں اس وقت وہاں گیا پھر حضرت وہاں
کی باتیں اس طرح فرماتے گئے کہ میں سمجھ گیا کہ اب یہاں سے بھی جی اکبر اہل سہ چنانچہ وہاں گیا
ہوتا تو چک نادر شاہ ولے خانصاحب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لکر دیتے کہ حضرت
اجازت نہ دیں جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت بہاولنگری چک نادر شاہ لے گئے تھے تو
آتے ہوئے وہاں جہاں اب حضرت بہاولنگری کے مکانات ہیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ جگہ میں
تھوڑی دیر کو ٹھہرے اور فرمایا کہ آہ مولوی صاحب بہت خوش جنگل ہے لہذا میں شادمانہ میں ہوں
بستی بالکل نہ تھی بن کے درختوں کا گنا جنگل تھا جس میں سے راستہ چک نادر شاہ کو جاتا تھا پھر
حضرت کی اجازت سے حضرت بہاولنگری لے چک نادر شاہ کی امامت و مدرسہ بھی چھوڑ دی
جو بہت اصرار سے لی گئی تھی جب وہاں جہاں اب مکان ہیں اگر اجازت میں حضرت سے
اجازت کے بعد چھپر بانہا لکر واولد سے حضرت بہاولنگری لے جب دیوانت کیا کہ کچھ
کھالے کو ہے تو انہوں نے عرض کیا یہ سیر پھر ایک باجرہ ہے تو فرمایا یہ تو بہت ہے اب
پکاؤ پھر اٹھ مالک ہے اس کے بعد ہم نے وہ زمانہ بھی دیکھا کہ وہاں حضرت کے مکان بن گئے

مسجد اور مدرسہ بن گیا اور رفتہ رفتہ جٹوالا ایک گاؤں بن گیا حضرت کی زمینیں بھی ہو گئیں اور ہم نے دیکھا کہ حضرت کے لنگر میں سو اسوا من پختہ آٹا مہانوں کے لیے پکا کرتا تھا اور کئی کوئی نہ رہی اور اس کے علاوہ جو ہوا وہ ہوا ایک دیو ایک مولوی صاحب کو حضرت والہ نے مخاطب کر کے فرمایا کہ جس نے کام کرنا ہو پہلے تو جو سوچنا ہو سوچ لے اور پھر جب ملے کر لیا تو مرنے کا عزم کر کے اس پر جم جائے یہ طریق ہر کام کا ہے اور اس کے سوا کسی کام میں ہرگز کبھی کامیابی نہیں ہوا کرتی۔

حضرت مٹھی جی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے مجاز ہوتے ہیں آپ نے صرف حین جماعت تک پڑھاتا مگر ماشاء اللہ بہت ذہین تھے ایک مدرسہ میں جو امدادی تھا ان کے استاد مدرس تھے وہ کسی وجہ سے اور جگہ گئے تو وہاں ان کو ٹھہرا گئے آپ نے وہ کام سنبھالا اور ایک روپیہ ماہوار وہاں تنخواہ ملتی تھی آپ تھے گھر والی اور بچے بھی پانچا چار تھے بھلا ایک روپیہ اتنے کنبہ کے لیے کیا ہوتا فرماتے ہیں کہ لوگ گھی خریدتے ہیں میں سوچا کرتا کہ گھی بھی کوئی ضروری چیز ہے لوگ گھی کا کیا کرتے ہیں فضول چیز کا، فرمایا تھا کہ پہلی مرتبہ تین ماہ کی اکٹھی تنخواہ تین روپے ملی تو گویا بڑی دولت ملی اور وہ روپے بار بار شاید بیس دفعہ گئے پھر جب دل اور طرف کو پھرا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے اب اس ملازمت کے چھوڑنے کیلئے بھی دریاغین اور مذرت شروع ہوئے مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کا اسی وقت آنے کا۔ جب وقت آیا تو وہ بھی چھوڑ دی۔ چھوٹا سا مکان تھا جس میں کنبہ کے لیے چار پائیاں نہ آسکتی تھیں مگر دو تین جو آسکتی تھیں سب انہیں پر گھپسا ہو کر لیٹ جاتے تھے اب ملازمت چھوڑی تو مکمل بھی اور جو گئے اور ہر طرح کی فراغت نصیب ہوئی ظاہر کی بھی اور باطن کی بھی تو پہلے خوب غور کرے پھر جب آدمی کام کو پکڑ لے تو اس پر مرنے نہ تو سوال کسی سے زبان سے کہے اور نہ دل

سے اپنے مالک کی طرف متوجہ رہے اور کام پر ثابت قدم ہو۔

۱۶، صفر المظفر ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۰ جنوری ۱۹۴۷ء ڈھڑیاں

ایک مولوی صاحب نے حضرة والا کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت اگر شیخ کا وصال ہو جائے تو کسی آدمی سے بیعت کرنے کی ضرورت ہے حضرت والا نے فرمایا کہ اپنے حضرت رحمتہ اللہ علیہ سے سنا ہوا ہے کہ ضرورت نہیں مگر اس وقت تک ضرورت ہے کہ سالک کو عالم مثال سے مناسبت ہونے سے پہلے شیخ کا وصال ہو جائے آپ کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ لوگ نادانیت سے دل کے دھڑکنے یا جسم کے تھر تھرنے کو قلب کا جاری ہونا سمجھتے ہیں بلکہ یہ کوئی چیز نہیں بلکہ قلب کا جاری ہونا ذکر کے آثار پیدا ہو جانے کا نام ہے۔ نورانیت کسی چمک کا ظہر آثار و نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ نیک اعمال کی طرف رغبت ہو کر یا دل میں نورانیت آئے ہے نیز فرمایا کہ ایک درجہ کا غلو اس ہی ذکر کے آثار ہیں۔

۱۷، صفر المظفر ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۱ جنوری ۱۹۴۷ء ڈھڑیاں

ایک مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ ذکر میر سمجھے گہرا ہٹا ہوا ہے ذکر میر زیادہ اچھا ہوتا ہے یا ذکر قلبی، حضرت والا نے فرمایا کہ کسی کو کوئی زیادہ مفید ہوتا ہے اور کسی کو کوئی۔ یہ تو آپ مولوی ہیں جانتے ہیں کہ سلوک کے معنی چلنا ہے اور ہر شخص کا چلنا مختلف ہے جتنے نفوس اتنے راستے تو جس کو جو طریق شیخ مناسب سمجھے وہ مفید ہے، باقی حاصل اس میں یہ ہے کہ ذکر سانی سے مقصد دل پر اثر ڈالنا ہی ہے اور چلنا ہے یعنی محبت پیدا کرنا ہے آثار ذکر کتنے ہیں۔

سلوک میں چنا بغیر حرکت کے نہیں ہوتا اور حرکت کے بڑے طریق یہ ہے کہ نور زور سے ذکر لسانی کرنا تاکہ گرمی پیدا ہو اور گرمی سے حرکت پیدا ہو یا پھر جس دم سے گرمی پیدا کی جاتی ہے، سانس کے ذریعہ گرم ہوا کا ٹھنڈی ہوا کا داخل ہونا دل کی گرمی کو نائل کرتا ہے، دم رک دینا دل کو گرم کرتا ہے جس سے حرکت پیدا ہوتی ہے اور یا پھر توجہ دے کر بھی دل کو گرماتے ہیں اصل تو محبت ہے اس سے جو عشق و محبت پیدا ہوتا ہے اس کے ابتدائی رواں کرنے کے لیے ذکر کرتے اور ذکر سے اس کے نفع کو تقویت پہنچاتے ہیں تو توجہ سے جو حرکت پیدا کی جاتی ہے وہ عارضی ہوتی ہے اور بعض دفعہ بلکہ اکثر اوقات مغرپڑتی ہے اور پھر جس دم سے بھی یہ مقصود چلے سب سے زیادہ اچھا ذکر لسانی جہر سے گرمی اور حرکت پیدا کرتا ہے اور اصل تو ذکر قلبی ہے مگر لاکھوں میں ایک وہ شخص ایسے شکل سے ہوتے ہیں کہ وہ لسان کی بجائے قلب سے ذکر پر جلد قادر ہو جائیں اس لیے زیادہ کی رعایت سے ذکر لسانی جہری کرتے ہیں اور محبت کا فائدہ اس وقت ہوتا ہے جب غفلت نہ ہو یا کم ہو تو غفلت کو دور کر کے لیے دل میں یاد الہی کی ضرورت ہے اور یاد پر استقامت اور غفلت کا مستند نہ وال بغیر ذکر کے عام عبادات کے خلاف ہے اس لیے جس کو دل ذکر موافق پڑے تو یہی مقصود ہے مگر یہ استعداد عام نہیں اس لیے اس کی تکلفی کے لیے خواہ جس دم کرائیں یا ذکر جہر، اور محبت سے وہ جذبات اور کیفیات جو شمع میں ہیں اس میں منتقل ہوتے رہتے ہیں، محبت الہی کا جذبہ بھی اگر شرائط پائی جائیں تو اس کی استعداد کے موافق اپنے وقت پر اگر اللہ کو منظور ہو سیریت کر ہی جاتا ہے۔

کسی کے تذکرہ کرنے پر فرمایا کہ حضرت مولانا نانوتوی علیہ الرحمۃ جب مباحثہ شاہ جہانپور میں مسئلہ تقدیر کو واضح کرنے لگے تو طلباء کو یوں معلوم ہوا کہ اس سے آسان تو شاید کوئی مسئلہ علم میں ہو گا ہی نہیں مگر جب جلسہ گاہ سے باہر آئے تو وہ بات جاتی رہی اور آپس میں چرچا کرنے

گئے کہ یہ کیا بات ہو گئی یہ کہہ کر مولوی عبدالغفور صاحب لنگر خدو ماں مالوں سے فرمایا کہ مولوی صاحب اگر اثر چاہے تو اس کو یہ قدرت ہے کہ علم ایسے ماہ سے ملے جس کا انسان کو پتہ ہی نہیں اس کو علم لدنی کہتے ہیں۔

ایک مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ سیاست کسے کہتے ہیں فرمایا کہ مولوی صاحب آپ میں سمجھ لیں حکومت کو کہتے ہیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں اسلام کی حکومت بھی تو ہوتی تھی وہ اسلام کی سیاست ہی تو تھی مولانا حبیب الرحمن صاحب نے عرض کیا کہ لوگوں کی ہر بات کی اصلاح کا اور تربیت کا کام سیاست ہے فرمایا یہ تو فائیت ہے حکومت اس میں جس طرح متعلقہ سیاست ہے۔

۲۰۔ صفر ۱۳۶۹ء مطابق ۱۴ جنوری ۱۹۴۹ء ٹھہریاں

حضرت والائے نعیم اشرف خاں سے خود بیٹ میں سنا ہوا ایک واقعہ بیان مندرجہ ذیل کہ
 نعیم اشرف خاں نے سنا یا میں نعیم آباد میں کوٹوال لگا ہوا تحارات کرگشت کیا ہوا سامتی سپاہیوں
 کے ساتھ بازار سے گزرا تو دیکھا کہ عین وسط سڑک میں کوئی لمبیٹ رہا ہے سردی سخت تھی لیٹنے
 والا سردی سے سکتا رہا نہ مجھے رحم آیا سپاہیوں کو کہا اور نہیں تو کچھ اس کے پاس آگ ہی جلاؤ
 کہ ان کو کچھ گرمی پہنچ جائے سپاہیوں نے نکالوں کے چیر مل سے ہنس وغیرہ کہنے لگا کر میرے
 پولیس والوں کی عادت ہوتی ہے کڑیاں اس کے پاس جمع کر کے آگ جلا دی، آگ کی روشنی
 میں میں نے دیکھا کہ وہ لیٹنے والا شخص ایک عورت ہے ہم وہاں سے چلے گئے اگلے روز ایک
 عدو ز بعد میرے تہوار ضلع ہر روٹی کا حکم آگیا، میں اپنے گھر والوں بال بچوں سمیت ہر روٹی پہنچا

میری خوشامد بھی ساتھ تھی، بال بچوں کو ایک جگہ بٹھا کر میں چار سچ لینے میں مشغول ہو گیا۔ تو گھر والوں نے بتایا کہ ایک عورت پاگل سی آگئی اور آکر مستورات اور بچوں کو دیکھ کر ہنستی اور ہنسے کو تھوڑی دور بھاگ جاتی پھر آ جاتی یہی تماشا سا کرنے لگی تو گھر والوں نے اسے کہا کہ باؤلی ایسا نہ کر وارو نہ صاحب آکر ماریں گے، اتنے میں میں بھی پہنچ گیا تو وہ عورت مجھے کھنکھائی لگی کہ بھائی مجھے پہچانتے ہو میں نے گھر والوں سے اس کی حرکات بھی سن لی تھیں اور اس کے پوچھنے پر اس سے کہا کہ نہیں۔ اس نے کہا سسکار یا دکر و فیض آباد میں آئے میرے پاس رات کو تھپنے کیلئے آگ روشن کرائی تھی میں وہی ہوں مگر تم لوگ میرے تباہ کردار دیکھنے کی وجہ سے یہاں آئے ہو، اب مجھے خیال تو ہوا مگر اہمیت نہ دی اور ہم اپنے شغل میں لگس گئے گھر والوں نے آپس میں تذکرہ کیا کہ ہر دہائی کی امرتی لہری ہوتی ہے۔ وہ عورت بولی سرکار امرتی کھانا چاہتے ہو تو یہ لہری کتنی ہی ایک امرتی سے بھری ہوئی ٹوٹ کر پیش کر دی جس میں گرم گرم امرتیاں تھیں جہاں اٹھ رہی تھیں۔ ہم نے اس خیال سے کہ نہیں معلوم یہ کیا بلا ہے وہ نہ کھاتیں ایک دن گھوڑے کے ٹانے سے بھری بالٹی کو لگا کر سسکار یہ مانہ نہیں رو پے ہیں جب ہم نے دیکھا تو بالٹی واقعی رو پوں سے بھری ہوئی تھی، ————— یہاں میں نے نعیم اللہ خان سے دریافت کیا کہ وہ رو پے کیا ہوئے بتایا کہ وہ رہے نہیں میں نے کہا بس آگے چلو، انہوں نے آگے سنایا کہ وہ روز کھاتی اور گھر والوں نے ایک دن کسی مردہ سے تعویذ کا فکد کیا تو اس عورت نے کہا سرکار تعویذ چلیے یہ کہہ کر ہاتھوں سے قذائف نکال کر دیدیئے، اس سے ہم نے پوچھا کہ تو کیا بلا ہے اس نے کہا سرکار شہیدوں کے جن مجھ پر عاشق ہیں وہ رات کو ہمارے پاس نہ رہتی تھی بلکہ کہیں دیکھی نہ جاتی تھی ایک دن میں نے پوچھا کہ وہ جن کیا ہیں کیسے ہیں، اس نے کہا سرکار جن دیکھ کر ڈبکا گئے، میں نے کہا نہیں تو اس عورت نے اپنا منہ دوسری طرف پھرا کر جو ہماری طرف کیا بہت بٹاسر۔

بہت بڑی بڑی لٹے سے کچھ کم آنکیں اور بڑی بڑی منجھیں نظر آئیں اور پھر دوسری طرف
 منہ کر کے جو ہماری طرف پھرایا۔ تو وہی عورت کی عورت ہم بے حد حیران ہوئے، میں نے کہا، وہ
 شہید کہاں ہیں کہا سرکار یہیں باہر جگل میں ہیں میں نے کہا کہ ان کی قبریں مجھ بھی دکھاؤ تو اس
 رات کو ساتھ چلنے کو کہا میں اور میرا دیوان دونوں صبح ہو کر رات کو ساتھ ہو لیے تو شہر سے کافی
 فاصلہ پر جا کر اس نے ہم سے الگ ہو کر ایک جست گھاٹ اور جگل کی طرف کو لٹائی اور آگے جا کر بھی
 کہا کہ ادھر آجاؤ ہم بھی چپکے چلے گئے وہاں معمولی شکتی دو قبریں امد ایک نماز کا چوتہ سا بہت
 خستہ حالت میں تھا، وہاں اس نے بھی نفل پڑھے ہیں بھی پڑھنے کو کہا ہم با وضو ہو کر گئے تھے،
 تو نفل پڑھے پھر اس سے باتیں کرنے لگے میں نے کہا کہ یہاں ہم بہت دور اپنے ضلع سہارنپور سے
 آگئے ہیں۔ ہمارے ہاں سے تبادلوں اور کو کر اسے اس نے کہا سرکار یہ دو لٹیں لٹا کر لٹا کر
 رکھ دو میں نے رکھ دیں تو کہا فلاں جگہ ہے فلاں ضلع میں ہے وہاں کا تبادلوں صبح کو آپکا ہو جائے
 گا، میں نے کہا سہارنپور نہ کرایا خیر وہ بھی وہاں سے قریب ہے اگلے روز صبح کو اچانک یہاں
 سے اس ضلع کو جانے کا حکم مل گیا وہاں چلے گئے کلکٹر نے مل کر بہت اچھی باتیں کیں، تعلیم و تربیت
 کی میں نے بتایا کہ بی لے کیلئے اس نے کہا کہ ضلع میں فلاں جگہ جو اس رات اس عورت سے
 تعلق مٹی خالی ہے وہاں جاؤ، ہم اس گاؤں میں چلے گئے کہ وہ بھی وہاں پہنچ گئی اس سے کہا
 باؤلی وہاں شہر میں تھا کہ کو ال تھا اب یہاں گاؤں کے دریاں تھلے میں آگئے ہیں اچھا تبادلو
 ہوا کہ مصیبت ہو گئی، پہلی سرکار گھبراؤ نہیں جلد ضلع کے مالک ہو جاؤ گے چنانچہ چند روز بعد
 کلکٹر نے یا کسی امد افسر نے جس کا تعلق تھا مجھے اس تھانہ سے بلا کر ایک افسر پولیس کا
 پیشی میں ہوتا ہے وہاں لگا دیا امد ایک روز میری رپورٹیں وغیرہ دیکھ کر اور کام جانچ کر
 اس نے کہہ دیا کہ اب تم ہی لکھ کر مجھ سے دستخط کرا لیا کرو چنانچہ میں ضلع میں کلکٹر کے نام پر حکوت

کرنے لگا اب وہ عورت آتی تو کہتی سرکار ملازمت چھوڑ دو، یہ پڑھا کرو، وہ پڑھا کرو، میں
 نے کہا بادل اب تو ہم آرام کے ہوتے اور ملازمت کا پورا فائدہ اٹھانے کے داغ آئے، اب
 چھوڑ دیں نہیں چھوڑتے، اس نے کہا اچھا۔ اس کے بعد والد صاحب کے خط آنے لگے کہ
 میں ضعیف ہو گیا ہوں تمہارے دوسرے بھائی فلاں فلاں کاموں کی وجہ سے باوجود بلبلے کے
 میرے پاس رہنا نہیں چاہتے اور بھی ضرورتیں ہیں تم ملازمت چھوڑ کر چلے آؤ، میں نے محل
 محبت کی تو والد صاحب نے خود آکر مجھ سے استعفیٰ دلایا۔ ایک دو دفعہ کلکٹرنے استعفیٰ
 منظور بھی کیا اور مجھے بہت بھایا کہ نوکری نہ چھوڑ دو مگر میں والد صاحب کے کہنے سے مجبور
 تھا آخر چھوڑ کر چلا آیا۔ اب جس کھم کو کہ نقصان اور ٹوٹا ہوا ہے اور بڑی دقت کی زندگی
 ہو گئی اور وہ عورت بھی اب کبھی دکھائی نہ دی، میرے گھر سے پانی پت کی تھیں وہ مریض ہونے
 لگیں بہت علاج کئے ناکامی کی صورت میں دواؤں اور عاقلوں کی طرف رجوع کیا ایک شخص نے
 کہا کہ میں استحقاق یا کوئی عمل کر دوں گا جس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ ان مصائب کا ازالہ کیسے
 ہو سکتا ہے چنانچہ کچھ دن بعد اس نے بتایا کہ پانی پت میں ایک مزار ہے کسی شہید یا بزرگ کا
 اس پر جا کر سات چراغ جلا دو تو سب درست ہو، چنانچہ میں نے جانا اپنے سسرال تھلہی۔
 چراغوں کا انتظام کر کے لے گیا وہاں مزار پر بڑی دہشت معلوم ہوتی تھی اور کانپنے لگا کہ چراغ
 گر جائیں مگر بہت کر کے جلد جلد وہ چراغ جلا دیئے۔ اگرچہ اس کا کچھ اثر پڑا مگر مقدر بہ فائدہ
 نہ ہوا ایک دن دوسری مرتبہ میں پانی پت گیا تو عورت دھڑکی ہوئی آتی اور میرے قدموں پر
 گر گئی میں نے فوراً دیکھا تو وہی عورت تھی مگر وہاں اس کے کپڑے پوری وضع کے اور
 یہاں ادھر کی وضع کے تھے بڑی روتی رہی اور اصرار کیا کہ میری دعوت منور رکھاؤ، میں نے
 دریافت کیا کہ تو یہاں کیسے اس نے کہا کہ سرکار مجھے اب مدت سے یہاں قید کر دیا گیا ہے،

قند صاحب میں ایک جگہ میں رہتی تھی اور شعبہ کے طرز پر قنویذ مانگنے والوں کو ہتھوں میں سے قنویذ نکال کر دیتی رہتی تھی لوگوں نے بھی یہ تماشا بنا رکھا تھا اور سارا ہی سلسلہ جاری رہتا تھا۔

حضرت والہ نے یہ حکایت سنا کر فرمایا کہ میں نے اور عدل سے بھی اس کے بعد دریافت کیا تو لوگ بتاتے تھے کہ وہاں اس قسم کی حدوت رہتی ہے جس طرح وہاں اور لوگ پڑے رہتے ہیں وہ بھی رہتی ہے۔ ————— مجھ سے نعیم اللہ خاں نے دریافت کیا کہ یکایات تھی، میں نے بتایا یہ سب شیطانی اثرات تھے اور اس کے تم سے بڑھ کر انا تھا وہ چراغ جلو کر لیا اور کچھ بھی نہیں اس شخص نعیم اللہ خاں نے میرے ہاتھ پر بیعت بھی کی۔ اب اس کا انتقال ہو چکا ہے۔

۲۱، صفر ۱۳۶۶ء مطابق ۱۵، جنوری ۱۹۴۷ء ڈھڈیاں

مولانا حبیب الرحمن صاحب نے مولوی زبیر صاحب کی طرف سے ایک سوال کا ذکر حضرت والا کی خدمت میں کیا تو حضرت والا نے فرمایا کہ دینی تعلیم حاصل کرنے والوں کی ابتداء میں اپنی نیت کو کسی کی ممو نہ ہوتی نہیں بلکہ والدین اور سرپرست بھی خالی الذہن ہو کر یا فاسد نیت سے پڑھاتے ہیں اب یہی صورت ہے کہ کسی اشد کے بندے کی صحبت اٹھا کر پچھلے اپنے آپ کو اسلام کا حامی بنالیں، اصلاح نیت کر لیں اور اخلاق کو سنوار لیں پھر خواہ دینی تعلیم و علم کا کام کریں یا معاشی سب ٹھیک ہوگا اور یوں اگر بڑے سے بڑے دینی مدرسے کے صدر مدرس بھی بی جائیں اور ان سے ہزاروں لوگ دین پڑھیں مگر ان کے لیے وہ دنیا ہی دنیا ہے

کا۔ مولوی زبیر صاحب کی طرف سے مولانا حبیب الرحمن صاحب نے سوال کیا کہ بال بچوں کے نام نفع اور خدمت والدین کے انتظام کے ترک سے گنہگار تو نہ ہوں گے فرمایا کہ مگر خود کریں تو اپنے حرم کا علاج کرنے جہلے میں آدمی معذور ہوتا ہے یا گنہگار، اعدا اب جب طلب پڑھ رہے ہیں تو اب وہ خدمت ترک ہے یا نہیں؟ مولوی زبیر صاحب نے خود اشکال وار دیکھا کہ حضرات صاحب کرام تو کھم میں لگ جاتے تھے کوئی تجارت میں کوئی زراعت اور صنعت میں تو اب ہم کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیے۔ حضرت والائے فرمایا کہ ہم منہ بھر بھر کر صاحب کرام کے نام تعلقہ ہیں مگر ہم میں سے کسی کو ویسی محبت نہیں ہے جو فوراً اصلاح ہو جائے اور کام پھر کر رہا ہی ہوتا ہے ان کے کام مقدم نہیں تھے وہ دینی ضرورت پر سب کام چھوڑ دیتے تھے اور ہم معاشی ضرورت پر دینی کاموں کو ترک کر دیتے ہیں حالانکہ ہمارے دینی کام بھی روح کے اعتبار سے دنیا کے ہی کام ہیں مولوی زبیر صاحب نے کہا کہ جب ہم کو وہ چیزیں تو پھر کیجئے کریں فرمایا کہ اگر ویسا نہ ہو سکے مگر ہمارے لائق ہو جائے تو اس کا امکان ہے اس کے لیے کوشش کرو، عرض کیا کہ حدیث میں ہے کہ آخر زمانہ میں اگر دسواں حصہ بھی کوئی کلمہ تو فہمیت ہو گا فرمایا کہ دسواں تو کیا لاکھواں حصہ بھی اگر آپ کو حاصل ہے تو فہمیت ہے مگر اپنے اخذ کا مطالبہ خود کر لو کہ ظالم کام خالص نیت سے ہوا ہے، ہمارے حفرۃ رحمۃ اللہ علیہ نے تو فرمایا کہ زندگی میں ایک عمل بھی خالص نیت سے ہو جائے تو ہو سکتا ہے کہ نہایت کلمے کافی ہو جائے اس کی وجہ اور تفصیل تو بہت ہے اور اگر تم طلب پڑھنے ہی خدمت والدین اور حقوق زوجین کے خیال سے آئے ہو اور یہ حقوق کی ادائیگی کا خیال خوف خدا و غمی یا رخصت الہی کے پیش نظر رکھتے ہو تو تم کو جو کام جانتے ہو سب درست ہے اگر خود مطالبہ کیا اس نتیجہ پہنچو کہ یہ بات نہیں تو پھر سب کام چھوڑ کر اس قسم کی نیت کتنا سیکھو کہ اس کے بغیر جو بھی

کر دے وہ عاقبت۔۔۔ تمہیں کیا کام آئے گا خلد ایسا کرتا کچھ بھی ہو اگر اس نیت سے نہیں تو
سببے کار۔

۲۲، صفر ۱۳۹۷ مطابق ۱۶ جنوری ۱۹۷۷ء ڈھڈیاں

حضرت مولانا عطاء محمد صاحب کو مخاطب کر کے حضرت والہ نے اذکار و اشغال کے
مقرر کرنے کے اصول جامع اور مجتہدانا غازی میں بیان فرمائے جس سے معلوم ہوا کہ مہر چلنے
او کا سوا اشغال تجویز کرنے میں کسی اصول کو ملحوظ رکھنا ہے نیز جملہ طرق کے اذکار و اشغال کے
باہمی فرق کی وجہ اور جملہ طرق میں تطبیق خود سمجھ میں آئی کہ حاصل سبب کفایت کو جمع کرنا ہے
اس لیے کہ خیالات اگر جمع کرنے کا اہم سنگ آجائے تو خیالی کی قوت دنیا کی سبب قوتوں سے
بڑی قوت ہے جو انسان کو رامطے کرنے میں مدد دیتی ہے اگر یوں کہا جائے تو ایک حد تک
بجائے کہ خیالات کو مجتمع کرنے میں ہی وقت لگتا ہے جب اس پر قابو ہو جائے تو سالک کے
قبضہ میں ایک ایسا باق بق رہتا رہتا ہے جو اس ماہ کی منزلوں کو چشم زدوں میں ملنے لگے
انسان کو دروازہ خداوندی پر پہنچا دیتا ہے۔ ہر انسان اپنی قوت اجتماع خیالات کی صلاحیت
پکا مزیں ہوتا ہے جس طرح یہ باق دروازہ خداوندی پر پہنچا سکتا ہے اسی طرح اگر اوجھڑ
نہ ہو تو جدھر سالک کو جہ کرے اوجھ کر کے بہ انتہاء حدود تک پہنچا جاتا ہے انفرادیہ سب
انسان کے اندر کی چیزیں ہوتی ہیں اور اکثر مزاج پر موقوف ہوتی ہیں آئندہ بھی طبعی بات جوتے
میں لطائف بھی سب انسان کے اندر ہی ہیں یہ تمام چیزیں اگر صحیح طور پر کام میں لائی جائیں
تو سب استعداد انسان کو صرف دروازہ تک لے جاسکتی ہے مگر وہ چیز جو اصل چیز ہے وہ

رفائے الہی پر موقوف ہے اور محض قبضہ خداوندی میں ہے جب انسان اس درکار و روش
 بن جائے اور دروازہ پر جا پڑے تو اگر خدا کو منظور ہو پھر ایک چیز ادھر سے آتی ہے وہ انسان
 کے اندر سے نہیں باہر سے آتی ہے مگر اس کا نہ تو تصور ہو سکتا ہے نہ مثال اور نہ کسی کے بس
 کی ہے شیخ کا کام بھی بس دروازہ تک پہنچا دینے پر ختم ہو جاتا ہے اب انتظار ہے جب اللہ
 چاہے کرم فرمائے ہماری قوم کی قسمت ہے کہ اول تو دنیاویات اور تصوف کی طرف کوئی اہل
 آقا نہیں اور مشاغل میں بچس جاتا ہے اور اگر کوئی ادھر آئے بھی تو جو ادھر لگ رہے ہیں۔
 اسے ان سے چھٹکارا پاکرا طینان سے کام کر لے گا جو کچھ نہیں ملتا۔ حضرت والا سے دریافت
 کیا گیا کہ جب کوئی گناہ ہو جاتا ہے اس کے بعد بڑی ندامت، رقت اور کوفت ہوتی ہے۔
 فرمایا کہ بات بہت اچھی ہے مگر یہ خیال رہے کہ اس ندامت رقت اور کوفت کی کیفیت پیدا
 کرنے کے لیے گناہ نہ کیا جائے یہ بھی شیطان کا دھوکہ ہو سکتا ہے اور اس کے اور نفس کے
 دھوکے بڑے ہیں۔

۲۸، صفر ۱۳۶۶ھ . لائل پور

ایک تابینا حافظ مولوی عبدالمجید صاحب بی اس نے دو سوالات کئے جن کے حضرت
 والائے مختصر جوابات دیئے کہ اولاً اپنی مدلل کوشش سے قرآن کے ترجمہ میں مرزا کی تحریف
 کے مقامی سلسلہ کار و جاری رکھو اور اصرار اور جمعیتہ وغیرہ نیشنلسٹ مسلم جماعتوں کے اتحاد
 کے متعلق تو ان تحریکوں اور جماعتوں کے مجتہدین سے گفتگو کرو، میں مقلد حضرت مدنی کاہول
 ان کے بعد اصرار کو خصوصاً مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی اور مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب

بخاری کو اچھا سمجھتا ہوں باقی یہاں ایک کانگریسی ہمارے ساتھ ہے جو کانگریس میں مجتہد ہے
یعنی مولانا حبیب الرحمن صاحب، اگر کچھ کانگریس کے متعلق پوچھنا ہو تو اس سے پوچھو۔

۱۰ ربيع الاول ۱۳۱۷ھ مطابق ۴ فروری ۱۹۹۷ء عکبر اوّل ضلع لدھیانہ

تین شخص بیعت ہونا چاہتے تھے ان کے متعلق ایک شخص نے عرض کیا کہ تین آدمی تو بہ
کرنا چاہتے ہیں حضرت والائے فرمایا کہ مسلمان ہیں تو بہ تو کرتے ہی رہتے ہوں گے میں مسافر
اور دور کار رہنے والا ہوں یہ مولوی صاحب بھی مدد کے میرے ساتھ رہنے والے ہیں جنس
کر فرمایا (مولانا حبیب الرحمن صاحب کے متعلق) ان سے بیعت ہونا ویسے بھی ہر شخص کے
بس کی بات نہیں کہ ساتھ چہاد کی بیعت لیتے ہیں اس لیے بیعت کرنا نہ ہے تو مولوی براہیم صاحب
اور مولوی محمود الحسن صاحب ہیں یا کسی اور سے کراؤ کیونکہ اس میں صحبت کی ضرورت ہوتی ہے
اور ان کو میرے پاس بوجہ دوری آنے جانے کی آسانی نہ ہوگی مگر وہ منبر جوئے تو حضرت
والائے مان لیا اور ان کو سامنے بٹھا کر تینوں کے ہاتھ ایک ساتھ اپنے ہاتھ میں لے کر پہلے
کہہ شریف لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھایا پھر کہلایا۔ یا اللہ اسی تو بہ کر دے ہاں کھڑے شرک
نستیں بدعت ستیں غیبت ستیں نہا ستیں جھوٹ بولنے سے نماز چھوڑنے سے ہر سب گناہوں
سے جو اسان اپنی ساری عمر وہ کہتے چھوٹے ہوں یا بڑے اسی عہد کر دے ہاں کہ تیرے سب
حکم منان گے تیرے رسول پاک دی تابعداری کراں گے یا اللہ۔! ساڈے گناہ بخش دے
سانوں تو فقیق دے اپنی رضا مندی دی اپنے رسول پاک دی تابعداری دی پھر فرمایا کہ بس اب
گناہاں توں بچدے رہناں نماز دی پابندی رکھنا جماعت نال نماز پڑھن دی کوشش کرنا بیعت

مے برخلاف کم نہ کرنا، بری صحبت توں بچنا صحبت و اثر ہند لہتے ماں بُرا بن جائد لہے نیکا
دی صحبت اختیار کرنا درود شریف سوم کل پڑھدے ہنا۔ ایک تسبیح یا تین تسبیح مولوی صاحب
قل بکہ لینا۔

یکم رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۰ جولائی ۱۹۴۶ء۔ رائے پور

ایک مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت شیخ کی صحبت کے
کچھ آداب ہیں فرمایا کہ سب سے بڑا ادب محبت ہے اور وہی سب آداب سکھاتی ہے۔ اور
محبت نہ ہو تو ادب بے جان ہے مولانا عبدالرشید صاحب مصنف لغات القرآن نے دریافت
کیا کہ حضرت اگر محبت کم ہو تو پھر کیا کام کچھ چل سکتا ہے۔ فرمایا کہ ذکر الہی کی کثرت سے کچھ کام
چل سکتا ہے اور نوافل نمازیں، تلاوت قرآن مجید، ذکر اسمائے الہی یہ سب ذکر الہی میں شامل ہے
البتہ ذکر اسم الہی سے احساس آدمی کو ذرا جلد ہو جاتا ہے اور دوسرے اذکار میں ذرا دیر سے اور
وتبارک اسمک کے متعلق شاید آپ نے مجھ سے مضمون پہلے بھی سُن رکھا ہوگا فرمایا ایک مرتبہ
مجھے رمضان ایسے گزارنے کا موقع ہوا کہ اس میں علاوہ پڑھنے پڑھانے کے باتیں کرنا نہیں ہوا
صرف مغرب کے بعد ایک دوست سے کچھ باتیں ہو جاتی تھیں اور وہ دوست ہی مولوی عبدالرحمن
صاحب کے والد ہیں

• دل زپر گفتن، میرد در بدن گرچہ گفتار شش بود در عدن
مولوی محمد اکرم صاحب ثلثہ شریف والد نے دریافت کیا کہ در عدن سے مراد دنیا کا کلام
ہے فرمایا دین کا کلام بھی مراد ہے پر گفتن اس میں نہیں چلے۔

۲، رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۱ جولائی ۱۹۴۷ء ملتے پڑے

مغرب کے بعد کی مجلس میں تذکرہ مولانا آزاد کی تفسیر اور اس کے قصص کا آگیا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ مولانا کو تحقیق میں بڑا کمال ہے جیسے کہ ذوالقرنین کے متعلق تحقیق فرمائی ہے اور فرمایا کہ قصص کی تحقیق اس طرح ضرورت کے مطابق ہے اس کی ضرورت ہے کہ ان قصص کی جان تک ممکن ہو تحقیق کر دی جائے اور مولانا اگر لوگوں میں خاص مہارت معلوم ہوتی ہے۔ مولوی حبیب اللہ صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت بعض شیوخ کے متعلق ہے کہ وہ ظاہری شرعی عبادتوں کی قیود سے نکل جاتے ہیں مثلاً نماز چھوڑ دیتے ہیں اور ذکر و فکر ہی کو نماز اور دائمی نماز سمجھ لیا جاتا ہے اور شیخ اکبر کی بعض عبادتوں کا ایسا مطلب بیان کیا جانا حتیٰ یا تیلک الیقین سے بھی بعض ہی معنی نکالتے ہیں اس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ کی طرح میں نے بھی کبھی وہ درجہ نہیں پایا البتہ اتنا ضرور ہے کہ حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے سب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین مشہور صوفی بزرگ جیسے حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی، حضرت جنید بغدادی اور ایسے ہی اور بزرگوار جو اس سلسلہ کے امام ہیں، قدس اللہ اسرارہم۔ ان کے متعلق کوئی ایسی بات کہیں دیکھی اور سنی نہیں، بلکہ اس کے خلاف شرع کی پابندی ہی ثابت ہے اگر کوئی ایسا درجہ ہوتا تو ان حضرات میں ضرور اس کی مثالیں اور بیانات میں تذکرہ اور نصوص میں دلائل و اشارات ہوتے مگر وہاں تو اس کے خلاف خدا کی عبادت پر مداومت اور شرع کی پابندی کی تاکید کی اور اسوۂ نبوی کو معیار قرار دیا گیا ہے اور اعمال و اقوال سب اسی کے موید ہیں۔

۴. رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۳ جولائی ۱۹۱۵ء راتے پورے

مغرب کے بعد کی مجلس میں ایک مولوی صاحب نے تذکرہ شروع کیا کہ بعض بزرگوں کے متعلق مسئلہ ہے کہ وہ کئی جسم بن کر مختلف مقامات پر اپنے آپ کو ایک ہی وقت میں دکھاتے ہیں حضرت والا نے فرمایا کہ ایسے کیسے ہو سکتا ہے البتہ ممکن ہے کہ ان کے لطائف متشکل ہو جائیں اور ایسا ہوا بھی ہے ایک بزرگ کا نام اور تعارف بیان فرمایا کہ انہوں نے درخت پر قیام کر رکھا تھا نماز کا وقت تھا اپنے تمثیل جسم کے ساتھ مسجد میں جماعت میں شریک ہوئے، ان کے مرید جو امام اور ان معاملات کے خود بھی اہل بعید میں سے تھے پہچان کر وہیں سے آواز دی کہ حضرت نماز نہیں ہوئی کیونکہ نماز اصل جسم پر فرض ہے نہ کہ تمثیلی جسم پر؛ یہ سن کر پیر صاحب فوراً درخت سے نیچے گر گئے اور اصل جسم سے نماز پڑھی نیز محبت میں بھی بعض اوقات کسی کو ایسا نظر آ جاتا ہے کہ فلاں صاحب ہیں اور ایسا واقعہ میں نہیں ہوتا فرمایا کہ حضرت سید شہید علیہ الرحمۃ کے متعلق جو بیان کیا جاتا ہے میں اس کو انہیں مصداق میں سے ہی سمجھتا ہوں اور یہ غلط سمجھتا ہوں کہ وہ دوبارہ ظہور کریں گے یہ تو صحیح ہے امام غائب والے غلط عقیدے جیسا غلط عقیدہ ہے کیونکہ وہ بھی کہتے ہیں کہ امام مہدی فارسیہ من راتے میں پوشیدہ ہیں اخیر زمانہ میں ظہور فرمائیں گے جن لوگوں نے ایسے واقعات بیان کئے اگر وہ دیکھنا ملنا واقعہ صحیح ہے تو وہ کائنات کا ظہور یا کشف کا ماحرہ ہے کہ اس میں بھی ہر شخص کو صحیح انداز شکل ہوتا ہے کسی کے دریافت کرنے پر حضرت نے فرمایا کہ قیامت کے متعلق جو اولیاء سے فسوس پیش گوئیاں ہیں وہ بھی ایسی ہیں کہ یقین کے قابل نہیں اور اس میں علامہ روایت کے اعتبار کے اور بھی سلسلے ہو سکتے ہیں، بعض اوقات صاحب کشف کو قرینہ میں دھوکہ ہو جاتا ہے غرضیکہ وہی صحیح ہے جو نصوص میں ہے کہ وقت

کا تعین اللہ کے علم میں ہی ہے اور بس۔

۲۹ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۸ اگست ۱۹۴۷ء رات پونے

مغرب کے بعد کی مجلس میں آزادی ہند کی مبارکبادی پر فرمایا کہ اگرچہ مسلم لیگ نے ملک میں نفرت پھیلانے کی مسرتوں کو گدلا کر دیا اور پھر ملک کے تقسیم ہو جانے سے جو فساد برپا ہے وہ بھی ذل کو دکھا رہا ہے آزادی میں ہم کیا خوشی محسوس کریں کہ مسلم قوم تو مذہب سے دور ہو گئی علماء کے خلاف چلی اور اب آئندہ اول تو اس افتراق و انشقاق کے باعث ہمیشہ جرمی اور فرانس کی طرح لڑائیاں رہیں گی اور اگر ملک نے ترقی کی تو مادی ترقی تو ہوگی مگر مذہب کے لیے تو اب کوئی جگہ نظر نہیں آتی۔

حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب نے عرض کیا کہ حضرت نے سچ فرمایا مگر یہ تو اب مذہب کے سرپرست حضرات کو چاہیے کہ وہ مذہب کے قیام و دوام کے لیے کوئی کام کریں۔ حضرت والانے فرمایا کہ اس کے لیے آدمیوں کی ضرورت ہے مگر ذہین اور لائق عناصر دوسری تعلیم میں چلے جانے کی وجہ سے اب آدمی نہیں ہیں۔

یکم شوال المکرم ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۸ اگست ۱۹۴۷ء رات پونے

مغرب کے بعد کی مجلس میں اس امر کا تذکرہ تھا کہ صوفیاء کی بیعت ایک عہد ہوتا ہے اور ہر عہد کا ایک اثر ضرور ہوتا ہے کم ہو یا زیادہ چنانچہ اس پر تجربہ شاہد ہے فرمایا کہ خلفاء راشدین

رضوان اللہ علیہم اجمعین چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے اس لیے وہ بیعت
 طریقت اور بیعت خلافت دونوں کر سکتے تھے اور چونکہ سلطنت کا اثر سب اثروں پر موقوت غالب
 ہوتا ہے اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دوسرے تبلیغی کمالات اور ذرائع کے ساتھ ساتھ حکومت
 بھی اللہ تعالیٰ نے دی تاکہ ہدایت علی وجہ الکمال ہو جائے تو یہی رنگ خلفاء راشدین مہم میں
 کا بھی ہوا مگر بعد میں جب خلافت جامع کمالات نہ رہی تو صوفیائے بیعت طریقت جاری کی،
 اور اس میں عہد ہوتا ہے جو عزم پاڑ ڈالتا ہے اور خدا کے حضور گناہوں سے توبہ اور نیکیوں پر
 استقامت کی دعا مزید بآں ہے کہ اللہ فالوں کی دعاؤں میں تاثیر ہوتی ہے۔ فرمایا کہ الناس
 علی دین ملوکھم شہد قول ہے جو اپنے اثرات میں پائے شوکت کو پہنچا ہوا ہے ایک نماز وہ تھا
 کہ حضور اور صحابہؓ لوگوں کے گھر میں پر تبلیغ کے لیے جلتے تھے اور ایک نماز وہ آیا کہ لوگ فوج
 و رفوہ و فود بنا کر حضور کی خدمت میں دینی عامل کرنے کو آنے لگے اور صحبت جس پلے کی ہوا کی
 حسب استعداد تاثیر مسلمات ہے تو ایک دفعہ زیارت کرنے والا بھی صحابی ہو گیا اور حسب
 استعداد نعمت حاکمی سے فائز اور جنہوں نے زیادہ صحبت لٹھائی اور دیر تک ساتھ رہے اور
 استعداد عالی رکھتے تھے ان کے کیا کئے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی استعداد ااکمل۔
 ساتھ دیر کا تعلق اور صحبت کمال کی توجہ حاصل ہوا وہ بھی اتنا کمال کا کہ ظاہر ہے اور اسی طرح
 حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک جنگل میں سے نکلے تو کھڑے ہو کر مسکرا کر گئے کہ یہاں میں اپنے والد
 کے اونٹ چرایا کرتا تھا اگر کوتاہی کرتا تو وہ بڑے سخت تھے اور پورا کام کرتا تو کبھی شاباش نہ
 ملتی تھی کہ خدا کا اس نے مجھے کچھ عطا کیا۔ ان کی خلافت کے کیا کئے کہ چند سال میں دنیا کی
 بڑی بڑی سلطنتیں الٹ دیں اور یہ کچھ اور مشہور تاریخی قاتلین کی طرح نہ تھا بلکہ ایسا نظام اور
 انتظام چلایا جو لوگوں کی اصلاح کا موجب ہوا یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت ہی کا

اثر تھا کہ لوگ سب کچھ اللہ واسطے کرتے تھے سولے کے غنیمت کے ڈھیر پڑے ہیں مگر پاہن
محافظ کبلی میں بیٹھا ہے اور ایک عہد خیانت کا نام نہیں، ابو عبیدہ ابن جراح امین امت کا
حال یہ کہ شام کے غزلنے قدموں میں ہیں مگر اسی حال میں ہیں جو حضور کے زمانہ میں تھا یہ حضرات
دنیا کے زاہدین تھے اگر ہم ان کے حالات نہ پڑھتے تو سمجھتے کہ دنیا ویسے ہی چلی جاتی ہے مگر
ان کے حالات خود معجزہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جن کی صحبت کی یہ برکت تھی۔ بعد
حضور کے ایسے تربیت یافتہ ہوئے پاکیزہ نفوس کو اگر کوئی کہے کہ وہ یہ سب نفاق سے اور
دنیا طلبی کے لیے کہتے رہے تو پھر اور خلوص ایمان اور زہد کہاں ملے گا پھر تو حضور کا کیا کمال ہوا
کہ تمام عمر جو لوگ ساتھ رہے اور حضور کی زبان حق ترجمان سے جنہوں نے صداقت خلوص اور
امانت کی سند حاصل کی۔ وہ بھی اگر خدا نہ کرے معاذ اللہ شیعہ جیسے لکھتے ہیں منافق اور
دنیا طلب نکلیں تو پھر حضور کی نبوت کیا ہوئی اور پھر خدا کا وجود اور اس کی رہنمائی، ہدایت اور سکنا
سے ثابت کی جائے گی۔ الغرض ہر صحابی خصوصاً صحابہ کرام میں سے مشہور ہستی یا اسلام کی
صداقت، حضور کی رسالت اور خدا کی خدائی اور رحمت کا ثبوت ہیں ان کے انکار سے کچھ کیا
لازم آتا ہے۔ نفوذ باللہ من شرور انفسا

۲ شوال المکرم ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹ اگست ۱۹۴۱ء رملے پور

عصر کے بعد کی مجلس میں حضرت مولانا عبد الرشید صاحب نعمانی مصنف لغات
القرآن کو مخاطب کر کے فرمایا کہ انسان پیدائش سے لے کر تمام عمر علوم جو ماسوا اور غیر اللہ میں
گماتا ہے خواہ کسو حاسد سے کہائے تو اب جب خدا تعالیٰ کی طرف چلتا ہے جسے سلوک کہتے ہیں

تو اس راہ میں وہ تمام علوم جو لوہا و دھات پر منقش ہو گئے محو کرتے ہیں اور یہ صحبت ذکر و ماحل تمام چیزوں کے ذریعہ کیا جاتا ہے پھر اس پر دوسرے نقوش کھے جائیں تو آئیں گے۔ سلوک میں سب استعداد و رخ کا ٹھیک کرنا ہے کیونکہ یہ راہ خیال سے اور توجہ سے چلا جاتا ہے، فرمایا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ اس راہ میں جو کہنا ہے وہ کوئی ناہی ہے مگر پرہیز بہت ضروری ہے۔ روشنی کے لیے چراغ، تیل، بتی وغیرہ سب چیزیں کا اہتمام کیا جائے مگر بیکناخلاق نے پھونک مارنے کا نمونہ دے کر فرمایا صرف نوم سے جو سکتا ہے پس ماحل، صحبت ذکر و شغل تو کرنا ہی ہے لیکن پرہیز سب سے ضروری ہے فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا حال سنایا اور دریافت کیا کہ رحمت کی وجہ معلوم نہیں، حضرت نے ٹھٹھا سا ناس بھر کر ہی فرمایا کہ کیا کرایا کھولنے کیلئے سی گھنٹہ دہری نہیں کہ آدمی کسی معروف گناہ میں مبتلا ہو بعض اوقات ایک نظر جو کسی پر خلاف شرع پڑ جائے اس خرمین کو جلانے کو کافی ہوتی ہے لہذا اس ابتدائی نذرانی کہن کو ہمیشہ کے لیے بچانے کی سبب بن سکتی ہے۔ اَللّٰہُمَّ اَخْلُفْنَا مِنْ شَرِّ وَاَنْفُسَا۔

عرض یہ ہے کہ ہر شخص دنیا میں یہ سلوک طے کرتا ہے یہ جو احادیث میں آیا ہے کہ بعض لوگ پہل پر سنے بکلی کی طرح بعض گھوڑے کی طرح بعض اس سے کم چال سے نکل جاتیں گے اور بعض دودھ میں گر جائیں گے اور ایک خاص مدت بعد نکل کر آگے بھاگتے جاتیں گے اور بعض کو جب وہ جنت میں پہنچے جاتیں گے حسرت ہوگی کہ سنا تھا کہ وضو آئے گا پہل آئے گا مگر کوئی چیز دیکھنے میں نہ آئی تو جو لوگ سلوک یہاں طے کر لیتے ہیں ان کو وہاں طے نہیں کرنا اور جو ادھو سے رہ جاتیں گے وہاں پوری کریں گے اور جن میں جتنی کمی ہوگی اتنی وہاں وقت ہوگی تو یہاں کم سے کم یہ ہے کہ رخ ٹھیک کر لینا ہے جس نے رخ ٹھیک نہ کیا اس کے لیے گمراہی سے نکلنے کا پھر کیسے موقع ہو گا ہاں اللہ تعالیٰ ہی چاہے تو اور بات ہے نیز فرمایا کہ جس کے

دل میں یہ پیدا ہو گیا کہ ہاتے کچھ کرنا چاہیے تھا یہ بڑی غنیمت ہے ورنہ غفلت میں ہی رہتا ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ مصیبت نہیں معلوم کیوں آئی کوئی گناہ تو کیا نہیں، میں کہتا ہوں کہ غفلت ہی کیا کم گناہ ہے یہ سب اس سوال کے جواب میں تھا کہ مولانا عبد الرشید صاحب مذکور نے مثنوی کی طرف منسوب شعر ۷ بر زبان تسبیح و در دل گادفر کا مطلب دریافت کیا تھا۔

تو حضرت والائے فرمایا کہ اللہ کا نام تو صرف زبان سے لینے سے بھی اثر ہوتا ہے اور زبان کے ساتھ دل ہو جائے تو پھر کیا کہنے اور یہاں تو یہی پیدا کرنا ہے کہ ماحول ہو، صحبت ہو ذکر ہو، ماحول تو آئندہ شاید اب سے دینی اعتبار سے بدتر ہو اور صحبت بھی مفقود ہوتی جا رہی ہے ذکر جیسا ہو غنیمت جان لو خدا تعالیٰ کی طرف توجہ ہو جائے اور پھر جو چیز ادھر سے آتی ہے وہ تو اس کے اختیار میں نہیں ہے اصل چیز یہی ہے پس جتنا کرنے کا کام ہے کر لو خدا کے فضل سے آنے والی شے بھی زندگی میں یا بعد میں آپ ہی جائے گی بس یہ کر لو۔

۳، شوال المکرم ۱۴۶۶ھ مطابق ۲۰، اگست ۱۹۴۷ء راتے پورے

عصر کے بعد کی مجلس میں حکیم مولوی حبیب احمد صاحب کے مکان کو آگ کے لگ جانے کا ذکر ہوا تو اس پر حضرت والائے فرمایا کہ حضرت محمد اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ مصیبتیں بھی چکیا ہیں جو انسان غفلت سے بیدار کرتے رہتے ہیں انسان کو غفلت ترک کرنی چاہیے اور غفلت سے مراد خدا کی یاد سے خالی الذہن رہنا ہے اسلام نے رہبانیت نہیں سکھلائی مگر خیالات کو دنیا کے دھندوں کی الجھنوں سے نکلانے اور انہیں خدا تعالیٰ کی یاد کی خشکی پیدا کئے بغیر تو انسان کا کام نہیں چلتا اسے رہبانیت کیے تو اتنا تو کرنا ہو گا۔ دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کو بھی غائب کر میں جا کر رہنا پڑا اور پھر جب فرشتہ نازل ہوا تو لوگوں کی طرف تبلیغ کے لیے توجہ کی۔ ایک دفعہ پورا ٹوٹنے کی کوشش کئے بغیر جو دنیا میں گھسنا ہے یہ فحلت اور دنیا ہے اور ٹوٹنے کے بعد پھر تعلق جوڑنا بالکل دوسری حیثیت کا ہے اور پھر ساری دنیا دین اور کام فی سبیل اللہ جو جاتے ہیں فرمایا کہ ہماری سمجھ میں ابھی یہ بات نہیں آئی کہ مدسی یا اشتراکی نظام سے امن کیسے پیدا ہو اور خوشحالی کیسے ہو سکتی ہے اس کا فیصل تو اسلامی نظام ہے جو اخلاق کے بل پر اقتصادی اور سیاسی نظام کو قائم کرتا ہے۔

۴، سوال المکرم ۱۳۶۶ء مطابق ۲۱، اگست ۱۹۴۷ء رائے پور

مولانا حبیب الرحمن صاحب کو حضرت والائے فرمایا کہ میں تمہارے سیاسی نظریات اور حضرت مدنی مدظلہ العالی کے ارشادات کو حق سمجھا ہوں مگر لوگ عقل سے کام نہیں لے رہے اور جیسا خیال تھا کہ پاکستان بننے کے بعد ان کو اپنی غلطیوں کا جلد احساس ہو گا یہ ہوتا نظر نہیں آتا اور لب مجھے تجربہ ہو گیا کہ قومیں جب تباہ ہوا کرتی تھیں تو ان کو سیدھی بات بھی سمجھ میں نہیں آئی کرتی تھی پہلے صرف کتابی اور اجمال علم تھا اب تجربہ اور مشاہدہ سامنے ہے یہ سب کچھ ہے مگر جب اور پاگل ہو گئے ہیں تو ہم کو زیادہ عقل سے راہ نکلنے کی کوشش کرنے کی ضرورت ہے اس لیے میرا خیال ہے کہ اگرچہ زنداں کو پہلے کا سامرو ج اب نہیں رہ سکتا مگر ہو سکے تو ایسا کرو کہ ان کی اصل زمینیں کسی طرح فی الحال ان کے پاس رہ جائیں اور آخر کار ان کو اتنے حقوق تو رہ جائیں جو ایک کاشتکار کو رہا کریں گے۔

۳، رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۱ جولائی ۱۹۷۵ء آوارہ راستہ

شام کی مجلس میں یہ فرمایا کہ اے صاحب سہارن پوری کا حکم کلام تھا میرا چاند
 آپ نے اپنے ایک مرید کو جو قافلہ کے ہمراہ بندرگاہ پر چلے کے ارادہ سے گیا ہوا تھا خط لکھ کر لیا کہ
 میرے چاند اب جو جہاز چلنے کو ہے اس میں اگر محنت بھی بٹھائیں تو سوار نہ ہونا چنانچہ اس جہاز
 میں سہولت کے باوجود اور اس جہاز کے عین منزل وقت پہنچنے کے قریب کے باوجود اپنے
 ساتھیوں کے اصرار کے باوجود ان صاحب نے جہاز پر سوار ہونے سے انکار کر دیا اور بتا دیا
 کہ حضرت میاں صاحب کا ایسا خط آیا ہے اس لیے میں سوار نہیں ہوتا چنانچہ وہ اس کے بعد
 ولے جہاز پر سوار ہوئے مگر یہ دوسرا جہاز پہلے سے پہلے بدھ پنچا معلوم ہوا کہ پہلے جہاز کے
 مسافروں میں بیماری پھیل گئی اس وجہ سے اس جہاز کو راستہ میں ایک پہاڑی پر بہت دن بلو
 قرطبہ ٹھہرنا پڑا اور بعد میں پنچا، بعض غیر متعلق بھی حضرت کے ان مرید کے ساتھ تھے انہوں نے
 بھی اس واقعہ سے متاثر ہو کر کہا کہ ہم ہند واپس آکر میاں صاحب سے ملیں گے معلوم نہیں
 کسے یا نہیں۔ نیز حضرت والا نے فرمایا کہ یہ کشف وغیرہ اصل مقصود نہیں یہ کسی کو ہوتا ہے کسی
 کو نہیں اصل مقصود تو اصلاح اخلاق ہے جتنا تعلق جس سے ہوتا ہے اس کے اخلاق آدمی
 جذب کرتا ہے اسی لیے اگر کمال سے محبت کا تعلق ہو تو زیادہ نفع ہوتا ہے جس کو خدا سے
 محبت ہو اس میں وہاں کی باتیں اثر کرتی ہیں۔ مگر خدا کی محبت والوں سے جتنا تعلق ہوتا ہے
 خدا کی محبت بھی آتی ہے مولانا نعمانی نے دریافت کیا کہ اللہ والوں سے تعلق کیسے ہو فرمایا یہی
 محبت رہے اور ذکر کرتا رہے۔

۴، رمضان المبارک ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۲ جولائی ۱۹۵۷ء سوموار رات

حضرت مولانا منظور نعمانی مدظلہ العالی نے دریافت کیا کہ حضرت ایمانیات میں کیا تردد ہوگا ہے فرمایا پی کہ ہم خاص ماحول میں پیدائش پاتے ہیں اور تعلیمی طور پر خاص خیالات دل میں گھر کر جاتے ہیں نہیں معلوم ہم حق پر ہیں یا دوسرے اس گفتگو سے پہلے یہ ذکر تھا کہ اکثر کا نام خواہ بغیر دھیان لیا جائے نفع بخش ہے یا نہیں مولانا نعمانی کے اس سوال کا جواب حضرت والالے یہ دیا تھا کہ ہاں ہوتا ہے۔ تبارک و تعالیٰ بابرکت ہے نام تیرا۔ چنانچہ وہ دھیان کی طرف ملے اور دھیان سے جو نفع اور زیادہ ہوتا ہے، باوجود اتنا آرام آریہ کے مباحثہ نمکینہ میں کہا تھا کہ جو زبان سے کہا جائے اس کا دل پیاثر ضرور ہوتا ہے اور یہ فلسفہ کا مانا ہوا مسئلہ ہے اس پر تذکرہ چلا کہ حضرت کیا آپ اس مباحثہ میں تھے فرمایا جی تھا مولانا نعمانی سے حضرت نے دریافت کیا کہ آپ نہیں تھے انہوں نے عرض کیا کہ میری پیدائش ۱۲۳۷ھ کی ہے جس سال حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ کا وصال ہوا تھا حضرت والالے فرمایا تب تو آپ ابھی اس مناظرہ کے زمانہ میں پیدا بھی نہیں ہوئے تھے مناظرہ نمکینہ حضرت گنگوہی کے وصال سے ایک سال پہلے ہوا تھا اس میں ہمارے بہت حضرات گئے تھے مولانا احمد حسن صاحب امر وہی بھی تھے مولانا شمس الدین صاحب امر تھری

مناظرے مناظرہ نمکینہ میں اس پر بحث تھی کہ آسمانی اور خدائی کتاب وہ ہو سکتی ہے جو ابتداء آفرینش سے ہو اور عقل کے مطابق ہو، یہ پندت آتارام کی طرف سے تھا۔ اس پر مولانا شمس الدین صاحب نے دیدوں کے منتروں میں سے کچھ ایسا پیش کیا کہ تم اپنے بزرگوں کے طریق پر جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں پوچھنا چاہیے مناظرہ اس سے نکلنے کی کوشش کرتا مگر مولانا

شہدِ ائمہ صاحب نے مٹنے نہیں دیا آخر قیسر سے دن آتا رات میری نے کہا کہ بس میں جو کچھ کہہ سکتا تھا کہ چکا اور کوئی بات میرے پاس اس سلسلہ میں نہیں اسی پر مناظرہ ختم ہو گیا۔
 حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نے مہجد کو کیست کیا بنا دیا سلطنت بنائے ولے تو دنیا میں بہت گزرے مگر یہاں تو ابتدا میں اس کا خیال تک نہ تھا دنیوی نفع پر تو بہت لگبچے ہوتے ہیں یا اور ہوئے ہیں مگر خالص عبادت الہی پر اور اصلاح اخلاق پر لوگوں کا جمع ہونا بھی ہوتا ہے اگر جمع کرنے والے میں یہ خوبیاں بدرجہ وافر ہوں، سلطنت تو صحابہ کو بعد میں ملی۔ اور جو سے مل گئی۔ ابتداء میں اس کا نہ تصور اور نہ وہم و گمان تھا نہ ایسا کوئی بلاوا۔
 جو تردد تھا وہ اسلام کے اندر جو فرقہ ہیں ان میں تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر یہ یہ جی میں آتا تھا کہ یہ ایسے شخص کا چہرہ نہیں جو باطل پر ہو جیسے حضور کے سامنے ویسا آکر دل سے پکارا مٹھتے تھے کہ یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں اس پر مولانا نعمانی نے فرمایا کہ حضرت رابعہ بصری کا قول ہے کہ صحابہ تم سے نمازوں وغیرہ میں زیادہ نہ تھے مگر دین کا وقار ان کے دل میں زیادہ تھا ایسا ہی کسی کا قول حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حق میں مولانا عبداللہ النان صاحب سیواتی نے پڑھا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ اصل بات یہی ہے کہ دیکھ کر خدا یاد آئے ورنہ آج کل کے ہم مسلمان تو ایسے ہیں کہ ہمیں دیکھ کر کوئی اسلام کی طرف مائل کیسے ہو۔

۵، رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۳ جولائی ۱۹۱۵ء مکمل۔ راپور

فرمایا صحابہ کرام کی ہر شے میں فوقیت کی وجہ ایک چیز یہ تھی جان کے دلوں میں ڈال دی

گئی تھی وہ حقیقت کیا تھی حضرت والہ لے فرمایا کہ جس طرح کسی کو کسی چیز کا خیال لگ جائے
 تو ان کو دین کا ہمہ گیر خیال ایسا لگا ہوا تھا جو اردوں کو حاصل نہیں آجکل بھی بعض چیزوں کا
 بعض آدمیوں کو خاص خیال لگ جاتا ہے یہ اس کے سمجھنے کی مثال ہے۔

حضرت خالد بن ولید کا شام کی ایک ایسی جنگ کا قصہ ہے کہ اس سے پہلے بہت
 سی فتوحات ہو چکی تھیں، یہی دن ایسا ہوا کہ جنگ کی مشغولیات سے واپس آئے مگر غم
 میں چھینکے پر روٹی نہ ہوتی۔ کجور یا ستور یا جو ملتا اس سے اپنا کام چلاتے مگر غلام سے نہ کہا
 تیسرے دن خادم کو بلا کر کہا بیٹا قرآن میں ہے کہ انسانی جسم کا قیام کھانے پر ہے آخر کیا وجہ ہے
 کہ تین دن سے کچے کھانا نہیں ملا۔ اس نے حیران ہو کر جواب دیا کہ میں تو جو کی روٹی حسب
 معمول پکاتا ہوں اپنا حصہ کھا لیتا ہوں آپ کا حصہ چھینکے پر رکھ دیتا ہوں اور بھتا رہا کہ آپ
 آکر کھا ہی لیتے ہوں گے۔ حضرت خالد بن ولید نے کہا اس میں بھی کوئی بتری ہے دیکھو کہ
 روٹی کون لے جاتا ہے اگلے روز دیکھا کہ سامنے کے محصور شہر میں سے بد رو کے راہ ایک
 کتا آتا ہے اور روٹی لے کر اسی شہر میں چلا جاتا ہے چنانچہ اسی راہ سے گھس کر اس شہر کو جو
 کافی بہم کے بعد بھی فتح نہ ہوتا تھا فتح کر لیا۔

حضرت عمر نے ابو عبیدہ کا جبکہ سپہ سالار تھے امتحان لیا۔ سب کے گھر گئے تو ابو عبیدہ
 رضی اللہ عنہ کے گھر سو پایا۔ اور ایک دوا در معمولی چیزوں کے کچھ نہ پایا تو رو پڑے کہ اہل سب
 میں تغیر ہوا مگر اے امین الامت آپ اسی حال پر ہیں جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹ گئے
 تھے انہوں نے جواب دیا کہ اس سے زیادہ چیزوں کی ضرورت ہی نہیں پڑتی یہ ان لوگوں کا
 حال ہے جن کے ہاتھوں پر ملک کے ملک فتح ہوئے اور بے حد سامان حاصل ہوئے۔ فرمایا
 کہ مال و دولت کی کثرت وراثت وغیرہ پر عمل نہ کرنے سے ہے لوگ جیلے حاکم لے کر لپٹے ہیں۔

سے جا کر میری طرف سے بیعت جہاد کرا اور اپنی طرف سے بھی حالانکہ لوگوں میں مشہور ہے کہ حضرت سہارنپوری ان معاملات میں بالکل نہ تھے مگر جب میں اپنے حضرت کے وصال کے بعد حضرت سہارنپوری کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجھ سے دریافت فرمایا کہ حضرت نے کچھ فرمایا ہے، میں نے عام باتیں بتائیں پھر حضرت نے الگ دوبارہ دریافت فرمایا کہ وہ حضرت شیخ الہند والے کام کے بارہ میں کچھ فرمایا ہو تو پھر میں سمجھا کہ بڑے میاں کو بھی اس میں لگاؤ ہے تو میں نے وہ عرض کیا۔ نیز حضرت والائے فرمایا کہ بعض لوگ لیں گے کہ ہم پر محبت اور ذکر کا کچھ اثر نہیں ہوا میرے خیال میں اثر ضرور ہوتا ہے مگر استعداد کے موافق اب اگر کوئی حالات تو خواجہ معین الدین یا حضرت مجدد صاحب کے دیکھے اور اپنے میں کمی پاتے تو کچھ وہ بات نہیں ہوئی۔ وہ کیسے ہوا ان کی استعداد جب اس میں نہیں، ہاں اپنی استعداد کے موافق کچھ نہ کچھ فرق ضرور پائے گا۔

۱۷ رمضان المبارک ۱۳۷۷ھ مطابق ۲۵ جولائی ۱۹۵۸ء اتوار رات پو

صوفی رشید احمد صاحب گنگوہی کو حضرت والائے فرمایا کہ اس آیت سے جس میں ذکر ہے کہ یہ پیغمبر تو کھانا کھاتا اور بانار میں آتا جانتے ہیں خیال آتا ہے کہ ولایت تصور اکھانے یا زیادہ روزے رکھنے اور کاروبار چھوڑ کر بیٹھنے میں نہیں بلکہ عام آدمیوں کی طرح رہنے والوں میں سے جو ایمان، نیک کام اور تقویٰ میں بلند ہوں وہ پیغمبروں کے مطیع اور کاروباری بھی ہوں تو سبحان اللہ اچھے آدمی ملی جوتے ہیں بشرطیکہ اخلاق اور عادات وغیرہ اچھے ہوں۔

۱۰ شوال المکرم ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۵ اگست ۱۹۴۸ء اتوار رات پور

مجلس کے اندر بعض حضرات نے یہ تذکرہ کیا کہ دہلی میں نئی نسل دین سے دور تو ہے
 ہی لیکن ظاہری شکل و صورت میں بھی اجنبی ہوتی چلی جا رہی ہے اعتقاد بھی دین بدلن مذہب
 اور متزلزل ہوتا جا رہا ہے مقامات مقدسہ مساجد و مقابر کی اعلانیہ توہین و تذلیل ہو رہی
 ہے نئی نسل کہتی ہے کہ کوئی عذاب ابد بربادی ان مقامات کی توہین و تذلیل کرنے والوں
 پر نہیں آتی تو معلوم ہوتا ہے یہ سب دین و حریم خدا و رسول کی بدی توہمات ہیں۔
 اس پر حضرت واللہ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل جو بنیامین کی اولاد اور اپنے زمانہ کے
 مسلمان تھے ان کو اللہ نے سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا لتفسدن فی الارض موتین
 اولاً اخوہ کہ تم دو دفعہ زمین میں فساد پھیلاؤ گے اور یکسر کرو گے تو ہم تم پر اپنے بندے مسلط
 کر دیں گے بخت نصر کو جو اسلام سے دور تھا اپنا بندہ قرار دیا اور بنی اسرائیل کو جو مسلمان
 تھے بربادی کا وعید سنایا اور اس کو تکبر کا نتیجہ فرمایا۔ میں آج بھی دیکھتا ہوں کہ مسلمانوں میں تکبر زیادہ
 ہے اور ہندو میں بہت کم ہے خدا تعالیٰ کا معاملہ اخلاق پر منحصر ہے اور تکبر اخلاق کو ظرب کرنے
 میں سب سے بڑھ کر ہے اور سب بایں میں کا سر ہے اسی لیے آیا ہے کہ جس کے دل میں اتنی
 کے دانہ کے برابر تکبر ہوگا۔ وہ جنت میں نہ جانے پائے گا۔ فرمایا مسلمانوں پر جو ادبار آرہا ہے
 وہ تکبر کی وجہ سے ہے یہ بھی فرمایا کہ لوگ بھول جاتے ہیں یاد نہیں رکھتے۔ پچھلے انگریزی دور میں
 مسلمانوں نے بھی ہندوؤں کو بہت ستایا۔ سہارنپور کے فساد پر جو ایک زمانہ میں تحریروں پر ہوا
 تھا مسلمانوں نے کیا کیا نہیں کیا وہ لوگوں کو بھولا تو نہیں مگر مسلمان نہیں معلوم اتنی جلدی کیوں
 بھول جاتے ہیں اس وقت مسلمانوں نے ہندوؤں کو مارا لوٹا اور خدا اجلے کیا کیا متکبرانہ باتیں

کیں پھر اب دیکھ لو اس وقت جو ہو رہا ہے اب اس کا بدل بھی تو ہونا تھا وہ کرانے والا تو اب سات سمندر پار جا بیٹھا اور بگٹنا ان بے وقوفوں کو پڑ رہا ہے مگر بڑی چیز ہے خواہ کسی کے مقابلہ میں ہو۔ نیز فرمایا ایک بڑے لڑکا صاحب جو بڑے حضرت کے پاس آیا کہ تھے ان کا میں معتقد تھا کہ یہ بڑے نرم مزاج اور نیک ہیں ایک دفعہ حضرت رحمتہ اللہ علیہ وہاں تھے نہیں وہ بیٹھے اور میں بھی تھا کہ ایک چارادھر سے گزرا یہ تو معلوم نہیں کہ ان کو اس چمار کے متعلق کیا شکایت تھی مگر اسے بہت گالیاں دیں اور اتنی بکواس کی کہ میرا سارا افتتاح ختم کر ڈالا۔ تب میں سمجھا کہ یہ تو چھپے رستم نکلے اسی طرح ایک موقع پر ایک راجپوت نے ایک چمار کو پھینکا۔ وہ اور تو کچھ نہ کہہ سکتا تھا مگر یہ کہتا تھا کہ چمار کی کوئی زندگی نہیں ایک دفعہ ایک جگہ راؤ صاحبان کا کوئی مہمان سفر سے آ رہا تھا راستہ میں ایک بیمار غریب رعایا کوئی بیماری کی حالت میں سردی کا موسم تھا دھوپ سینکنے کے لیے جھونپڑی سے باہر نکل کر بیٹھا ہی تھا کہ وہ مہمان راستہ پر جاتا ہوا اس کے پاس سے گزرا مہمان کے پاس کچھ بوجھ یعنی پوٹلی سی تھی اس نے بیمار سے پوچھا یہاں کوئی آدمی ہے جو یہ پوٹلی ذرا غلام صاحب کے مکان تک لے چلے اس بیمار نے کہا جی جھوریاں۔۔۔۔۔ مہمان نے جو خود راجپوت تھا ڈانٹ کر کہا اچھا تھا یہ مزاج ہو گیا ہے اسے آگے لگایا اور بوجھ اٹھوا دیا اور راؤ صاحب کے مکان پر جا کر کہا آپ لوگوں کا کچھ انتظام نہیں آپ لوگوں نے رعایا کو بگاڑ رکھا ہے اور میزبان راؤ صاحب نے یہ بات سُن کر اس بیمار کی سنے بغیر اسے پیٹ ڈالا اور گالیاں دیں یہ تو ان کو پتہ ہی نہ تھا کہ میری رعایا میں یہ بیمار بھی ہے یا تندرست، اور اس کا ذکر کیا ہے آخر آج اس کا بدل بھی سانس ہے۔

حضرت والا نے یہ بھی فرمایا کہ میں جہاں تک سمجھا ہوں یہ جو کہتے ہیں غلام کی اصلاح ہو گئی تو اصلاح سے مطلب کچھ زیادہ عبادت، ریاضت، نوافل کی کثرت اور روزے وغیرہ نہیں۔

بکہ نفس کا ڈٹنا یعنی تکبر کا ڈٹنا ہے باقی سب کچھ اسی بات کے لیے ہے حضرت گنگوہیؒ کا
 مبلغ جیلے کا مشہور واقعہ بیان فرمایا کہ وہ نفس کا ڈٹنا ہی تھا آجکل ایسی شقتیں مشائخ اس لیے
 نہیں لیتے کہ زمانہ کو نفس کی اصلاح کا اہتمام اور قدر نہیں اس لیے اتنی محنت کرنے کا ارادہ
 نہ کریں گے اس لیے خیال کر لیا گیا کہ ذکر کی برکت سے ہی کچھ نہ کچھ جو ہو جائے قیمت ہے۔

۱۸ شوال المکرم ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۴ اگست ۱۹۴۸ء منگل، رائے پور

صبح کی مجلس میں خواجگان چشت کے ملفوظات اور ان حضرات کے حالات پر حضرت دلا
 نے روشنی ڈالی کہ یہ حضرات سیاسیات سے باطل الگ اور اصلاح خلق کے کام میں پورے
 اخلاص و مستعدی سے مہمکتے اور جاری بھی ہیں لائن ہے مگر لوگ اس لائن میں
 آجکل دیکھی نہیں لے رہے کیونکہ دوسری ضروریات اور جمہوریت کے پیش نظر مشغولیات
 عامہ نے زندگی کا رخ اور طرف پھیر دیا ہے آج کھانے کی مجلس میں حضرت اقدس نے فرمایا کہ
 ہمارا یہ مکان چیت سے بہت ٹپکتا ہے اس کے حجروں کو لیٹنے کا کام بھائی الطاف کیا کرتے
 ہیں اور حاجی طفر الدین نے مٹی وغیرہ درست کی ہے اب کھانا تیار کر کے لاتے ہیں اس مکان
 کے ٹوہوں کے سرے بالکل کھلے ہوئے ہیں اچھے اسی میں عمر کا کافی حصہ گزر رہا ہے اور
 گزر جائے گا کسی نے عرض کیا کہ اس چیت پر ٹھین ڈلوادینا چاہیے۔ حضرت دالانے فرمایا دھیلے
 کی بڑھیا مکہ سر منڈانی، ٹھین ڈال کر اس پر کیا کرنا ہے کافی گزر گئی اب نہیں معلوم کتنی باقی ہے
 اب کا ہیکو ایسا کرنا ہے نیز مولانا حبیب الرحمن سے فرمایا کہ خواجگان چشت کے ملفوظات کے

جو رسالے آجکل آپ دیکھ رہے ہیں ان میں سے کچھ سناؤ تو مولانا نے خواجہ امیری، حضرت
 قطب صاحب، بابا فرید صاحب، حضرت نظام الدین اولیاء اور امیر خسرو علیہم السلام کے سوالوں
 سے جو ان حضرات نے اپنے اپنے شیخ کے ملفوظات میں لکھے ہیں تصور اسانسیا۔

۲۰ شوال المکرم ۱۳۱۷ مطابق ۲۶ اگست ۱۹۹۷ جمعرات کے پورے پورے

کھانے کی مجلس میں حضرت والانسے کسی وجہ سے سہارنپور کا اپنا طالب علمی کے زمانے
 کا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ میرا ایک ساتھی طالب علم تعلیم میں کچھ ایسا ہی تھا ان دنوں وہاں ایک
 پیر صاحب شہر میں آئے حالانکہ آم بہت کم اور بہت گراں ہو رہے تھے مگر ان کے معتقد
 لوگ بہت آم مٹھائیاں اور زردہ پلاؤ وغیرہ اچھے اچھے کھانے لائے تھے وہ پیر صاحب
 اپنے مریدوں اور رویشوں کا مجمع بھی ساتھ رکھتے اور عموماً دو روز تک یہاں چلنے کے
 عادی تھے میں نے اپنے ساتھی کو مذاق کے طور پر کہا کہ تم پڑھ کر کیا کرو گے ان پیر صاحب
 کے ساتھ ہو لو خوب نرے اڑاؤ گے، یہ مدرسہ کا دھکا سوکھا کھانا چھوٹ جائے گا۔ زردہ پلاؤ
 ملا کر سے گا اس کی کچھ میں آگیا اور وہ چند منزلیں ساتھ ہو لیا۔ سڑکی کے پاس کسی گاؤں میں
 وہ جا ٹھہرے اور وہاں ان کو دو حانوں کی دوٹیاں کھائی پڑیں اس طالب علم نے صبر کیا کہ کبھی ایسا
 بھی ہو جاتا ہے مگر وہ یہاں کی سفر میں ایسا ہی پیش آتا ہوا اور طرز یہ کہ آدھی رات سے پیر صاحب
 ساتھیوں کو جو خود نہ اٹھتے لائیں مار کر جگاتے اور کتے غسل کروا، چھوڑ کر لاتے دن کا لمبا
 پیدل سفر راتوں کو یہ نہانا اور شب بیداری اور پھر کھانے پینے کی دیہاتی سادگی سے وہ طالب علم
 چند روز بعد ان کا ساتھ چھوڑ کر پھر مدرسہ میں سہارنپور آگیا اور مجھے مل کر بتایا کہ وہاں شہر

کی سی ہر ہر اور مزے اڑانا نہیں ہوتا وہاں تو طویل پیدل سفر دن میں رات کو لاقوں سے جگا دینا
 اور نہلا کر ذکر میں لگا دینا اور کھلے کو دھان کی سوکھی سوٹیاں تھیں اس لیے میں بھاگ
 آیا۔ فرمایا یہ پیر صاحب امر وہ کہ رہنے والے سیدنا سے تھے ان کے والد شیعہ تھے والد
 فوت ہو گئے تھے ایک بزرگ کی صحبت سے یہ سنی ہو گئے اور پھر اچھے خاصے پیر بن گئے نیک
 آدمی اور اچھے لوگوں میں تھے خلیج بجنور میں بالوں والی کی طرف کہیں ان کا انتقال ہوا ہے
 اور ادھر ہی مزار ہے ان کے ساتھی درویشوں میں ایک صاحب نے مجھے بتلی ان سے بیعت
 ہونے کی ترفیب دی اور سفر کرنے اور ذکر و شغل کے حالات بتائے تھے سنا ہے وہی صاحب
 پیر ان کے خلیفہ بھی ہوئے مگر میں تو ان کے ساتھ نہیں گیا میں اتنی محنت کیا کرتا۔ انہوں
 نے یہ بھی بتایا کہ پیر صاحب نے جماعت سے نماز نہیں پڑھی کیونکہ امام کے سر پر ٹپلی تھی اس لیے
 کہا بھی کہ عمل سب بندھ لے مگر اس نے ٹپلی ہی سے جماعت کرائی اس سے میں سمجھا کہ وہ مسائل
 سے ناواقف ہیں۔ وہ قوالی سنتے تھے لہذا خوب سنتے تھے اس پر مولانا حبیب الرحمن صاحب
 نے عرض کیا کہ حضرت ہمارے سلسلہ کے ہندوستانی بزرگ جو اوپر کے سلسلہ میں گزرے ہیں
 ان کے متعلق خواہ ہم مانیں یا نہ مانیں مگر تاریخی طور پر سلسلہ تو بالکل ثابت ہے تاریخی اعتبار
 سے انکا کی قطعاً گنجائش نہیں۔ حضرت اقدس نے مولانا کے بیان کی اہمیت کو سمجھا اور فرمایا
 کہ قریب اور سامنے آئیے اور فوراً سنو حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ کی شان مجددی ہے اور
 میں بھی دین بیعت ہوتا مگر اس لیے کہ وہاں حضرت شیخ الہند اور حضرت سہارنپوری جیسے
 حضرات ہیں اپنی کیا وال گئے گی اپنے حضرت رستے پوری علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوا
 اور اگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ حضرت گنگوہی سے بیعت نہ ہوتے شاید میں بھی یہاں نہ آتا تو ایک
 مرتبہ میں نے اپنے حضرت کی خدمت میں جبکہ حضرت گنگوہی کا وصال ہو چکا تھا یہی بات عرض

کی حضرت مولانا محمد حسین صاحب الا آبادی جو ہمارے ہی سلسلہ کے بزرگ تھے اور سماع
 خوب سنتے تھے۔ اجمیر شریف میں ان کا وصال ہوا تھا۔
 دراصل بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو شعر
 سے مناسبت ہوتی ہے مجھے تو شعر سے ویسی مناسبت نہیں تو جن کو مناسبت ہوتی ہے
 ان کو ایک مرحلہ ایسا آتا ہے کہ قبض بغیر سماع آسانی سے زائل نہیں ہوتی ان کو ایسا کر لے
 کی اجانت ہوتی ہے مگر بقدر ضرورت۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ میں شعر سے مناسبت نہیں
 رکھتا مجھے ایک دفعہ ایسا ہوا کہ پرلے کوئی کوئی شعر جو کبھی سنے ہوئے تھے یاد آئے لگے اور
 پڑھے گا دلوں پر ہذا ہوا جس کی ایسی حالت ہو اس کے لیے کوئی عرج نہیں مگر شرائط کے ساتھ۔
 سماع کی یہ خاصیت ہے کہ اس سے جو اندر ہے وہ جوش ابھرتا ہے تو ایسا ابھار پیدا کرنے
 اور گرم کرنے کے لیے اگر شعر پڑھ لیا جائے تو اور بات ہے تو ہمارے ان بزرگوں نے ایسے حالات
 میں کیا اور لوگ بھی اس زمانہ کے سیرت کے لحاظ سے بڑے نہ تھے مگر اس زمانہ کے حالات
 کے پیش نظر حضرت گنگوہی نے بالکل منع فرمادیا تھا کہ ایسی مجالس حضر ہیں اب لوگوں میں فسق
 ہے اور جو اندر ہے سماع اسی کو ہوا دیگا باقی یہ تو میں بھی کما کرتا ہوں کہ ذکر عاشقانہ طرز پر کرنا
 مفید ہے وظیفہ کے طور پر پڑھنا اتنا مفید نہیں۔

۲۲، شوال المکرم ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۸ اگست ۱۹۴۸ء ہفتہ، رائے پور

صبح کی مجلس میں حضرت والائے فرمایا کہ ہم میں قحط الرجال ہے کوئی جامع آدمی نہیں،
 دیوبند میں بھی بہت عرصہ سے صرف ایک ایک آدمی چلا آتا ہے مگر شکر ہے کہ خالی ابھی نہیں ہوا

حضرت منی جامع آئی ہیں اور کوئی نہیں آتا عرض کیا گیا کہ حضرت منی تو لوگوں کو حضرت کی طرف بھیجتے ہیں فرمایا دوسروں کی دولت زیادہ معلوم ہوا کرتی ہے یہ حضرت منی کی نیک گمانی ہے ورنہ ہم میں کیا نکاح ہے فرمایا آدمی مشکل سے بنتا ہے حضرت منی نے چھوٹی عمر میں ان حضرات یعنی شیخ الہند اور دوسرے حضرات سے پڑھا اور لنگوہ بیعت ہوتے پھر مدینہ منورہ گئے مگر پھر آکر شامل درس ہو جاتے تھے حضرت شیخ الہند فرمایا کرتے تھے کہ ان مولوی حسین احمد کو دیکھو سینگ کٹا کر پھر پھر دلوں میں آشامل ہوتے پھر حضرت کی صحبت اٹھاتی، کسی نے کہا کہ حضرت بڑی محنت کرنی پڑی، فرمایا اوہ محنت کچھ نہیں اصل تو تعلق محبت اور خدمت و محبت ہے اور عشق کی بات ہے شیخ سے عشق ہو تو عشق بڑی آسانی سے سب کچھ کرا دیتا ہے وہی استاد راہ ہو جائے زیادہ محنت اور پڑھنے پڑھانے سے کچھ نہیں بنتا بلکہ مدح کمزور ہو جاتا ہے یہ پیر کی محبت اس کی خدمت اور اس کی محبت کی برکت ہے حضرت منی نے پڑھانا بھی اسی لیے اختیار کیا کہ لوگ آئیں مگر اچھی استعداد کے لوگ آتے نہیں جب لوگ نہ آئیں تو آدمی کہاں سے بنیں۔

۵۔ محرم اکرام ۱۳۹۵ھ مطابق، نومبر ۱۹۷۵ء اتوار رام پور

مغرب کے بعد کی مجلس میں فرمایا کہ مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کا ذکر ہم ضرور کرتے ہیں مگر اس سے بھی زیادہ جس چیز کی طرف میں توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ زمینگی کو غنیمت شمار کرو ذکر الہی میں لگو اور اخلاق سنوار لو کہ بے شمار انبیاء علیہم السلام بے شمار اہل بیت زیادہ اولیاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے مشاہدات صادقہ کی بنا پر فرمایا ہے کہ

آخرت میں ایمان اور عمل کام آئیں گے ہر نبی کو جنت دوزخ اور آخرت کا مشاہدہ کرایا گیا ہے اور اولیاء کرام کو بھی اکثر ایسا ہوا ہے ان کا ایمان حقیقی تھا وہاں ظن و گمان اور عقل و دلائل اور سماعتی باتوں پر بنیاد نہ تھی بلکہ مشاہدہ پر مدہ گواہ تھے اور گواہ سنی سنائی یا قیاسی بات نہیں بلکہ دیکھی کہا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے یقین دیتا ہے یقین دیکھنے سے مکمل ہوتا ہے میں تو نہیں مگر میں نے اپنے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے کہ ان کو کیا کچھ حاصل تھا اور کچھ مجھے بھی ابتدا میں مایا فرمایا تھا کہ ہم ایسی چیز پر کیسے یقین لاسکتے ہیں جو دیکھنے سننے چھوٹے میں نہ آ سکے مگر حضرت کی برکت سے یہ سمجھ میں آ گیا اور دل میں اتر گیا کہ اللہ چاہے تو ضرور یقین حاصل ہو جاتا ہے پس جب آخرت میں اپنی کمائی سے کام پڑتا ہے تو جو ہو سکے کما لو دنیا کا کیا ہے یہ میری عمر کے مجھ سے کچھ چھوٹے یا بڑے یہاں کے نواب صاحب تھے ان کی رنگ بلیاں اور ہماری غربت اب ایک ہو گئی۔ مگر جو چین ذکر الہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ وہ دنیا کے اعلیٰ سے اعلیٰ لوگوں کو کیا نصیب وہ تو دنیا میں بھی خذاب میں رہتے ہیں اور بے عمل ہوں تو آخرت میں بھی خدا جانے کیا ہوگا اللہ والے دنیا میں بھی اطمینان سے رہتے ہیں اور آخرت میں تو ان کے مزے ہیں ہی۔ لوگ بزرگوں کی سوانح عمریاں لکھتے ہیں کہ فلاں جگہ فلاں خانہ میں پیدا ہوئے اور یہ ہوا وہ ہوا۔ یہ فرمایا وہ فرمایا۔ ایسا کیا دیا کیا ادا آخر فلاں سن میں وصال ہو گیا مگر کھنے والے اس راحت اور حالت کے متعلق کیا کہہ سکتے ہیں اور کیسے کہہ سکتے ہیں جو اللہ والوں کو دنیا میں ہی حاصل ہے کہ وہ نہ اسے بیان کرتے ہیں اور نہ وہ کہے میں آسکتی ہے تو یہ سوانح عمریاں کیا ہوتیں جب زندگی کی اصل بات ہی کا اس میں ذکر نہ آیا۔

۶۔ محرم الحرام ۱۳۶۸ھ مطابق ۸ نومبر ۱۹۴۸ء سوہوار۔ رامپور

مغرب بعد کی مجلس میں مولانا عبدالوہاب صاحب کے دریافت کرنے پر حضرت دلالا نے فرمایا کہ ہاں یہ ذکر جہر جیسا آپ مجھے صرف دُخو کی طرح ہے جو بعد میں ضروری نہیں ہوتا نیز فرمایا کہ استعداد دیکھ کر ذکر و شغل کو انا چاہتے جس کی استعداد زیادہ نہ ہو اسے تھوڑا چلا کر اسی پر لگے رہنے اور دوسرا کام دیکھنے کو کنا چاہیے اور جس کی استعداد بلند ہو اسے زیادہ ذکر وغیرہ میں نہ لگنا چاہیے ورنہ دماغ خراب ہو جائے گا کہ تلبے چنانچہ مرزا پور کے شیخ بند و صاحب کا ذکر فرمایا کہ وہ بہت اچھے چل رہے تھے مگر پھر دماغ اس درجہ ہو گیا کہ نیت نماز کی باندھ رکھی ہے اور میں استغفار وغیرہ کو نکلا تو نیت باندھے باندھے میرے پیچھے ہولے اور ہم رات کو سوتے مگر وہ مراقب رہتے اس زیادتی کے باعث دماغ پر اثر پڑ گیا حالانکہ میں روکتا تھا مگر وہ باز نہ آتے تھے ہر وقت مراقب دیکھے جاتے تھے آخر دماغ زیادہ چل گیا اس بات کی بھی توثیق فرمائی کہ تعلیم میں بھی ہمیں بچوں کی استعداد کے مطابق کام لینا چاہیے جن کا ذہن اور دماغ معمولی ہو انہیں ضروریات کی معمولی تعلیم دے کر کسی کام میں لگنے کا مشورہ دینا چاہیے اور تھوڑے لوگ جو موزوں ہوں ایسے بھی ضروری ہیں جو کمال حاصل کریں اور ان میں سے تھوڑی تعداد اس کمال کی اشاعت پر ہی کمر بستہ ہو جائے باقی اور امداد کی طرف متوجہ رہیں کہ جب دنیا میں رہنا ہے تو دنیاوی امور پر قابو رکھنا بھی اسلامی شعار اور قوی جذبہ ہے اور نیت کے درست ہونے سے عبادت شمار ہو سکتا ہے۔

۸۔ محرم الحرام ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۱ نومبر ۱۹۴۸ء۔ جمعرات۔ رام پور

ایک نکاح کی مجلس میں مولانا عبدالوہاب صاحب رام پوری کے دریافت کرنے پر خضر
والا لے فرمایا کہ دنیا میں انسان کو اس لیے بھیجا گیا ہے کہ وہ رویت باری بلا حجاب کا متحمل ہو سکے
اور اپنی استعداد کے موافق انسانیت عبودیت کی تکمیل کر لے یہاں پر تمام چیزیں جو تجلیات
باری کے پر تو سے عالم وجود میں آئیں اس لیے ہیں کہ انسان کو باری تعالیٰ کی طرف متوجہ کریں
باری تعالیٰ میں متوجہ کرنے والی صفات خاص طور پر تین ہیں۔ جمال، کمال اور احسان۔ ہر شے
کی خوبصورتی جمال کا پر تو ہے اور خوبی کمال کا اور انسان کے ساتھ اس کا تعلق احسان ہے۔
شکر گزاری بندہ کی یہ ہے کہ وہ ہر شے کا جو عطیہ باری ہے شکر یہ ادا کرے نہ صرف زبان سے
بلکہ دل سے۔ یعنی غور و فکر کرے کہ وہ لاشے تھا اس کو جو دیکھنا نطفے ضائع بھی ہو جاتے
ہیں مگر اس کو ضائع ہونے سے بچا لیا اور عمل ضائع ہو جاتے ہیں اس کی حفاظت فرمائی۔ پیدائش
کے وقت استقامت ہو جاتا ہے یا اور کوئی خرابی جس کے باعث زندگی تلف ہو جاتی ہے یا ناقص
انخلعت پیدا ہو جاتا ہے مگر خدا نے سالم اور جیتا جاگتا پیدا کیا اور خلق ناقص سے مامول ہکا
اگر وہ وہ چوسنے کا اہام نہ فرماتا تو ماں باپ اور دنیا بھر کے طبیب ڈاکٹر بھی مل کر کچھ نہ کہتے
مگر خوراک پالنے کا انتظام فرما کر ربوبیت فرمائی اس طرح زندگی کے ہر لمحہ میں کتنے احسانات
ہوتے ہیں کہ انسان گن بھی نہیں سکتا یہ مراقبہ کرے تو انسان خدا کے احسان بے شمار محسوس کرے
لہذا دل و جان سے شکر میں جھک جائے یہ راستہ خدا تک پہنچنے کا اس کا قرب حاصل کرنے کا،
اس کی بندگی اختیار کرنے اور اس کی ناراضگی سے دور رہنے کا اور رضا حاصل کرنے کی دالمانہ
آبادی اس کے اندر مابھر نے اور جوش میں آنے کا بڑا آسان، مضبوط مامول اور بے غل و غش

ہے باقی جمال و کمال کی صفات کا مراقبہ بھی ہے مگر وہ راستے احسان کے راستے سے زیادہ آسان
 عام اور مامون نہیں ہیں جمال حالانکہ اس میں سے ہے امدادی میں حقیقتہً ہے ماسوا کا تمام جمال
 اسی کا پیدا کردہ اور عطیہ ہے مگر اس میں ٹھوکریں بے حد ہیں اور اسی لیے عشق مہا زنی کے
 راستے چلنے والے اکثر مترل تک نہیں پہنچتے راستے میں رہ جانے کی وجہ سے ہلاک ہو جاتے ہیں
 اور کمال کا بھی ایسا ہی حال ہے فلسفی اور طبیعی یعنی سائنس دان آجکل تو ان پر مادیات کا دور
 چھا گیا ہے اگر یہ ماحولی بات بھی نہ ہو تو بھی اس میں بہت کچھ بکاوٹ اور فریب رہا ہے۔
 لیکن راستے یہ بھی ضرور ہے اور اعلیٰ ہے مگر پس منظر سے پُر اور مہالک سے اٹھا ہوا۔ ان سب
 میں احسان اور شکر گزاری کا راستہ ہی زیادہ لوگوں کی عام طبائع کے موافق آسان عام اور
 مامون ہے اور قرآن میں یہ تمام راستے واضح کئے گئے ہیں فکر و بصیر کی دعوت ہے۔ ان فی
 خلق السموات والارض الخ۔ ما خلقنا هذا باطلا الخ۔ افلا تتفكرون افلا
 تدبرون۔ افلا تبصرون وغیرہ کے الفاظ ان راستوں کی ہی نشاندہی ہیں یہ عالم اور اس کی
 چیزیں مثلاً بارغ و ببار ہی کو سمجھنے یہ سب بندہ کو مولا کی طرف لے جانے کا راستہ اور اس کی تجلیات
 میں چھپی ہوئی تجلیات ہیں حدیثوں میں ہے کہ اگر تجلی باری تعالیٰ پر سے کچھ پروے دور
 کر دیتے جائیں تو عالم تاب نہ لاسکے اور پھر آگے چل کر جنت میں بھی دیکھنے چکھنے اور سننے وغیرہ
 کی نعمتیں جو دنیا کی نعمتوں سے زیادہ پاکیزہ ہیں وہ بھی تجلیات باری ہیں یہاں کی نسبت کم جابول
 میں مگر بے حجاب نہیں پھر یہ بھی ذکر ہے کہ ایسی تجلیاں ہوں گی کہ لاکھوں سال ضیق مست رہیں گے
 اور نعمان جنت کو بھول جائیں گے یہ اس وقت ہوگا جب اس کی تاب کی طاقت انسان میں نہا
 جنت کی وجہ سے ہو جانے کی اس مستی کو ہی بزرگوں نے شراب عشق سے تعبیر کیا ہے کہ جہنم
 بھی نہیں چاہیے مگر شراب عشق الہی اور پھر یہ سلسلہ لاتناہی ہے۔

نیز فرمایا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے جو معراج میں دکھایا اس کا بیان قرآن میں یہاں ہے کہ فاوحی الی عبدہ ما اوحی - اور امام غزالی نے تحفہ طویل کا ذکر کر کے اس کہ بیان اس طرح کیا کہ دیکھا جو دیکھا تو خدا تعالیٰ نے بھی ہماری زبان میں وہ طاقت نہیں رکھی کہ وہ معراج مصطفیٰ علیہ السلام کا نقشہ کھینچ سکے اور دیکھنے والے بھی بیان سے قاصر ہیں تو اب صوفیہ کے حالات کوئی کیا کہے جو وہ خود لکھنا چاہیں تو پوری بات کہہ نہ سکیں اور کچھ ادھر اسدھورا لکھیں تو دوسرے سمجھ نہ سکے۔

عشاء کی نماز کے بعد کی مجلس میں فرمایا مسلمانوں کو بجائے دوسروں کی غلطیوں اور زیادتیوں کا ماتم اور شکوہ کرنے کے اپنی غلطیوں کو ٹوٹنا چاہیے اور سمجھنا چاہیے کہ موجودہ ناخوشگوار حالات ان کی اپنی غلطیوں کا نتیجہ اور خمیانہ ہیں وہ غلطی یہی ہے کہ ہم نے اسلام کو لاکھ زندگیاں بنانے اور اسلامی اصولوں کو جدید حالات میں کام میں لانے میں کوتاہی کی ہے اس لیے اب اگر چاہتے ہیں کہ یہ حالات بدل جائیں تو دعا اور عمل سے خدا کی طرف رجوع کریں اخلاق درست کریں اگر ایسا کریں تو میں یقین رکھتا ہوں کہ انفرادی تقویٰ اختیار کیا تو افراد کو حسب مقدار تقویٰ فائدہ ضرور پہنچے گا اور اجتماع نے ایسا کر لیا تو اجتماعی مشکلات بالکل رفع ہو جائیں گی حقیقتاً جو غلطیاں طبع حالات ہم کو دوزخ زدہ پیش آرہی ہیں اپنے ہی ہاتھوں کے کیر تو ت ہیں اگر ہم نیک ہو جائیں تو حالات بھی موافق ہو جائیں گے اور اس میں یہ بھی ہے کہ دوسروں کا گناہ ایک قریب ہے جو کچھ تو بے ادب صحیح جائزہ سے محروم رکھتا ہے اس لیے اس کو دل سے نکال دیجئے اور نیک بن جائیے پھر اللہ جس راستے سے منظور ہو گا حالات کو بدل دے گا خواہ ہندو قوم کی اکثریت کو اسلام کی توفیق دیدے یا اور کوئی راستہ پیدا کر دے کیونکہ اس کا پیدا ہونا ان کے عملوں کے مناسب ہو گا آپ کے عملوں سے تو اتنا ہو گا کہ حالات آپ کے موافق ہو جائیں اور صورت

اس کی وہ ہوگی جو گرد و پیش کے حالات کے مناسب ہوگی اس میں یہ بھی ہے کہ انسانیت کو
 ملادیں دیکھو بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے کفار کے ہاتھوں برباد کر لیا کہ ان میں تکبر تھا اور ان
 کے برباد کرنے والے غیر مسلموں کو اپنے بندے قرار دیا اور اس دور کے ان مسلمانوں کو غفلت
 قرار دیا اس میں یہ بھی ہے کہ موجودہ حکومت ہم پر جو احسان کر رہی ہے اس کا شکریہ بھی ادا
 کیا جائے احسان بھی مانا جائے یہ نہ ہو کہ وہ دس احسان کٹی رہے اور ایک زیادتی تو ایک زیادتی
 کو تو گھٹتے پھر دس احسان فراموش کر دو ایسا کرنا بھی خدا کی ناشکری اور اخلاقی خرابی کا
 سبب ہے۔

۹، محرم الحرام ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۲ نومبر ۱۴۳۷ھ۔ جمعہ۔ رام پور

حضرت والد سے مولوی صاحب میزبان نے دریافت کیا کہ جو لوگ بیعت نہیں مگر تبلیغی
 جماعت میں جاتے ہیں اور دیکھا دیکھی کہ کرنے لگتے ہیں ان کا ذکر کرنا درست ہے یا نہیں
 حضرت والد نے فرمایا کہ ان کو چاہیے کہ اگر ذکر کرنا ہو تو اگر بیعت ہیں اپنے شیخ سے دریافت
 کریں اور اگر بے پوچھے کریں گے تو زیادہ کرنے اور ڈھنگ نہ جاننے کے باعث نقصان بھی ہو سکتا
 ہے مگر سادہ طور پر اللہ اللہ کرنا ہر طرح مفید ہی ہے اور اس کا اچھا اثر ضرور نمودار ہوگا۔

جماعت والوں کو اور جو اس میں نئے آدمی بھی ہائیں ان کو کبھی کبھی موقع نکال کر حضرت
 نظام الدین مولوی یوسف صاحب کے پاس عزور جانا چاہیے اس لیے نہیں کہ ان سے بیعت
 ہی ضرور ہوں بلکہ اس لیے کہ بیعت ہوں یا نہ ہوں ان کی اور جو وہاں ذاکرین کا مجمع ہوتا ہے
 اس کی محبت اور برکت بڑی نعمت اور غنیمت ہے حضرت شیخ الحدیث کے ہاں جانا چاہیے

۱۱۔ محرم اکرام ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۲ نومبر ۱۹۴۸ء۔ اتوار۔ بانسن بریلی

حضرت والائے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ سنایا کہ دو عرب آئے جو کچھ چاہا کرتے ہیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو ایک روپیہ پیش کر دیا۔ انہوں نے زیادہ مانگا تو حضرت نے فرمایا کہ بس اس پر وہ عرب بڑے برہم ہوئے اور دیر تک حضرت کے سامنے ہی عربی میں حضرت کو گالیاں اور سخت سخت گالیاں سناتے رہے مگر حضرت جیسے عالم حالات میں ٹکفٹ بیٹھے رہتے تھے بیٹھے رہے ہم لوگوں کو فتنہ آتا تھا مگر حضرت کی وجہ سے خاموش تھے حضرت میری طرف دیکھتے رہے مجھے بھی فتنہ آگیا تھا اور چہرے پر اثر آگیا تھا مگر حضرت کے دیکھنے کی وجہ سے میں سنبھلا رہا اور حافظ صاحب تھے ان کو بھی فتنہ آتا آیا کہ میرے کان میں کہا کہ جب یہ عرب بلہر نکلیں گے تو ان کی خبر لوں گا بہت کافی دیر ایسے ہی گزری تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تین دفعہ ہاتھ کے اشارہ اور زبان سے ان کو کما چپ چپ اس پر وہ بالکل خاموش ہو گئے اور شاید ان کو احساس ہو گیا کہ یہ اور لوگ باہر نکلنے پر ہم سے ملنے نہیں آویسے رو چکر ہوئے گویا زمین میں سلا گئے اور ہم میں سے کسی نے ان کو باوجود خیال کے نہ دیکھا کہ کدھر گئے اور وہ ایسے گئے گویا تھے ہی نہیں پھر معلوم نہیں کیا ہوا دوسرے وقت رات کو حضرت نے مجھے فرمایا کہ مولوی صاحب عربوں کا واقعہ سمجھے میں نے فوراً ناہم ہو کر عرض کیا کہ حضرت یہ میری تربیت تھی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ چپ چپ کنا بھی انکے حق میں شفقت تھی۔

۱۴ محرم الحرام ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۷ نومبر ۱۹۴۸ء بدھ . بانس پٹی

مولانا حبیب الرحمن صاحب نے حضرت والا کی خدمت میں سہل کیا کہ حضرت سید صاحب کا ایک قلمی خط جو کتب خانہ باغ رستے پور میں مولانا اشتیاق صاحب کی تحویل میں ہے اس میں سمندر کی روح کا سید صاحب سے آکر ملنا، کوٹلوں کا آپس میں یا سید صاحب سے کلام کرنا۔ مکان کا دوسری چیزوں سے سید صاحب کے بارہ میں باتیں کرنا اور سید صاحب کا ان باتوں کو سن لینا جو بیان کیا ہے اس کی کیا حقیقت ہے حضرت والا نے فرمایا کہ ہر ممکن الوجود چیز جو وجود میں آگئی اس کی الگ روح بھی اس کے مناسب ہوتی ہے یاں تک کہ شہر من قصبوں گاؤں، دکانوں، درختوں، چیزوں کو ملے، کڑی، اینٹ پتھر، حجر، شجر، دریا، سمندر، چاند ستارے الغرض کوئی چیز ایسی نہیں جس کی الگ روح نہ ہو اور وہ روح اس شے کے مناسب حال ہوتی ہے اور روح آپس میں اپنے خاص طریق تکلم سے باتیں بھی کرتی ہیں اور اثر قبول کرتی اور اثر ڈالتی بھی ہیں اور ان اشیاء کے برباد اور بظاہر نابود ہو جانے پر بھی ان کا وجود فنا ہو جانا ضروری نہیں ہوتا اور فرمایا کہ بعض امور مثلاً نباتات میں حیوۃ اور نباتی اشیاء کا باہم کلام کرنا ہنسنا بولنا، محبت نفرت وغیرہ تو ہنگال کے ایک سائنسدان نے جدید طرز تحقیق و استدلال سے ثابت کیا ہے ابھی اور خدا جلنے کیا کیا انکشاف انسان پر ہونے باقی ہیں اگر ریڈیو ایسا سبیل کی اور چیزوں کے متعلق کسی کو صدیوں پہلے مکاشفہ ہوتا تو وہ الفاظ کا جامہ پہنانے میں اور بیان کرنے میں اس دور کی معلومات کے دائرہ وضاحت کو کام میں لاتا مگر لوگ ان چیزوں کے وجود میں آنے سے پہلے اصل حقیقت کے ادراک سے باوجود سب کچھ سن لینے کے لئے دور ہوتے کہہ جاسکتا تھا کہ جو کچھ ان مکاشفات کو بیان کرنے والوں کے الفاظ سے ان لوگوں نے سمجھا

وہ ان لوگوں کی سمجھ میں آنے سے اتنا دور ہے کہ کوئی نہ اس حقیقت کو بیان کر سکتا ہے نہ تصور کر سکتا ہے بلکہ اس کا خطرہ بھی کسی کے دل پر نہیں گزر سکتا کہ وہ کیا اور کیسا ہو گا یہی حال آج بلکہ خاص وقت آنے سے پہلے جنت و دوزخ اور تمام ان مغیبات کا ہے جو وحی الہی نے بیان کئے ہیں اور پیغمبروں نے وحی کے ان بیانات کی ممکن سے ممکن وضاحتیں کیں یا مثالیں دیں۔

۱۸، محرم الحرام ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۱ نومبر ۱۹۱۷ء اتوار۔ لکھنؤ

صبح کی نماز کے بعد کی مجلس میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ہر شخص سے اس کی طبیعت کے مطابق تعلق ہے اور جس کسی اعلیٰ پایہ بزرگ کے تعلق کی جو کیفیت ہوتی ہے اسے نسبت کتے ہیں اور ویسی طبیعت کے اور لوگ جو خدا سے تعلق جوڑتے ہیں ان کے تعلق کا رنگ جس بزرگ سے ملتا ہو اس رنگ کی نسبت کہلانے لگتی ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جیسی کسی بزرگ کی نسبت ہے اس کے ذریعہ سے خدا کے ساتھ رشتہ جوڑنے والوں میں بھی ویسی نسبت کا رنگ بھٹکتا ہے جس کی طبیعت اس بزرگ کے جتنا قریب ہوگی وہ رنگ اتنا زیادہ مشابہ ہوگا اور جتنا دور اتنا کم مشابہ اور بزرگ اور اس شخص کی باہمی صحبت کا بھی اس میں بڑا دخل ہے اور اس میں باہم ایک متعدد قاعدے ہیں چشتیہ اور نقشبندیہ کے غیر مسلموں میں تبلیغ کے کام کا بھی ذکر چلا۔ مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی نے فرمایا کہ ہندوستان میں چشتیہ نے زیادہ کام کیا اور مولانا نعمانی نے فرمایا کہ نقشبندیہ کا کام بھی کم نہیں مگر چشتیہ کو دور اول میں جب مسلمان کام بھی نہ تھے موقع ملا اور تاجروں کو بھی اشاعت اسلام کا

موقعہ ملا اور نقشبندیہ کو بہت بعد اتفاق ہوا۔ خواجہ باقی باشر جو اس حیثیت سے صرف چار سال کام کر کے سب سے پہلے نقشبندی میں جنہوں نے ہندوستان میں کام کیا حضرت اقدس نے فرمایا کہ چشتیہ کا کام ہندوستان کے غیر مسلموں میں واقعی زیادہ ہے وہ اسلام کی طرف کھینچنے والے اور نقشبندیہ تصوف ہند کی اصلاح کرنے والے ہیں۔ ہم نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے مسئلہ کی شیخ مجدد نہ ہوتے تو تصوف زندہ بن کر رہ گیا ہوتا۔

۱۹ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۲ نومبر ۱۹۴۵ء۔ سنووار۔ لکھنؤ

عصر سے بعد کی مجلس میں پیر سائیں کوکل شام کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا آپ کے پیر نے جو کہاں خیلوں کے تھے آپ کو انبالہ بھیجا وہ ایک مرید بطور خادم ساتھ کر دیا تو جہاں اب مزار تھا آکر ٹھہرے وہ دن بامہر چلے جاتے اور کئی سال یا ماہ تک پتے کھا کر گزارا کرتے ایک دن بیٹھے تھے کہ کچھ ملا۔ فرمایا کہ لے جائی یہ دھیلے ہیں۔ — اچھو نے عرض کیا کہ حضرت یہ تو اشرافیاں ہیں۔ فرمایا اشرافیاں ہیں تو دُجان کر (یعنی مزے کر) چنانچہ پھر فتومات شروع ہوئیں۔ میاں جی عبدالقادر صاحب انبالوی جو حضرت حاجی صاحب سے بیعت تھے انہوں نے سائیں صاحب کی صحبت بہت سالوں اٹھائی اور سب سے زیادہ سائیں صاحب سے بے تکلف تھے انہوں نے سلیا ہے کہ اب جو لوگوں کو تعلق ہوا تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ سائیں صاحب کہیں چلے نہ جائیں ان کا نکاح کر دیا کہ ابھی جا نہ سکیں چنانچہ انبالہ چھاؤنی کے ایک سید خاندان کی لڑکی کے متعلق رشتہ کا انتظام کر کے میاں جی عبدالقادر سے بات شروع کر والی۔ میاں جی صاحب گئے سلام کر کے حسب معمول بغل گیر ہو کر سائیں جی سے

ذرا اور باتوں کے بعد کہا کہ آپ تو سنت کے تارک ہیں فرمایا اور ہو سنت کا تارک ہوں تو بتلو
 کیا کروں تو بڑی تمہید باندھ کر نکاح کے لیے کہا۔ جواب دیا میں غریب مسافر مجھے کون دے گا۔
 عرض کیا گیا آپ ارادہ تو کر لو انتظام ہو جائے گا فرمایا اچھا ہو جائے گا عرض کیا ہاں۔ فرمایا اچھا
 چنانچہ بات پچھلے سے ملے تھی، انبالہ چھاؤنی جا رہے تھے نئے کپڑوں کا جوڑا پہنا دیا گیا اور جمعہ
 کا دن تھا کہ راستہ میں کہا اور ہو مجھے پہچانتے ہو اور کپڑے پھاؤ کہ مغل کو بجا گئے لوگ میاں جی
 کو لائے اور چرواہوں سے سراغ لگا کر گھگھڑ میں پہنچے دیکھا وہاں بچوں کی طرح ریت کی ڈھیریاں
 بنا کر کھیل رہے تھے دیکھ کر فرمایا تمہی دل لے تو مجھے پہچانتا ہے عرض کیا کہ اوہ تو تمہنے کپڑے پھاؤ
 ویسے جمعہ کا دن ہے جمعہ کے دن نئے کپڑے پہنا ثواب ہے اور آپ نے کپڑے پھاڑ دیئے
 بڑی غلطی کی فرمایا اچھا غلطی کی اور ہو اب کیا کروں عرض کیا خیر ہو جائے گا چنانچہ پھر اور کپڑے
 پہنا کر یا جس طرح ہوا لے گئے اور سنت کی پہلے کی طرح رغبت دلانی وہ سنت کے بڑے
 عاشق تھے۔۔۔۔۔ درود شریف کثرت سے پڑھا کرتے تھے پھر آمادہ بکاح ہو گئے
 اور نکاح ہو گیا اب آدمی رات سے ہی شب زفاف کے بعد نہانے کو گئے تو وہاں ایک بڑا
 تالاب ہے اس میں گھس گئے اور تالاب میں غوطے لگاتے پھرتے رہے اور وہم ہو گیا کہ یہ
 پانی ماہ مستعمل ہو گیا دوسری طرف غوطہ لگایا وہاں بھی یہی خیال ہو گیا آخر تمام تالاب میں پھر تسلی
 نہ ہوئی تو غسل خانہ میں آئے لوگ پانی ڈالتے رہے مگر تسلی دیر میں ہوئی کہ سورج نکل آیا تو
 بڑے غصے میں تھے کہ تمہی دل لے نے میری نماز قضا کرادی۔ میاں جی آئے اور حسب معمول غسل گیر
 ہوئے فرمایا تمہی دل لے تو نے میری نماز قضا کرادی ہے عرض کیا آپ کو پتہ نہیں سنت ادا
 ہو گئی ہے اور یہ نماز آپ کے وہم کی وجہ سے قضا ہوئی۔ سنت کا بڑا ثواب ہوا۔ فرمایا اچھا
 بڑا ثواب ہوا۔ اب خوش ہوئے اور کہنے لگے تمہی دل لے ایک نکاح تو میرا اور کر لے گا چنانچہ

بہت سال بعد یہ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ نو عمری میں ایک لڑکی جب سائیں صاحبہ ابھی جوان ہی تھے آپ پر عاشق ہو گئی تھی اور عشق کو ضبط کئے ہوئے تھی مگر سائیں صاحبہ ہاں سے چلے آئے تھے اور اس کی شادی اور جگہ ہو گئی تھی اٹھارہ سال بعد اس کا خاوند فوت ہو گیا تھا تو اس نے بیوہ ہونے پر سائیں جی کے پیر صاحب سے اپنا لڑکپن سے نازل نہ ہونیوالا خیال ظاہر کر کے امداد چاہی اور پیر صاحب نے سائیں صاحبہ کو خط میں حکم فرمایا تو سائیں صاحبہ نے میاں جی کو بلا کر کہا کہ تمہی دل لے وہ بات جو میں نے عرصہ ہوا تمہیں کہی تھی کہ ایک نکاح تو میرا اور بھی کرائے گا اب اس کا وقت آ گیا ہے جاؤ فلاں جگہ جاؤ اور ان کو لے آؤ چنانچہ ایسا ہوا اور دوسرا نکاح ہوا۔

۲۱ مجرم کھرام ۱۹۵۷ء مطابق ۲۳ نومبر ۱۹۷۵ء مشکل - لکھنؤ

شام کی مجلس میں سید علی میاں صاحب مدنی نے سوال کیا کہ

حضرت میاں شاہ عبدالرحیم صاحب سہارنپوری کس خاندان کے تھے فرمایا قادریہ دریافت کیا کہ کیا آپ سرحدی تھے فرمایا نہیں معلوم ہوا ہے کہ سرسارہ متصل سہارنپور کے تھے۔ دریافت کیا کس سے بیعت تھے۔ فرمایا حضرت اخوند صاحب سرحد میں تھے میاں صاحب فوج میں ملازم تھے وہ فوج سرحد میں انگریزوں کی طرف سے لڑنے گئی اخوند صاحب انگریزوں کے خلاف تھے وہاں میاں عبدالرحیم صاحب ان کے معتقد ہو گئے بیعت میں یہ شرط بھی تھی کہ انگریزوں کی نوکری نہیں کروں گا۔ فرمایا ذکر کے متعلق خود میاں صاحب کا بیان میں نے حضرت سے سنا ہے فرمایا کہ وہ مدد مل تک آواز جاتی تھی تو آواز دجیہ آدمی تھے، آنکھیں بڑی بڑی اور

بارعب چہرہ تھا ایک دن شیر آکر اوپر کھڑا ہو گیا اور اس کی آواز سے سامنے کی پہاڑی کے پتھر کانپ کر گر لے گئے مگر میاں صاحب نے فرمایا کہ مجھے اتنا بھی احساس نہ ہوا کہ کوئی مکھی کھڑی ہے آواز سے یکسوئی میں یونہی سافرق آیا مگر خوف مٹی بھر نہ آیا پھر وطن واپس چلے آئے۔ یہاں کوئی ضرورت پیش آئی تو انگریز کی ملازمت کر لی مگر غیبہ ہوا تو یہ خیال کر کے کہ اوہو بیعت ٹوٹ گئی چلو اخوند صاحب کی خدمت میں ملیں جب سامنے گئے تو دور سے فرمایا کہ بیعت ٹوٹ گئی شرط کے خلاف کیا جب بہت عذر کیا تو فرمایا پہلی بیعت ٹوٹ گئی پھر سے بیعت کرو، اور آئندہ انگریز کی ملازمت ہرگز نہ کرنا، چنانچہ بیعت ہوئے صحبت اٹھائی اور وطن چلے آئے کشف آپ کو بہت ہوتا تھا جس کے بہت قصے سند کے ساتھ مشہور ہیں۔ — حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے آپ سے بیعت ہونے کے متعلق دریافت کیا گیا تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ پہلے زمانہ میں طالب علم نیک زیادہ ہوتے تھے زمانہ کا ماحول بھی اور تھا۔ فرصت کے اوقات میں طلباء اکثر بزرگوں کی صحبت میں جایا آیا کر کے تھے ہمارے حضرت بھی زمانہ طالب علمی میں جایا کرتے تھے اور مدرسہ والوں سے میاں صاحب مسائل دریافت کرتے اور مدرسہ والے میاں صاحب کو اچھا درویش سمجھتے تھے

۲۲، محرم الحرام ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۵، نومبر ۱۹۴۸ء، جمعرات، لکھنؤ

ظہر کی نماز کے بعد کی مجلس میں بعض مسائل پر تقریر فرماتے ہوئے حضرت مالانے فرمایا کہ تصوف دنیا کے مام قاعدوں سے کچھ انوکھی بات نہیں انسان کے اندر نفس کی موٹی قمیض

تیں ہیں۔ نفس امارہ، یعنی سرکش اس صورت میں انسان اپنی لذتوں میں عقل کے تمام
 قاعدوں کو توڑ کر چین حاصل کرنا چاہتا ہے مگر خدا تعالیٰ کا نظام عالم توڑنے کی کوشش اور
 ایسے طور پر لذات نفسانی پر ٹوٹ پڑنا اور نادوم نہ ہونا انتہائی عذاب کی چیز ہے دوسری قسم
 نفس کی نفس لواہرہ ہے یعنی برائی کرنا کبھی بھلائی کرنا برائی پر نادوم ہونا۔ یعنی اپنے کرتوت پر
 اپنے آپ کو ملامت کرنا اس میں بہت صورتیں ہیں اور یہ صورت جین بین ہے تیسری قسم نفس
 کی مطننہ ہے جس کے حق میں آیہ ہے۔ یا ایہا النفس المطمئنة ارجعی (الایۃ)
 یہ خدا کے خاص بندوں اور غنیوں کا نفس ہے پس اپنے نفس امارہ کو مطننہ بنانے یا لواہرہ
 کو اطمینان تک پہنچانے کا راستہ سلوک کلام ہے اس میں آسان راستہ یہ ہے کہ جن کا نفس
 مطننہ ہو ان کی صحبت اختیار کی جائے کیونکہ یہ کلیہ ہے کہ جیسے آدمی کے پاس بیٹھ گے اس
 کے اثرات غمزہ آئیں گے تو شیخ کی صحبت کی ضرورت ہوتی اور جیت کا نفع صحبت شیخ کے بغیر نہیں
 ایک صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت تصویر شیخ کیا چیز ہے فرمایا محبت شیخ۔ ہمارے حضرت
 سے کسی نے دریافت کیا تھا تو فرمایا اتنے سال تو میرے دل میں فلاں رہا اور اتنے سال فلاں
 مطلب یہ ہے کہ جس چیز کی محبت ہوتی ہے اس کا تصور بے اختیار قائم ہو جاتا ہے نیز فرمایا
 کہ انسان کا قاعدہ ہے کہ ایک ذائقہ دوسرے ذائقہ کو مٹائے مثلاً بعض لوگوں کو اودھیں
 کو آپ نے بھی دیکھا ہو گا ان کو پیسہ جمع کرنے کا ذائقہ ہوتا ہے جو لوگ مہری وغیرہ پر پیسہ
 خرچ کرتے ہیں ان کے متعلق ایسے جیوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ کھا مہا راج پیسہ کوئی آسانی
 سے تقوڑی آتا ہے یہ لوگ بیوقوف ہیں جو مہری جیسی فضول بات کے لیے بڑی محنت سکھایا
 ہوا پیسہ برباد کر رہے ہیں اور جس کو حب جاہ کا ذائقہ پڑ جائے اور وہ بڑا بنتا چلے اور مہری
 کے لیے امیدوار کھڑا ہو جائے وہ اس کی تاویل اور طرح کا کرتا ہے کہ پیسہ خرچ کرنے کیلئے تو

ہوتا ہے اور یہ فرج کسے کے لیے ہی کوکلیا جاتا ہے اور مہربری کے سوسو ذاتی، قوی اور انسانی فوائد بیان کرتے پھرتے ہیں اور اسی طرح آپ میں سے میں کیا کموں کسی کو پیش آیا ہو یا سنا ہو عشق مجازی ہو جائے تو پھر ہر طرح کی ذلت برداشت کرتا ہے اور اس کی پرواہ نہیں کرتا بلکہ اس میں مزے لیتا ہے ہر چیز کا عشق ایسا ہی اثر کرتا ہے بچوں کو کھیلنے کی محبت ہوتی ہے ان کو پڑھنے کے لکھ فائدے بتاؤ اور وہ پڑھنے کے فائدہ میں پر یقین مشاہدہ کیا وہ سے بھی رکھتے ہوں مگر کھیل میں کسی بات کی پرواہ اکثر نہیں کرتے۔ الا ماشاء اللہ۔ مگر جب بڑے ہو جاتے ہیں اور احساسِ بل جاتا ہے اور اعلیٰ کاموں کی طرف خواہ علم ہو یا کوئی اور ہنر اور فن ہو متوجہ ہو جاتے ہیں تو اب ان کو کما جائے کہ اپنے بچپن کی طرح مٹی اڑا کر کھیلے تو کبھی پسند نہ کریں گے بچپن میں بچہ ماں کا دودھ پیتا ہے جب ماں چھڑاتی ہے تو سوئدہ کرتی ہے اس پر کڑواہٹ اور مویں لگاتی ہے تو کہیں ماں کا دودھ بچہ چھوڑ پاتا ہے مگر جب بچہ بڑا ہو کر اور چیزوں کا ذائقہ ہو جاتا ہے تو پھر کوئی کہے بھی تب بھی ماں کا دودھ پینا آدمی پسند نہیں کرتا۔ حاصل یہ ہے کہ اعلیٰ ذائقہ اپنی کوٹھا دیتا ہے دریافت کیا گیا کہ اعلیٰ ذائقہ کیسے آئے فرمایا اس کا طریقہ بتلاؤ یا حاضر میں کیا گیا زیادہ لوگ اب ایسے ہیں جو اس وقت نہیں تھے فرمایا کہ جن کو اعلیٰ ذائقہ ہے ان کے ساتھ رہنے اور ان کی محبت اعلیٰ سے اور محبت کی شرط جس کے بغیر نفع نہیں ہوتا شیخ کی محبت ہے اور کم از کم شرط محبت کی شیخ کی مخالفت سے باز رہنا ہے دیکھو جو طاعلم استادوں سے پالا باندھ لے وہ علم سے محروم رہتا ہے اور جو نہ باندھے وہ مستفید ہوتا ہے اور جو خدمت کرے اس کو زیادہ فائدہ ہوتا ہے یہ کوئی چھی بات نہیں عرض کیا گیا کہ آخرت اور اس کے فائدہ عام فوائد پر یقین کے باوجود ادنیٰ ذائقے کیوں نہیں ملتے فرمایا کہ یقین ضرور ہے مگر وجدان نہیں یعنی ابھی وہ سر ذائقہ چکھا نہیں

اگر شرطوں کے موافق شیخ کی صحبت اٹھائی جائے تو چونکہ اس کو ذاتہً ہے طالب پر ضرور اثر پڑے گا پہلے سوالات میں یا مزید میں یہ بھی فرمایا کہ شیخ کی صحبت اگر کسی کے ساتھ میسر ہو تو اس کی طافی ذکر کی کثرت سے ہوتی ہے نیز یہ بھی فرمایا کہ ذکر جب اثر کر جائے تو پھر ہر چیز سے کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ نوافل یا تلاوت یا اور جو ذکر شغل وغیرہ مثلاً سبحان اللہ اور کئی تسبیح تسلیل بھی کافی ہوتی اور ترقی کا باعث بنتی ہے مگر اس لیے کرنا چاہئے کہ دوسروں کو ترغیب ہو اور فائدہ بھی ہو بلکہ مگر اب اسی ذکر میں فائدہ ہوتا ہے جو مناسب حال ہو خواہ تسبیح و تسلیل یا تلاوت اور کوئی دینی کام یا مشاہدہ قدرت باری وغیرہ ہو۔

۲۶، اپریل ۱۹۴۹ء۔ دہلی

حضرت والا پاکستان سے بذریعہ جہاز دہلی تشریف لائے اور بعد نماز ظہر پہلی مجلس میں ہی خیر و عافیت کی دریافت باہمی کے بعد دریافت کرنے پر فرمایا کہ مولانا شبیر احمد صاحب نے انمول نے مال دریافت کیا تو میں بھرا ہوا تو تھا ہی، میں نے کہا کہ مسلمان بہت عرصہ سے سپین سے پیرافریقہ کے ہزاروں میل لمبے ساحلی علاقوں سے اور پھر ترکی حکومت کے یونین اور ان علاقوں سے اور کہاں کہاں سے واپس ہو رہا ہے اور خدا جلنے اس نے کتنے پاکستانی بنگلہ دیش کی اقتید کی ہے اب ہندوستان کو چھوڑ کر پاکستان کے محدود گوشہ میں آگیا ہے، ہم ہندوستان کے تقسیم کی پالیسی میں بہت کچھ کھو چکے ہیں تاہم وہاں جو رہ گئے ہیں سب اچھی حالت میں ہیں۔ اس پر مولانا نے فرمایا کہ آپ مطلوب الحال ہیں میں نے کہا اگر یہ مخلوبہ الحال ہے تو خوب اور مولوی حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ آپ کا پیغام

بھی ہم نے ان کو دے دیا تھا کہ اسلام راج بنانا ہو تو اس کی پہلی شرط ہے کہ ہندو سکھوں کو جو
 وہاں سے نکال دیئے ہیں واپس بلاؤ امن دو اور ان کی جائیدادیں ان کو دو اس پر مولانا خاموش
 ہو گئے اور بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا کہ پرمٹ سسٹم تو پہلے ہندوستان نے لگایا ہے مگر وہ خود
 اپنے اس جواب کو جواب ہی سمجھتے تھے نیز فرمایا کہ ہم سے جب کسی نے حال پوچھا تو ہم نے فوراً
 موقعہ ملتے ہی یہاں کی حکومت خصوصاً تین آدمیوں کا ذکر ضرور کیا کہ مسلمان ہندوستان میں
 جواہر لعل، پنت اور سہارنپور میں رامیش سردیل کلکٹر نے رکھنے میں بڑی کوشش کی ہے وہ
 بزرگوں نے ہمیں تو یہی سکھایا ہے کہ جس نے ذرا بھی احسان کیا اسے دل کھول کر مانا جائے۔
 چنانچہ ان کے احسان کو ہمیں ماننا ہے کسی کے سولل کے جواب میں حضرت والا نے فرمایا کہ
 مجھے تو پاکستانیوں اور تفرقہ پسند مسلمانوں پر جوش آ جاتا تھا۔

فرمایا کہ وہاں کے عام پناہ گزینوں سے جو میں نے بات کی تو غالب تعداد بلکہ غالب
 کے سوا سب ہندوستان آنے کو تیار ہیں مگر صحت حالات کی مایوسی کے باعث اس کا
 عام ذکر نہیں کر سکتے وہ یہاں رہنے کے لیے کڑی سے کڑی قابل برداشت شرطیں ماننے کو
 بھی آمادہ ہیں فرمایا کہ پرمٹ سسٹم ختم ہو کر ذرا بھی سہولت مل جائے تو امید ہے کہ طرفین کے
 پناہ گزین اس مسئلہ کو خود ہی کافی کچھ حل کر ڈالیں۔ جواہر لعل، پنت اور رامیش سردیل

کلکٹر کے احسان کو ماننا ہوں اور ذبیحہ گاو اور قربانی کے سلسلہ میں ان کی شدت کو اس پالیسی
 کے مقابلہ میں جو مسلمانوں کو آباد رکھنے کے سلسلے میں انہوں نے اختیار کی شدید نہیں محسوس
 کرتا آخر وہ ایسا نہ کریں تو مسلمانوں کو آباد رکھنے کی کوششیں کم کامیاب ہونے کی بھی کیا صورت
 نکالیں میں نے پاکستان میں بھی اپنے ان خیالات کو ذمہ داری سے بیان کیا اور یہ بھی بتایا کہ

ہندوستان سے آنے والے مسلمانوں میں سے اگر کوئی میرے خیالات سے اختلاف ظاہر کرتا ہے تو وہ یا سادہ ہے یا کسی غلط جذبے سے متاثر ہے یا کوئی سرمدیہ وار ذہن کا آدمی ہے کہ زمینداری وغیرہ کے باعث ایسا اثر لے رکھا ہے۔

اس مجلس میں مودودی صاحب کے بعض آدمیوں کا ذکر فرمایا کہ انہوں نے میرے گرد وہاں دوستوں کا بڑا مجمع دیکھ کر ایک دن کہا کہ آپ کا تو بڑا اثر ہے آپ ان حضرات سے جن میں بیاں کی حکومت کے ذی اثر لوگ بھی معلوم ہوتے ہیں غلاں غلاں شرعی بلوں کی تائید کی بشارت کر دیں کہ وہ اس میں ہماری مدد کریں تو میں نے ان سے کہا کہ آپ میرے ان دوستوں کی اس عقیدتمندانہ نشست و برخاست سے یہ اندازہ نہ لگائیں کہ یہ جاری باتیں ملتے ہیں انہوں نے ہماری کبھی نہیں مانی ان میں اکثر خلاف رہے ہیں ہم نے اگر کچھ کہا تو اگر یہ سلسلے نہ پہلے تو ایسا ہوا کہ وہیں پاس بیٹھ کر اپنی گاڑی ہمارے الٹ چلاتے رہے۔

۲۸ اپریل ۱۹۵۹ء - دہلی

میرے دوران حضرت والانس نے فرمایا کہ پاکستان ہندوستان سے کمزور ہے وہاں رشوت بہت ہے نئے ملازم کا اسے ناواقف ہیں انتظام پناہ گزینوں کا اچھا نہیں ہوا لوگ غیر مطمئن ہیں لوگوں نے بتایا ہے کہ وہاں بھی غریب کو بہت آسانی سے کمیونسٹ سرگرمیوں سے ہموا بنایا جاسکتا ہے البتہ چوری، لٹاکہ وغیرہ کی مددک تمام میں پولیس کو اختیارات کافی ہیں اور وہ انہیں کام میں لارہی ہے اور اسے کافی کامیابی ہے وہاں عوام پر کنٹرول بیاں سے زیادہ سچاں کی فضا غیر فرقہ پرست زیادہ ہے مگر انفراسٹرکچر لچھے نہیں بر خلاف بیاں کے کہ بیاں اونچے

افسر جو بہت اونچے ہیں لمبے خیالات کے ہیں مگر چھوٹے افسر اور فوجی فرقہ پرستی میں زیادہ
 بچے ہوئے ہیں شاید وہاں دیر میں حالات بہت لمبے ہو جائیں اس وقت یہ حال ہے۔

نیز فرمایا اب سواریوں کا یہ حال ہے کہ میں نے کھانا لاہور کھایا اور قیلوہ (یعنی کھانے
 کے بعد قدے آرام کرنا) وہی اگر کیا جب دنیا ایسی ہو گئی تو اب فرقہ پرستی چلنے والی چیز نہیں
 ہے میں نے پاکستان میں بھی کہہ دیا ہے کہ اب ہند اور پاکستان مل کر رہیں تھیں دونوں کا فائدہ
 ہے ورنہ پاکستان زیادہ خسارہ میں رہے گا اور ہند بھی خسارے میں رہے گا مگر پاکستان سے
 کم۔ ہندوستان کے لیڈا چھا اور گہرا سوچتے ہیں اور پاکستان کے ایسا نہیں کر سکتے وہ تو
 کرسیوں کے لیڈ میں اور یہ جلیوں کے مراحل طے کئے ہوئے اور دنیا کو زیادہ دیکھے ہوئے لوگ
 ہیں نیز فرمایا کہ تاجروں نے جس غرض سے پاکستان بنایا تھا کہ ہند سے مقابلہ مشکل تھا اس کا
 اچھا نتیجہ نہ نکلا۔ اب بھی وہاں کارخانہ والوں نے کچھ نہیں کمایا کیونکہ ان کو کام کا تجربہ نہیں تھا
 اور ایک خاص بات یہ بھی فرمائی کہ ایسا دل میں آتا ہے کہ شاید ہندوستان میں رہے ہوئے
 مسلمان کبھی یہ خیال کریں گے کہ ہم جہاں رہ گئے تھے ہم ہی پاکستان بنائے والوں سے اچھے
 رہ گئے ہیں اگر وہ اس وقت کا دوبارہ حالت میں گہرا رہے ہوں مگر پاکستان چھوٹا ہے اور
 وہاں کابل یعنی افغانستان اور بھارت کا سوال پیدا ہو گیا ہے جس کے باعث امن خطرے
 میں رہے گا

فرمایا کہ تاریخ شاہ ہے کہ اسلام کو
 اور مذہب کو لوگوں نے اپنی خواہشات کا آلہ تو بنایا مگر خود مذہب کا آکھ بنے یعنی مذہبی اثرات
 کے نیچے اپنی زندگیوں کو عالمگیر اور اجتماعی طور پر ایسا پاکیزہ نہ بنایا جیسا مذہب چاہتا ہے اور
 اس کی تربیت صحیحہ کا لازمی خاصہ ہے۔

۲۹ اپریل ۱۹۴۹ء

حضرت والد نے دورانِ گفتگو فرمایا کہ میں نے کہا کہ تقریریں سے تبلیغ کما حقہ نہیں ہوتی
 صدیوں میں تبلیغ کا ایک موقع آیا جو ہمیشہ نہیں آتا مگر ہم ہی اسلامی نعتے اس لیے ہم نے
 اس موقع کو نہ صرف کھویا بلکہ اس میں غلط رویہ اختیار کر کے اسلام کو لوگوں کی نظر میں بے
 وقعت بنایا یعنی جب اُدھر سے مسلمان اچڑ کر اُدھر گئے جب وہاں گڑ بڑ پھیلنے کا ماحول پیدا
 کیا گیا تو متعاصی مسلمانوں کو چاہئے تھا کہ وہاں کے غیر مسلموں کی اتنی مخالفت کرتے کہ ان کو ذرا
 گزند نہ پہنچتا اور اُدھر سے گئے ہوئے مہاجر خواہ کتنے ہی لٹ پٹ کر گئے تھے موسمی سختی برداشت
 کرتے اور کپڑوں کے سایہ میں گزارتے مگر وہاں کے غیر مسلموں کو ان کے مکانات اور اطلاق
 سے نکلنے یا ستانے کی حرکت نہ کرتے بلکہ کہتے کہ تم اچھی طرح رہو اور رات بھر خوف دل میں نہ
 لاؤ، یہی اخلاق ہیں جو اسلام پیدا کرتا ہے اور بعض اخلاق کے مظاہرے کا موقع کبھی کبھی پیش
 آتا ہے اور ایسے موقع کا ایسا عمل اور جذبہ ثواب کے اعتبار سے گویا صدیوں کے عمل کے برابر
 ہوتا ہے۔

۱۲ مئی ۱۹۴۹ء رائے پور

مولانا عبدالمنان صاحب نے سوال کیا یہ جو غفلت ہوتی ہے اس کی کیا وجہ ہے یہ دیکھا ہوں
 کی شامت سے ہوتی ہے بگناہ خود غفلت کے باعث ہوتے ہیں یا غفلت گناہوں کے باعث۔
 حضرت اقدس نے فرمایا کہ ایسا بھی ہے مگر غفلت تو دنیا کی تمام چیزوں کی طرف توجہ

اور خدا کی یاد کی شغولیت کے بغیر توجہ سے ہوتی ہے آیہ ہے 'العلم محاب الاکبر' یہ جو ہم رات دن دنیا کی چیزوں کا علم حاصل کرتے رہتے ہیں اور یہ جی میں جم جاتا ہے اس سے غفلت ہوتی ہے باقی گناہ کبھی نفس کی سرکشی سے جوں ہے اور غفلت بھی اس کا سبب ہے اس کا علاج دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ مراقبہ اس کا علاج ہے ہر شے کو اس طرح دیکھئے کہ یہ نعمت باری ہے تو بھی غفلت سے بچاؤ ہے اس طرح کرتے رہو تو رفتہ رفتہ غفلت جاتی رہتی ہے۔

ایک نوجوان انعام اللہ نے سوال کیا کہ حضرت لاجعل پڑھنے سے شیطان انسان سے کتنی دیر کے لیے دور ہو جاتا ہے فرمایا کہ بس ذرا سی دیر کو لاجعل دل سے پڑھا اس کو ذرا دور کر دیتا ہے اور پھر آلیتا ہے باقی اس کا اثر ہونا نہ ہونا یہ الگ بات ہے غفلت میں اکثر ہوتا ہے اور غفلت نہ ہو تو عموماً اثر نہیں ہوتا۔

مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی نے ذکر کیا کہ مجھے نقشبندیہ مشائخ میں سے اب بڑا آدمی کوئی نظر نہیں آتا حضرت نے فرمایا ایسا نہیں، کیونکہ حضرت میاں شاد عبدالرحیم صاحب سہارنپوری نے حضرت رحمۃ علیہ کو قادریہ اور نقشبندیہ میں بیعت فرمایا تھا اور مجاز بھی کیا اور حضرت گنگوہی نے بھی حضرت رحمۃ علیہ کو پانچوں سلسلوں میں بیعت کیا اور مجاز فرمایا اور حضرت اقدس نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت گنگوہی کو غالباً نسبت نقشبندیہ تھی اور اس کے بعد فرمایا کہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ پچھلی نسبت نقشبندیہ ہی غالب تھی۔

۱۹ شعبان ۱۳۶۵ھ ۲۷ جون ۱۹۴۵ء راتے پور

ایک مسجد کے تقریباً پچپن مقتدیوں میں سے سوا ایک کے تمام کے حافظ قرآن ہونے کا ذکر آیا تو حضرت نے فرمایا کہ اب تو ہر بات میں تنزل ہے ورنہ ڈھوڑیوں سے اوپر بہانے کی طرف جہاں ہماری سات فرمایا یا دس پشتیں گزری ہیں اور چونکہ وہاں قبر کے نشان پتھروں کی وجہ سے زائل نہیں ہوتے اس لیے پشتیں گنی جاسکتی ہیں

وہاں کوئی دواڑھائی ہزار گھر ہوں گے تو ایک آدمی بھی غیر حافظ نہ تھا اور یہ سب کام نہ رسہ کے ذریعہ نہیں بلکہ ائمہ مساجد کے ذریعہ ہوتا تھا مگر اب اس طرف توجہ نہیں رہی حضرت اقدس نے اپنے والد صاحب قبلہ کا ذکر فرمایا کہ جب کوئی شخص آپ کو قرآن سنا تا تھا تو جہاں ذرا اٹکا آپ خود پڑھنا شروع کر دیا کرتے تھے اور یہ خیال نہ رہتا کہ سننا ہے چنانچہ میں سنا تا تو بھی ایسا ہوتا تو ایک دفعہ میں نے عرض کیا کہ میں کیا سناؤں آپ ہی سنانے لگے ہیں نیز فرمایا کہ جب والد صاحب کا وقت اخیر آیا اور عورتوں نے یس پڑھنی شروع کی تو والد صاحب نے ان کو روک دیا کہ تم ٹھیک نہیں پڑھ سکتیں اور اپنے ایک شاگرد حافظ روشن صاحب کو بلایا حافظ صاحب نے یس پڑھی تو ایک جگہ دانست اس خیال سے ٹک گئے کہ دیکھیں اب بھی بتا سکتے ہیں یا نہیں تو والد صاحب نے یہ آیت پڑھی اور آواز ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کنویں میں سے آرہی ہو آیت پڑھ کر پھر آواز نہیں نکلی۔

۸ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ مطابق ۵ جولائی ۱۹۴۵ء راتے پور

چودھری رام لال صاحب نے دریافت کیا کہ خیالات بالکل بھی جلتے رہتے ہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ بعض کے بالکل بھی جاتے رہتے ہیں ورنہ ذکر و شغل سے کم ہو جاتے ہیں نیز
 فرمایا کہ جو باتیں رات دن ہوتی رہتی ہیں ان کا بڑا اثر ہوتا ہے کل جیسی بحث تھی وہ ذکر کرنیوالوں
 کو مضر پڑتی ہے کیونکہ دوسرے وقت میں اس کا اثر ذہن پر چھایا رہتا ہے اور خیالات مشکل سے
 جم سکتے ہیں۔ چودھری رام لال صاحب نے عرض کیا کہ میں جمع الفوائد کا ترجمہ دیکھتا ہوں
 تو حضور کی تمام زندگی ایسی معلوم ہوتی ہے کہ ایسی زندگی میں دنیا کے کام وغیرہ چھوڑنا اور مدد و
 اختیار کرنے کی ضرورت ہی نہیں سب کام خود بخود ہو جاتا ہے حضرت نے فرمایا کہ جو لوگ ایسی
 صحبت میں اور ایسی زندگی کے اتباع میں تن من سے لگ جاتے ہیں۔ ان کو متعارف اذکار و اشغال
 کرنے اور مزے سادھنے کی مطلق ضرورت نہیں مگر بالکل اور ہی طرز کی سوسائٹی میں دھنس
 جانے کی وجہ سے سب کرنا پڑتا ہے۔ تب بھی ویسی اب مشکل ہی سے آتی ہے بلکہ حضور
 کے صحابہ پر بھی وہ تو آتی ہی نہیں آپ ہی دیکھیں اگر ویسی زندگی ہو جائے جیسی آپ اس کلمہ
 میں دیکھتے ہیں تو پھر یہ لڑائی جھگڑے جو آجکل برپا ہیں کہاں رہ جاتے ہیں۔ پچھلے دنوں
 جو ہوا جو ہندو لے کیلے تو ہم سمجھتے ہیں کہ اس نے کونسی یہ کتابیں دیکھی تھیں مگر افسوس
 مسلمان پر ہے کہ مسلمان ہوتے ہوئے اس نے پاکستان سے ہندو کو نکالنے میں بعض جگہ
 ایسا کیا جس کی اسلام بھی اجازت نہیں دیتا بلکہ اگر میں دہاں ہوتا اور لوگ میری سنتے تو میں
 ہندوؤں کے ہاؤں پکڑ کر وہ آنا چاہتے تو بھی روکتا اور ان کی اور ان کے مال و ماہر کی مخالفت
 میں اپنی جان لڑا دیتا۔ میں کچھ انڈین یونین کی رعایت سے نہیں کتا دل کے جذبہ اسلامی
 سے کتا ہوں چودھری صاحب نے کہا کہ اگر ایسا ہو جاتا تو اسلام کی ایک مثال قائم ہو جاتی۔
 حضرت نے فرمایا مگر مسلمان کون سے اسلام سے واقف ہیں وہ تو قرآن پڑھنے کو بھی بہت
 سے بے فائدہ بتاتے ہیں پاکستان میں بھی میں جہاں گیا وہاں کے لکھے پڑھوں کو ہر جگہ

کہا کہ جو کچھ ہوا اس کی وجہ جواز بتاؤ مگر کوئی نہ بتا سکا اور تو اور اس رد میں بعض کچھ پڑھے اور مبلغ کہلوئے دلے بھی بہہ گئے تھے میں نے انہیں بڑی شرم دلائی۔

ایک بات حضرت نے یہ بھی فرمائی کہ مقصود کام کے لیے مراقبہ بڑا ضروری ہے اور ذکر مراقبہ کو معین ہے بلکہ بعض ذاکر ذکر میں ہی تنہی کر کے مراقبہ کر سکتے ہیں اور دعا کا مراقبہ بہت اچھا ہے ماؤ فضل الرحمن خان صاحب کے دریافت کرنے پر فرمایا کہ قرآن پاک اپنی نصیحت کے لیے ترجمہ سے بھی پڑھ لیا جائے مگر ویسے بھی ضرور پڑھا جائے اس میں بڑی تاثیر ہے اگر یہ ساجیوں یا اور لوگوں نے جو بے تجربہ پڑھنے پر اعتراض کیا ہے کہ بے فائدہ ہے یہ ان کو تجربہ اور علم نہیں ورنہ ویسے بھی فائدہ ہوتا ہے اور حضرت جنت علیہ کا رمضان شریف کا ذکر فرمایا کہ حضرت ﷺ نے رمضان پاک میں بعض اوقات سحری اور افطاری میں یونہی سا برائے نام کھاتے تھے اور قرآن پاک بہت پڑھتے تھے میں نے ایک دفعہ عرض کیا کہ حضرت ضعف نہ کھالے کے باعث بہت ہو جائے گا تو فرمایا مولوی صاحب اللہ تعالیٰ نے فضل کیلئے جنت کا مزہ آ رہا ہے یعنی روحانی قوت میسر ہو گئی ہے اور اس نہ کھالے پر بظاہر ایسا چہرہ رہتا گیا بہت کچھ کھاتے ہوں گے۔ مولوی لطیف الرحمن صاحب نے یہ بھی دریافت کیا تھا کہ بیاد میں ذکر چھوٹ جاتا ہے فرمایا کہ وہ مجبوری ہے اور چھوٹنے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ طبیعت لوٹ جاتی ہے اور پھر بڑی مشکل سے اس رُخ پر آتی ہے ورنہ نہیں آتی ہاں ہو سکے تو دعائیں مشغول رہے کہ یہ بھی ذکر اور مراقبہ کا کام دیتی ہے بلکہ عبادات کا مغز دعا ہے۔

۱۲، رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ مطابق ۹ جولائی ۱۹۴۹ء راتے پورے

شرعیات طریقت حقیقت اور معرفت کے متعلق سوال پیش آیا تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ شرعیات پر باقاعدہ اور جی سے چلنے اور اس طرح خدا تعالیٰ اور نفس کی حق تعالیٰ ہو معرفت نصیب ہونے کا مطلب یہ چاروں باتیں ہیں۔ عطا الرحمن خان نے آدم علیہ السلام کو سکھائے گئے اسماء کا قصہ پیرا تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ سکھانے سے مراد ولایت کرنا ہے فرشتوں کو وہ ولایت نہ کئے گئے انسان میں اس کا مادہ رکھا تھا فرشتوں میں نہیں اور یہ سب خدا کی مشیت مصلحت اور حکمت کے مطابق ہوا۔

۱۳، رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۰ جولائی ۱۹۴۹ء رات پورے

ایک مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ شیخ کے ساتھ کس طرح ادب آداب سے ہے جس سے مرید کو فائدہ پہنچے حضرت اقدس نے فرمایا کہ اصل اس میں محبت ہے محبت خدا اکابر کی استاد ہے اور کم از کم یہ ہے کہ اعتراض جی میں نہ رکھے اور مخالفت نہ ہو تو فائدہ حسب استعداد پہنچتا ہے۔ اصل تو اس کا ذکر ہے اور اللہ کے نیک بندوں کی صحبت آپ آخر کھنڈ سے میرے پاس آتے ہیں محبت نہ ہوتی تو کیوں آتے اس سے بھی زیادہ محبت ہو تو اور اچھا ہے۔ عشق ہی انسان کا آداب میں استاد ہے ایک پنجابی شاعر نے کہا ہے کہ عشق انسان کو دم میں پنچا دیتا ہے جہاں انسان دیے نہیں پنچا سکتا کسی نے پوچھا کہ عشق کیسے پیدا ہوتا ہے فرمایا ذکر الہی اور نیکوں کی صحبت سے حسب استعداد عشق و محبت پیدا

ہوتی ہے اصل یہ ہے کہ ہمارا وجود یعنی ہونا جو ہے یہ خدا کی طرف سے ہے اسے روح بھی کہتے ہیں تو ہر انسان میں اپنی اصل کی طرف کشش ہوتی ہے جیسے اپنے وطن کی طرف ہر انسان کو کشش ہوتی ہے تو یہ دنیا اصل میں ہمارا وطن نہیں وطن تو وہ ہے جہاں سے آئے ہیں اب اگر بیاں کی چیزوں میں دل پھنس جائے تو ادھر کی کشش کم ہو جائے گی مگر یہ ماسوا کی محبت کے عارضی اثر اگر کم ہو جائیں تو اصل فطری جذبہ جو اس وطن کا ہے ابھر آئے گا اور وہاں کا شوق اور خدا کی محبت و عشق پیدا ہو جائے گا یہی مقصود ہے اللہ کے ہیں یہاں دنیا میں کھلے گیجا ہے جو شخص یہاں خدا کی یاد کمالے جائے گا اس وطن میں پہنچ کر اتنے ہی آرام و راحت سے رہے گا اسی کو قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ من عمل صالحا من ذکرا و انثیٰ و هو مومن فلننجیہ فی حیلۃ طیبۃ یعنی جو نیک کام کرے۔ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان لکھا ہے اسے ہم حیلۃ طیبہ دیتے ہیں یعنی پاکیزہ زندگی۔

۱۵۔ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۲ جولائی ۱۹۹۷ء راپڑ

لکھنؤ کے مولوی صاحب نے ذکر و شغل کے سلسلہ کے بعض مسائل دریافت کئے تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ جب انسان اپنے نفس کو پالیتا ہے تو خدا تعالیٰ کو بھی پالیتا ہے۔ نفس کو پالنے سے مراد نفس کی معرفت ہے اور نفس کی معرفت سے اس کے پیدا کرنے والے کی معرفت پیدا ہو جاتی ہے چودھری نام عمل صاحب نے دریافت کیا کہ خدا سے مانگنا اچھا ہے یا یہ سمجھ کر کہ اسے تو سب معلوم ہے اس لیے کیلانا نگین نہ مانگنا چاہیے حضرت اقدس نے فرمایا کہ مانگنا اچھا ہے۔

۱۴، رمضان المبارک ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۲ جولائی ۱۹۴۹ء رات

رات کی مجلس میں کھنوکھ کے مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ جو شخص تہجد کی نیت سے سوئے اور نہ اٹھ سکے اس کو حسب حکم حدیث ثواب ملتا ہے اور اتنے نفل قضا کے طور پر بھی ادا کئے جاتے ہیں مگر پھر بھی جو افسوس ہوتا ہے کیوں ہوتا ہے حضرت نے فرمایا کہ جو حکم پیدا ہوتا ہے وہ تو کرنے سے ہوتا ہے نیت کا ثواب بھی بڑی چیز ہے مگر وہ حکم کے لیے کارآمد نہیں اور وہ افسوس مناسبت اور حکم جو ہوا ہے اس کی ترقی کے رکھنے سے ہوتا ہے کسی نے چپٹنگ کیا ہے فرمایا کہ کسی چیز سے طبیعت کو جو لگاؤ ہو جاتا ہے وہی حکم ہے اور یہ افسوس بھی اس لگاؤ کی وجہ سے ہوتا ہے۔

حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ کے متعلق مولانا لطف الرحمن صاحب نے بیان کیا فرماتے تھے کہ شروع میں ہمیں بڑا فائدہ ہوا کہ گھوڑوں میں ایک جن رہتا تھا وہ تہجد کے لیے اٹھا دیا کرتا تھا مولانا حبیب الرحمن صاحب نے عرض کیا کہ بعض لوگوں کو سنا ہے کہ تہجد کے وقت جاگ آنے کے لیے نہ جاگ سکیں تو آواز آجاتی ہے حضرت نے فرمایا ہاں گھنٹی کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے حضرت والائے مولوی عبداللہ خان کا حال پہلے لوگوں کی قوت کے سلسلے میں بیان فرمایا کہ ایک دفعہ دہلی میں گھوڑیوں کے ہاں ہماری دعوت تھی انہوں نے گو بزودہ زمین پر ہی سب کو بٹھا دیا ہم نے کہا کہ دہلی کا تکلف بھی حد سے زیادہ اور سادگی بھی حد سے زیادہ پھر انہوں نے نئے دھوئے ہوئے کونڈ لاکر چار چار پاٹھ پاٹھ آدمیوں کے سامنے ایک ایک کونڈ رکھ دیا۔ ایک آدمی آیا اس نے ایک ایک مٹی چاول ہر کونڈ سے میں ڈال دیا۔ پھر دوسرے نے ایک ایک لپ بور سے کی ہر کونڈ سے میں ڈال دی تیسرا آیا وہ بڑے

بٹے لیٹے لایا جو گھمی کے بھرے تھے جب تک لوگ کھانے والے بس سکتے گھمی ڈالتا تھا اور
 ہمارے کونڈے میں کوئی ڈیڑھ لوٹا گھمی ڈال دیا کہ اب کونڈے میں چاول تو ہاتھ مشکل سے
 آتا تھا مولوی عبداللہ خان نے ہاتھ سے کونڈہ کو ہلایا کہ چاول، بورا اور گھمی مل گئے پھر کونڈہ
 اٹھا کر منہ لگا کر تمام گھمی اس قدر بھیا کہ تہہ میں تھوڑے سے چاول رہ گئے اور کہا کہ ہم نے
 کھالیا ہے اب تم کھاتے رہو اور پھر اس کو ہضم بھی کر گئے ایک دفعہ ان کو پیدل جی جانے
 کا خیال ہوا تو رامپور سے آگرہ وہاں سے جودھ پور کو پیدل چلتے رہے اور جودھ پور جا کر
 بنجار میں مبتلا ہو گئے کیونکہ جیسا وہ بیان کرتے تھے روزانہ تیس تیس کوس کی منزل کھتے
 جا رہے تھے وہاں سے خط لکھا کہ میں بیمار ہو گیا تھا اب ایک مدرسہ میں داخل ہو گیا ہوں
 ہم نے لکھا کہ لاہور پڑھنے کا ارادہ ہے مگر ہم لاہور گئے تو جی نہ لگا اور واپس پانی پت چلے
 آئے وہ پیدل لاہور پہنچے اور وہاں ہم نہ ملے تو ہمارے پاس پنی پتا گئے یہ پیدل کیا۔ ایک
 دفعہ ایک پنجابی مولوی صاحب کے پاس جو گھر کو جا رہے تھے پڑھنے کا ارادہ کر کے ساتھ
 ہو لیے اور مجھے بھی بڑی ترغیب دی اور اصرار کیا مگر میں نے کہا وہاں پڑھائی نہ ہوگی اس
 لیے میں تو نہ گیا وہ گئے مگر جب مولوی صاحب موصوف کے بھائیوں نے مولوی صاحب
 کو کام میں لگایا اور پڑھانے ہو سکا تو وہ وہاں سے پشاور پر صاحب مالکی شریف کے ہاں
 اور خدا جانے کہاں کہاں چلے گئے اور پھر ایک علی سہارہ پنور میں مسجد میں لیٹا ہوا تھا اور مولوی
 فضل احمد صاحب مطالعہ دیکھ رہے تھے رات کا وقت تھا کہ مولوی عبداللہ خان آ گئے۔
 مولوی فضل احمد صاحب نے مجھے بتایا تو دیکھوں سرحدیں جیسا اور سیاہ رنگ کا لباس
 پہن رکھا ہے کہ پہچان بھی نہیں پڑتے پھر اگلے روز چلے گئے ہم نے ڈھونڈا پتہ نہ چلا دن
 میں ایک طالب علم خان عالم پورے (محلہ کا نام) کی طرف سے آیا اور اس نے بتایا کہ ندی میں

ایک ایسا آدمی ہیضہ میں پڑا تڑپا ہوا ہے اور کچھ (یعنی حضرت اقدس کو) پوچھتا ہے
 اور کہتا ہے کہ ان کو جا کر کہو کہ ایک ڈولی اور سوڈے کی بوتلیں لے کر آئیں۔ ڈولی تو ہمیں
 نہ ملی ایک ہفتہ سے چلنے کی ریڑھی سستی مل گئی وہ لے کر اور سوڈے کی بوتلیں لے کر ہم
 وہاں پہنچے تو دیکھا کہ شدت درد سے زمین پر کر ریتی تھی مولوی عبداللہ خان ماہی بے آب
 کی طرح تڑپتے اور لوٹتے پھر رہے ہیں سوڈے کی بوتلیں پلائیں اور ریڑھی پر ڈال کر اپنی مسجد
 میں لائے تو اکیس روز بعد چارپائی سے لپچے ہو کر اترے اور بالکل دبلے ہو گئے تھے۔
 دہلی میں ایک دفعہ وہاں سے تیس کوس (یا کم و بیش) گھوٹی گئے اور تھوڑی دیر بعد آمو جو
 ہوئے اور کہا میں وہاں جا کر آیا ہوں میں نے کہا — جھوٹ بولنا ہے جواب دیا

سچ کہتا ہوں وہاں کے لوگ آئے تو تصدیق ہوئی واقعی وہاں گئے تھے اور ایک گھنٹہ وہاں
 مولانا کی خدمت میں بیٹھے بھی تھے ایک دفعہ کہنے لگے کہ ہم سب گنہگار ہیں ہم کو
 والدین کی خدمت کرنی چاہیے میں نے کہا ہم تو گنہگار نہیں چنانچہ وہ چلے گئے اور
 لائینوں کے ایک کارخانہ میں پہنچ گئے وہاں ان کو پہلے چار آنہ روز پھر آٹھ آنے پھر بارہ
 آنے تک ملنے لگے کیونکہ ہوشیار آدمی تھے اور تاریں وغیرہ بنانا جلد ہی سیکھ لیا تھا مگر پھر
 جھوڑ چاڑ کر پڑھنے چلے آئے۔ ایسی طبیعت کے تھے۔

۱۹۰۱۸ رمضان المبارک ۱۳۲۰ مطابق ۱۲۰۱۵ جولائی ۱۹۰۱ء رانیو

بھائی الطاف الرحمن صاحب نے ایک خواب بیان کیا جس میں تھا کہ سمندر میں سے
 نکل کر میں اور مولوی انیس تو ایک اور جگہ چلے گئے مگر مولوی عبدالمنان پنجابی آئے

تیرتے رہے اور میں ڈرا کہ وہ ڈوب نہ جائیں حضرت نے فرمایا کہ وہ بکر عیال میں تیرتے ہیں
یہ بڑا اچھا خواب ہے۔

۲۱، ۲۰، رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۸، ۱۷ جولائی ۱۹۴۸ء رات پورہ

مولانا منظور صاحب نے سوال کیا کہ خدا کی محبت کیسے پیدا ہو، حضرت واللہ فرمایا
کہ ذکر اور محبت سے نیز فرمایا کہ بعض کی طبیعت قصلی ہوتی ہے وہ بھی کہتے ہیں مگر بلداہر
کو پہنچتے ہیں لیکن دوسروں کو بھی ذکر اور محبت سے حسب استعداد محبت نصیب ہو جاتی ہے
مولانا عبد اللہ صاحب لاہوری کے والد صاحب کا ذکر فرمایا کہ وہ ہمیشہ وعظ ہی کہتے رہتے تھے
ایک آدمی ہو دو آدمی ہوں دس ہوں بیس ہوں زیادہ ہوں کم ہوں تو حضرت گنگوہیؒ کے
ہاں ان کا ذکر آیا تو فرمایا کہ اس کا وظیفہ ہی وعظ ہے پس جو شخص جس مزاج کا ہو اس کو ویسے
ہی وظیفہ سے نفع ہوتا ہے اور اسی لیے اسرار کو الطباء کی طرح ادل بدل کر بتایا جاتا ہے جس اسم
سے طبعی مناسبت ہو نفع محسوس ہونے لگتا ہے اور وہی اسم اس شخص کے لیے اسم عظم ہے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اثر تھا کہ صحابہ کو محبت سے اول و ظاہر میں ہی محبت ہو جاتی تھی پھر
نیک اعمال سے چلنے ہی پڑتا تھا خلق بالندہ میں جو فیض تھا سب ان (یعنی مولوی
عبد اللہ صاحب لاہوری کے والد صاحب) کا تھا۔

۲۶، ۲۵، ۲۴، رمضان ۱۳۶۸ھ مطابق ۲۳، ۲۲، ۲۱ جولائی ۱۹۴۸ء رات پورہ

حضرت واللہ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے سامنے اب مکی زندگی کا پود گرام پورے زور

سے آجانا چاہیے اور فرمایا کہ حالات سے اگر مسلمان یہ لیں کہ دل ٹوٹ جائے اور خدا کی طرف توجہ زیادہ ہو جائے تو حالات کا وصول کرنا ہے نیز فرمایا میرے خیال میں تھا کہ مشرقی پنجاب سے گئے ہوئے مسلمانوں کا اگر دل ٹوٹ جائے اور وہ رجوع الی اللہ میں زیادہ ہو گئے ہوں تو ان کا کام بن جائے گا اور مشرقی پنجاب کے ان لوگوں پر جو مظالم میں ملوث ہیں کوئی خالص افتاد پڑے گی مگر پاکستان کے خطوط سے اور وہاں جا کر جو حالات دیکھے ان سے محسوس ہوا کہ ان میں یہ بات پیدا نہیں ہوئی پھر کیا ہے جیسا حال عام طور پر عالم اسباب میں ہوتا ہے اسی میں وہ بھی ہیں۔

چودھری رام لعل کو متوجہ کر کے فرمایا کہ اس ملک میں بھی انبیاء ہوتے ہیں قرآن پاک میں بھی ایسا مضمون ہے کہ ہر ملک میں نبی آئے چودھری صاحب نے سرسبز کا ذکر کیا کہ وہاں بھی چھ نبیوں کی قبریں بتائی جاتی ہیں حضرت نے فرمایا کہ ہاں مگر ایک تو ان کا اب علم نہیں ہاں دوسرے ہو سکتا ہے کہ کرشن جی اور دوسرے بعض بھی جنہیں ہندو لوگ اقرار کرتے ہیں ان میں سے پیغمبر ہوں مگر لوگوں نے ان کی تعلیم کو مسخ کر دیا ہے اور کچھ سے کچھ بنا دیا ہے جیسے آج مسلمانوں میں بھی اسلام سے بعض صورتوں میں بہت بعد ہو گیا ہے لوگ قبروں کو بطوتوں کے بھی پوجتے ہیں۔

۲۸، ۲۷، رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۲، ۲۵ جولائی ۱۹۴۹ء راپور

مغرب کے بعد کی مجلس میں مولانا منظور صاحب کے سوال کے جواب میں حضرت والا نے فرمایا کہ حضرت میاں صاحب ظاہری علوم نہ پڑھے تھے الف با بھی نہیں پڑھا تھا منصوبہ

اور پورے قد اور جوان تھے انگریزی فوج میں بھرتی ہو کر سرحد کی جنگ میں گئے وہاں سوت
 بنیر پہنچے تو متنبہ ہوا حضرت اخوند صاحب سے بیعت ہوئے بیعت میں حضرت نے یہ شرط
 بھی لی کہ انگریز کی نوکری نہ کرنا واپس آئے تو نوکری چھوڑ دی کوئی مجبوری پیش آئی تو پھر
 نوکری کر لی پھر متنبہ ہوا اور چھوڑ دی اور پھر گئے تو حضرت نے دوسرے ہی فرمایا دور ہو دوسرے
 بیعت لڑ گئی نوکری کر لی کئی دن ٹپے رہے تب حضرت نے توجہ فرمائی معاف کیا،
 نئے سرے سے بیعت لی اور ذکر جہر بتایا یہ ذکر ہم جو کراتے ہیں یہ میاں صاحب کی طرف
 سے ہے قادریہ خاندان میں اس میں جس کی صحت اچھی ہو بڑی طبیعت کھلتی ہے اور حفر
 میاں صاحب کیونکہ جسمانی طور پر بھی بہت مضبوط تھے اس لیے کشف آپ کو بہت ہوتا تھا اور
 کوئی شخص نہیں جو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا ہو اور اس نے کچھ کشف نہ دیکھے ہوں۔
 مسائل میں بھی ایک دفعہ کسی نے مسئلہ پوچھا وہاں کوئی مولوی صاحب تھے انہوں نے مسئلہ
 کی تقریر کی تو فرمایا کہ میں پڑھا ہوا تو نہیں ہوں مگر مسئلہ کی یہ تقریر میرے دل کو نہیں لگی بلکہ
 میرے خیال میں مسئلہ کی تقریر یوں آتی ہے اور یہ مسئلہ بطور سوال کہہ کر مولانا کو مغلظہر تاوتوی
 صاحب مدرسہ مظاہر العلوم والوں کے پاس بھیج دینا چاہیے اس کا جواب مدرسہ والوں
 کی طرف سے کھایا وہ آپ کے ہاں پڑھا گیا بعینہ وہی تھا جو آپ نے تقریر فرمائی تھی سن کر
 فرمایا الحمد للہ شاکر ہے۔ اور بہت تعجب ہوئے کہ دل شیر علی طرف نہیں چلا حق کی طرف چلا۔
 مولانا نوازش علی صاحب اپنے بچپن سے سہارنپور پڑھتے تھے اور حضرت کے گھر میں
 سودا وغیرہ لکھ دیا کرتے تھے خود ہی فرمایا کہ ایک دفعہ بچپن میں میں ۱۲ کا بازار سے سوا لانے
 گیا ۱۲ کا سودا لایا اور ایک آنہ کی اپنے لیے بکشمش لے لی مگر گھر میں سودا ۱۳ کا گنواؤں تو
 مانی صاحب کہیں نہ گئے یہ تو تیرہ آنے کا نہیں ہوا۔ میں ایک آدم چھپانے کے لیے پھر سی طرح

گنواقل۔ میاں صاحب اندر جبرہ میں سُن رہے تھے فرمایا ایک آنہ کی اس نے کشمش لی،
کچھ کھالی، کچھ دانے ابھی تک اس کی جیب میں گئے رہ گئے ہیں مہلنے دو اور آئندہ کو میرا
ایک آنہ یومیہ کشمش کا مقرر کر دیا بیان تک کہ بڑی عمر اور آخری دور تک وہ آنہ یومیہ مجھے
عنایت فرماتے رہے بارہا عرض کیا کہ حضرت اسے جلنے دیا جائے فرمایا جو نیک کام مقرر ہو
جلے علیٰ حق الوسع بند نہیں کیا کرتے۔

مولانا منظور صاحب نے کہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جہاں علم ظاہری نہ ہو ان بزرگوں
کے ہاں مکاشفات بہت ہوتے ہیں حضرت نے فرمایا نہیں جیسا شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی
کہا ہے جس کی قوت جہانی زیادہ بڑھی ہو اسے مجاہدات بھی زیادہ کرنے پڑتے ہیں اور اس پر
یہ چیزیں ہو جاتی ہیں۔ حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ کا بھی اس میں کچھ حال بیان فرمایا۔ صوفی صاحب
گنگوہی نے بھی یہاں کچھ سوال کیا تو فرمایا کہ آپ اس کے پیچھے نہ پڑ جاتیو یہ کچھ نہیں سوا اس کے
کہ کھلی بات ادھر کی کھلی ادھر کی دیکھ لی اور بس، چودھری رام لعل صاحب نے پوچھا کہ بعض
آدمی کھلی اسم پڑھتے ہیں پانی میں کھڑے ہو کر پڑھتے ہیں فرمایا یہ بھی کچھ نہیں کھیل تماشا ہے
ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا اور کسی کے غالباً حضرت مولانا اللہ بخش صاحب
کے دریافت کرنے پر فرمایا تھا کہ حضرت جی چاہتا ہے کہ میں چلے کر دس فرمایا نہیں اعتکاف کہو
اور یہ بڑے لوگ تھے بڑی بہت کے لوگ تھے جو چلے کرتے تھے اللہ تعالیٰ بغیر چلے کے بھی
فضل فرما دیتے ہیں۔

ترادیح کے بعد کی مجلس میں فرمایا کہ قوم کا اپنی غلطی پر اصرار کرنا یعنی اس کو صحیح کھے
کی حالت بنالینا بڑا خطرناک مرض ہے جو مسلمانوں سے نہیں گیا۔ حالانکہ آج کل ہر بیدار قوم
کا شہ وہ ہے کہ جہاں مکر لگی ہے اور نقصان پہنچا تو وہ فوراً سوچنے کے لیے کمیشن بٹھاتی ہے کہ

یہاں کیا غلطی ہوئی اور غلطی کو ماننا ہی بہتر سمجھتی ہے مگر ہم ہیں کہ دوران کار تاویل پر تاویل کھتے چلے جاتے ہیں جس کا نتیجہ نقصان و نقصان کی شکل میں نکلتا ہے تو یہ غلطیوں کی تاویل کرنا اور انہیں نہ ماننا کوئی قابلِ فخر بات نہیں تھا کہ عادت ہے جسے ہم چھوڑتے نہیں۔

۲۹، رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۶ جولائی ۱۹۹۷ء رات

شام کی مجلس میں حضرت اقدس نے مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی کے اس اصرار پر کہ حضرت ہم لوگوں سے اقرار لیں کہ ہم چھوڑ نہ بولیں۔ لوگوں سے واؤ کی بات نہ کریں اور ایک بات اور بھی تھی فرمایا کہ یہ تو سبیت میں ہوتا ہے نیز فرمایا کہ اس طرح کی بجائے بس صحبت اور ذکر ضروری ہے صحبت میں رہتے رہتے جو عیوب معلوم ہوتے ہیں ان پر توبہ کرایا جاتا ہے اور دعا بھی کی جاتی ہے کہ وہ نہ رہیں اور ذکر ایک روشنی ہے جو انسان کو خود اس کے اپنے گناہوں کا احساس دلاتی ہے اور انسان ذکر کی روشنی میں اپنے عیب دیکھتا ہے اور پھر توبہ کرتا ہے توبہ ٹوٹ بھی جاتی ہے مگر تا دمِ ہوتا ہے اس سے اور ترقی ہوتی ہے۔ کیونکہ اصل ترقی مذمت اور عاجزی میں ہے بعض دفعہ کسی گناہ کا ہونا یا مضبوط توبہ کے ٹوٹنے پر مذمت اور عاجزی کا احساس اور خدا کی طرف توجہ اور یہ وجدان ہونا کہ خدا کی توفیق کے بغیر کوئی نیکی نہیں ہو سکتی اور اس کی مدد کے بغیر کسی گناہ سے نہیں بچا جاسکتا یہ انسان کے لیے اتنی ترقی کا باعث ہوتا ہے کہ بہت زیادہ۔ شاید اگر ایسا معاملہ پیش نہ آتا تو بھی اتنی ترقی نہ ہوتی۔ اسی لیے کاطین سے بھی بعض اوقات کوئی ایسی فرد گزشتیں ہوتی رہتی ہیں جن کی وجہ سے وہ خدا کے ہاں گڑ گڑاتے ہیں اور عاجزی اور استغفار کرتے ہیں اور اس پر ان کو

اتنی ترقی ہوتی ہے کہ ویسے کسی طرح شاید نہ ہوتی اگر انسان سے غلطی نہ ہو تو انسان ملک
محبوس بن جائے کہ اس کا جو مقام ہے وہ ہے ابد و ازل سے آگے ترقی نہیں کر سکتا مگر
انسان کہ جو ترقی کا جو ہر دیا ہے وہ اس طرح بیکار ہو جائے مولانا منظور صاحب نے دریافت
فرمایا کہ لالہ الاثر میں حضرت نے جو فرمایا ہے کہ لاموجود کا تصور کیا جائے اس پر طبیعت
رکتی ہے فرمایا کہ یہ جو آتم ہے کہ علم حجاب اکبر ہے تو یہی تو علوم ہیں جو بچپن سے ہم کھلتے ہیں
ہم نے پڑھا تھا کہ انسان کا ذہن آئینہ کی طرح ہے جو اسے معلوم ہوتا ہے وہ صورِ علیہ میں
جہاں کے دماغ پر منتقل ہیں اور عاقل میں محفوظ ہو جاتی ہیں جب انسان بیٹھتا ہے تو پہلے
آتی ہیں اسی عام خراب ہیں ان کو ملتا ہے تاکہ انسان جہاں سے چلا تھا وہیں پہنچے اور پھر
ادھر کو چلے غاصح میں اگر تمام دنیا رہے تو کیا مرجھے لاموجود میں ہم تو اپنے اندر سے
ان کو ملاتے ہیں لا مقصود بھی خیال کرنا چاہیے لاموجود اس سے اور ہے اس پر راۃ جلیلہ
خان صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت لا مقصود سے کیا مراد ہے فرمایا کہ اللہ کے سوا مجھے
کچھ نہیں چاہیے پس صورِ علیہ کا جو ادھر کو جانے کے لیے حجاب بن گئی ہیں ملنا یہی تو کام
ہے ذکر کرو، صحبت اعلیٰ، توبہ کرتے جاؤ اور بچنے کی کوشش کرتے رہو اللہ تعالیٰ سے کوئی ایسا
کی معافی چاہو کچھ نہ کچھ ہو رہے گا اللہ فضل کرنے والا ہے راۃ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت
ذکر کرنے کے باوجود بھی صحبت کی ضرورت ہے فرمایا ہاں ضرور۔

شام کی مجلس میں یہ بھی فرمایا تھا کہ حضرت (مولانا اللہ بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ)
بہاولنگری فرمایا کرتے تھے کہ میں روزِ تجدید ایمان کرتا ہوں اس سے مجھے بڑا فضا ہے (یہ مولانا
عبید الرحمن صاحب کے تجدیدِ بیعت اور بیعتِ خاص کے امراء کے جواب میں تھا کہ اگر
ایسا کہنا ہی ہو تو پھر اس کی صورت یہ ہے کہ تحصیل سے بھی اور مجلّا بھی روزِ آدمی توبہ کرے

کسی کے ہونے پر فرمایا کہ یہی شرک کفر اور تمام معاصی سے توبہ تہذیب ایمان ہے۔

۳۰ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۸ فروری ۱۹۷۹ء۔ دہلی

عصر کے بعد کی مجلس میں حضرت اقدس نے خواجہ عبدالحی صاحب پرنسپل و نیت جامعہ ملیہ سے فرمایا کیا جناب نے مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ سے آیت انا عرضنا الامانة کے متعلق کوئی تفسیر سنی ہے یا کہیں اس سے دریافت فرمایا یا آپ بھی توشیح التفسیر میں خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ذکھی اسکے متعلق میں نے مولانا مرحوم سے کچھ دریافت کیا اور نہ ان کا کوئی بیان اس میں مجھے سنایا ہے۔

مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی سے حضرت نے فرمایا تو مولانا نے عرض کیا کہ حضرت نے اس کے متعلق فرمایا تھا مگر وہ میرے اب یاد نہیں ہے حضرت ہی فرمائیں، حضرت نے فرمایا کہ مجھ میں قوت بیانیہ نہیں ہے میرے تویہ بھروسے کہ اس میں استعداد علمی کا ذکر ہے جو شخص پڑھنے کی استعداد رکھتا ہو مگر تعلیم حاصل نہ کرے اسے ہی الزام دیتے ہیں کہ یہ جاہل رہ گیا ہے ورنہ غیر ذی استعداد کو کوئی نہیں کہتا کہ یہ جاہل ہے۔ اور نہ الزام دیتا ہے اس میں معنی یہ لگا رکھا ہے کہ اس میں امانت سے خلافت یعنی علم کی استعداد مراد ہے۔ اسی جملہ فی الارض خلیفۃ (اللہ) حضرت نے پوری پڑھی اور فرمایا کہ علم آدم الاسماء کلہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں علم کی استعداد تخلیق کر دی جس کا یہ سب نتیجہ ہے کہ انسان ایبادات میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہے کہ چاند میں جانے کی تیاریاں کر رہا ہے مشرق و مغرب کا بعد ختم کر دیا ہے انسان کے پاس سوا علم کے اور ہے

بھی کچھ نہیں یہ جوارح تو آلات ہیں اصل شے علم ہی ہے امتحان سے کسی چیز کو چھو کر بھی علم
 ہی حاصل ہوتا ہے اعلیٰ درجہ کا کھانا اور بھٹس برابر ہے اگر زبان میں وہ پھٹے نہ ہوں گے ذریعہ
 کھانوں کے مزل کا انسان کو علم ہو جاتا ہے آیت انا عرضنا الامانة لا میں بھی سیاق
 دیکھا جائے چنانچہ سیاق کی آیت پڑھ کر سمجھ لیا کہ استعدادِ علمی ہی مراد ہے ایک علم ہے ایک
 عالم ہے ایک معلوم ہے جتنا کسی عالم کا معلوم اعلیٰ ہے اتنا ہی وہ عالم اعلیٰ ہے چاروں اسکا
 علم ہی اسی حساب سے اعلیٰ ہے اور معلوم کا اعلیٰ، ادنیٰ ہونا اس پر ہے کہ جو چیز پائیدار ہو
 وہ پائیدار سے اعلیٰ ہے چنانچہ بازار میں جب کوئی شخص کوئی چیز لینے جاتا ہے تو اس کی
 کوشش ہوتی ہے کہ اچھی خوبصورت اور پائیدار چیز ملے پس مخلوقات کا علم اس لیے ادنیٰ ہے
 کہ وہ فنا ہونے والی ہے اس کا علم بھی فنا ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی صفات کا علم اعلیٰ ہے
 کیونکہ وہ باقی اور ہمیشہ رہنے والا ہے اس کا علم بھی ہمیشہ رہے گا علم سے ہی کسی شے کی
 معرفت ہوتی ہے اور معرفت ہی لگاؤ کا سبب ہوتی ہے جب کسی شے کا علم نہ ہو تو اس
 سے محبت اور عشق بھی کیا ہوگا پھر اس استعدادِ علمی کا نام عشق رکھ دیا کچھ رکھ لو۔
 دراصل انسان اور ہر انسان یہ پاتا ہے کہ زندہ رہے اور اس کی زندگی راحت کی زندگی ہو
 بس انسان کا مقصد دائمی زندگی اور راحت کی دائمی زندگی ہے تو جس شخص کا معلوم فنا
 ہونے والی چیزیں ہوں گی جب وہ فنا ہو جائیں گی تو ان کا علم بھی جلتا رہے گا اور اس کی
 زندگی میں کوئی راحت نہ رہے گی۔ کیونکہ لذت و راحت علم سے ہے اللہ تبارک و تعالیٰ
 چونکہ باقی ہے تو اس کی صفات کا علم فنا نہ ہوگا اور انسان کی روح بھی اب مرتی کبھی نہیں
 اس لیے جس کو صفاتِ باری تعالیٰ کے علم میں رسائی اور رسوخ ہے اس کی زندگی دائمی
 اور راحت کی زندگی ہوگی اور یہی جنت کی زندگی ہوگی اور جو شخص صرف مخلوق کا علم رکھتا ہے

اور یہاں اس سے ہی لذت گیر ہوتا ہے تو مخلوق کے فنا ہو جانے کی وجہ سے یہ علم بھی فنا ہو جائے گا اور اس کی بدولت قائم کردہ راحتیں بھی ختم ہو جائیں گی اس پر وہ زندگی و وزخ کا عذاب بن کر مسلط ہو جائے گی۔

فرمایا کہ یہ مخلوقات کے علم کی رفتار بڑی طویل راہ چاہتی ہے ہو سکتا ہے کہ بعید مانہ تک پہنچنے میں ہلکتی ہو جائے تو مخلوقات کا یہ ترقی پذیر علم آگے بڑھ کر حقیقت تک پہنچ جائے اور مخلوقات کے علم کی سرحدوں کو پار کر کے انسان اسی فطرت سے خالق تک بھی پہنچ جائیں مگر یہ شے احتمالی ہے اور تمام تعلقات کو چاہتی ہے اس لیے انبیاء کا راستہ ہی کامیابی کا راستہ اور براہ راست اقدام ہے اور حکماء کا راستہ راستہ تو خیال کیا جاسکتا ہے مگر طویل اتنا کہ زمانے میں دنیا میں جو عمر بسر ہے وہ سامنے ہے پھر نسل انسانی بھی اگر اس میں ترقی کرتی رہے اور قدم قدم پر پیش آنے والی کھاتیوں میں پھنس کر یہ جہاز سُست نہ پڑ جائے یا غرقاب نہ ہو جائے تو پھر نیچے بھی تو نسل انسانی کے وہ آنے والے لوگ ہی خدا رسیدہ ہو سکیں گے ان سے پہلے محروم رہیں گے اور پھر وہ راستہ پہنچنے پہنچے دونوں احوال قدم قدم پر سو آفات تو درحقیقت انبیاء علیہم السلام کا راستہ ہی براہ راست اور کامیاب نیز دائمی اور راحت کی زندگی کا راستہ ہے اور یہ قرآن پاک کے کھائے ہوئے افلق ہی آ کی سوری ہیں وہ نہ انسان کی عمر گزر جاتی ہے مگر وہ ساتھ نہ جانے والی دولت کمانے کے ذوق میں مَر جاتا ہے کہ دولت فی نفسہ کوئی چیز نہیں بلکہ اس کا علم ہی وہ سرور ہے جو دولت مند کو مہر ہوتا ہے اور دولت سے مَر کر یا کسی آفت کی وجہ سے محروم ہو جانے پر ختم ہو جاتا ہے اور محرومی کی حسرت بطور عذاب کے پیچھے چھوڑ جاتا ہے اسی طرح خدا اسی طرح حب جاہ کہ انسان جاہ کے حصول میں عمر کی بازی لگا دیتا ہے اور مرتے دم تک اس انسان سے نہیں

چھوٹا پھر مرے کے بعد یہ چلے والے اور اچھا بڑا کبھنے مالی مخلوق سب ختم ہو گئے تو اب یہ علم بھی مٹ جائے گا اور وہ بھی جائے گا تو اس کے باعث جو لذت محسوس ہوتی ہے۔ اب اس کی سبیل نہ رہے گی تو یہ محرومی ایک عذاب و فزع ہوگی ایک بے ایمان کو اس لیے دائمی عذاب ہے اور ایماندار کو سب مال جب بھی ہے تو دائمی راحت ضرور ملے گی جو بھی غافل نہ ہوگی کیونکہ پہلے کے پاس کوئی باقی معلوم نہ تھا یعنی باقی کا علم یعنی معرفت نہ تھی یہ بے ایمانی یعنی بے یقینی تھی۔ لہذا قوی علم اور بھی باعث محرومی اور وہ عذاب ہوگا دوسرے کے پاس باقی کا علم یعنی معرفت تھی یہ ایمان یعنی یقین تھا جو قوت عمل کی کمزوریوں اور لغزشوں کے باوجود آخر دائمی راحت کی جنت میں لے جا کر رہے گا۔

یکم ذی الحجۃ الثانی ۱۱۱۱ھ مطابق ۱۹ فروری ۱۹۹۱ھ بھارت، دہلی
 مولانا رحیم شاد صاحب نے سوال کیا کہ انتقال نسبت کی کیا حقیقت ہے فرمایا کہ اصل اس میں یہ ہے کہ ذکر سے اپنے عیوب ظاہر ہونے لگتے ہیں اور صحبت محبت سے نسبت پیدا ہو جاتی ہے اس طرح کہ مکان میں اندھیرا ہو تو کچھ پتہ نہیں لگتا کہاں کیا ٹھوکر ہے سانپ ہے بکھو ہے مگر چراغ جل جائے تو سب چیزیں نظر آنے لگتی ہیں اب آدمی چاہے تو نکاح کر چل سکتا ہے نسبت اور انتقال نسبت دو باتیں نہیں اثر والوں سے جتنی محبت ہوگی اسی درجہ کی نسبت پیدا ہو جائے گی۔ اخلاق کی اصلاح کی اس لیے ضرورت ہے کہ اس کے بغیر آدمی منزل طے نہیں کر سکتا مثلاً کمانے میں لاکھ ہے تو وہی دل پر مسلط رہے گا اور محبت پورا اثر نہ کرے گی صحبت کم موثر ہوگی اور نسبت کمزور رہے گی وغیرہ وغیرہ۔ سائل نے

کچھ دیکھنے کے بعد سوال کیا کہ حضرت شیطان اور نفس الساقی کو خراب کرتا ہے اور انسان پر ظلم کرتا ہے انسان مظلوم ہوا تو مظلوم معذور ہو گا یا نہیں، حضرت نے فرمایا کہ مظلوم تو ہے مگر معذور نہیں۔ سوال کیا کہ پھر کیا کرنا چاہیے فرمایا کہ شیطان کو چھوڑو نفس کے کھٹے پتے چلو۔ نفس کا خیال رکھو، دریافت کیا کہ مشکل ہوتا ہے فرمایا جہد تو کرنا ہی پڑتا ہے جواب اور مرتبہ سب جہد کا ہی تو ہے۔ والذین جاہدوا فینا لنھدینھم سبیلنا۔ (آلہ) آدمی جہد کرے تو اللہ راستہ کھولے گا۔

یکم رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ مطابق، جون ۱۹۵۷ء رات پور

مولانا عبد اللہ صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت جو حدیث میں آیا کہ بندہ اگر اللہ کی طرف ایک ہاتھ چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک ذراع چلتا ہے بندہ چل کر اس کی طرف جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ دوڑ کر آتا ہے وہ جانا آنا کیسا ہے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف چلنا خیال سے ہے مولانا نے عرض کیا کہ عمل سے، فرمایا اصل بے نیت صاحب نہیں ہوتا اس لیے وہ بھی خیال کے ساتھ ہی ہوتا ہے کوئی آدمی آٹھ پہر میں ایک دفعہ بھی اللہ کا خیال کرے تو یہ چلنا ہو جو زیادہ کرتا ہے وہ دوڑ کر چلتا ہے اور جو ہر وقت خیال رکھے وہ بہت تیز دوڑتا ہے اور اللہ قبول کرے اور توجہ کرے تو یہ اللہ کا آنا ہے اس راستہ کی کوئی حد نہیں جو زیادہ اللہ کا خیال رکھتے ہیں وہ زیادہ قرب حاصل کر لیتے ہیں۔ راؤ فضل الرحمن خان صاحب نے دریافت کیا کہ دنیا کے کاموں میں مشغول لوگ جو بازار میں جلتے یا مقدمات میں پھنسے ہیں وہ اس حال میں اگر پورا خیال اللہ کی طرف رکھیں تو دوسرے کام پورے نہ ہو سکیں گے پھر کیا ہو؟ فرمایا

ہاں یہ درست ہے مگر جو اس حال میں بھی خیال رکھنے کی کوشش کرتا ہے خواہ نہ رکھ سکے وہ
ناظرہ خوں کی طرح زیادہ ثواب بوجہ جہد کے پاتا ہے مولانا حبیب الرحمن صاحب نے عرض
کیا ثواب سے قرب مراد ہے یا اور کچھ ہے فرمایا ثواب ثواب ہے جو زیادہ خیال اور مشاغل
سے الگ ہو کر کہتے ہیں وہ گو قرب زیادہ حاصل کر لیتے ہیں مگر ثواب دوسرے زیادہ پہنچیں۔

۳ رمضان المبارک ۱۴۳۷ مطابق ۹ جون ۱۹۵۷ء رات پور

مولانا عبد اللہ صاحب کرسی والوں نے دریافت کیا کہ حضرت! کیا یہ معلوم ہو جاتا
ہے کہ اللہ مجھ سے راضی ہو گیا ہے فرمایا کہ ہمیں تو کچھ معلوم نہیں ہوتا باقی حضرت رحمۃ اللہ علیہ
نے فرمایا تھا کہ جب انسان سے تمام بُرے اخلاق اور حب جاہ وغیرہ جاتے رہیں تو سمجھنا
چاہیے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا ہے مولانا نے دریافت کیا کہ بعض بزرگوں نے یہ لکھا ہے کہ
نفس کا ارتقا کمال نہیں بلکہ اس پر قابو پالینا اور کبھی نفس بھی غالب آجاتا ہے اور کبھی انسان
نفس پر قابو پالیتا ہے اور مغلوب لکھا ہے حضرت نے فرمایا ہاں ایسا ہی ہے حضرت مجدد صلی اللہ علیہ
نے بھی لکھا ہے مولانا حبیب الرحمن صاحب نے عرض کیا کہ کیا حضرت مجدد صاحب نے یہ
لکھا ہے کہ کبھی نفس غالب آئے کبھی بندہ نفس پر غالب آئے۔ فرمایا کہ مجدد صاحب نے یہ
تو نہیں مگر یہاں تقریر فرمائی ہے کہ جب انسان کی اصلاح ہو جاتی ہے تو بعض اوقات وہ اتنا
اوپر چلا جاتا ہے کہ اس کا ظاہر بھی اس کے باطن کو نہیں پاسکتا اس میں شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا
قل نقل کیا ہے کسی نے شیخ شبلی سے پوچھا کہ آپ عشق کا دم بھرتے ہیں جس کا اثر دہلا پن ہونا
زردی وغیرہ ہونا چاہیے تھا مگر آپ کا جسم موٹا تازہ ہے اس کا جواب دیا ہے کہ بعض

اوقات لیے انسان کا ظاہر اس کے باطن کو نہیں پاسکتا۔ یعنی باطنی حالات کا اثر جسم پر ظاہر نہیں ہوتا جس طرح حدیث میں آیا ہے کہ جب کوئی ایک برائی کرتا ہے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے تو ایسے صاحب کمال کا باطن اتنا اونچا چلا جاتا ہے کہ اگر اس کے ظاہر سے کوئی بات سرزد ہو جائے تو اس کے باطن پر اس کا اثر نہیں ہوتا یہ لغزش اس سے عام لوگوں کی طرح سرزد نہیں ہوتی۔ بلکہ اس میں اور لوگوں کے کام میں زمین آسمان کا فرق ہو جاتا ہے یا دوسری صورت یہ ہے کہ کمال سے کوئی لغزش اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کسی انتظام میں ڈالتا اور کام لیتا ہے جس میں افراط و تفریط ہونے لگتی ہے جس طرح حضرت سہارنپوری بہت صاحب کمال تھے مگر مدرسہ کے انتظام ان سے ابتر تھے اب اس میں کوئی کمی زیادتی ہونا بشری بات ہوتی ہے تو اگر کوئی لغزش ہوئی اور توبہ ہو تو صاحب کمال اس پر اتنا توبہ کرتا ہے کہ یہ لغزش اس کی اور ترقی کا موجب ہو جاتی ہے کیونکہ وہ محسوس کرتا ہے کہ کوئی نیکی خدا کی توفیق کے بغیر اور کسی برائی سے بچنا اس کے بچنے بغیر نہیں۔ میں عاجز ہوں تو یہ عاجزی اکیسرا کام دیتی ہے اور اس کی یہ لغزش خواہ غصہ کے ظاہر ہونے سے ہو مگر عام لوگوں کی طرح نفسانیت نہیں ہوگی اس پر بھی کمی زیادتی جو بے نفسی سے ہوتی ہے اس میں اپنی عاجزی محسوس کر کے جو گڑ گڑانا ہو گا یہ گنا بھی نہ ہوا اور پھر عام آدمیوں کو گناہوں پر بھی وہ احساس مجبزی نہیں ہوتا جو ان کو اپنی اس بے گناہی کی لغزش پر ہوا۔ قیصری شکل اور ہے وہ یہ کہ بعض بشری امور کے سرزد ہونے سے لوگ اس بزرگ کو عام آدمی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جس کو ہم بڑا بزرگ سمجھتے تھے کچھ نہیں عامیوں کی طرح ہے تو یہ عامی ہونا کوئی گناہ تو ہے نہیں، مگر ان کی نظر میں ایک پردہ اٹھنے سے اس بزرگ کے کمال پر ڈال دیا کیونکہ اللہ کو اس بزرگ کی صحبت سے ان لوگوں

کو فیض یاب نہیں کرنا مطلوب۔ کیونکہ ان میں کوئی اندرونی عیب اور عیب جی کا مرض ہے تو وہ اس سے فیض یاب نہیں ہو پاتے اور جو باطن سے واقف ہے یا اس کو اعتراض نہیں اٹھاتا وہ اس بزرگ کی صحبت سے ضرور فیض پاتا ہے کسی نے پوچھا بھی غالباً اگر وہ حساباً نے کہ اس بزرگ سے وہ لوگ فیض یاب ہونے سے مرکب گئے ایسا پردہ کیوں ڈال دیا گیا فرمایا اللہ کی مصلحت ہے جن کو اس بزرگ سے فیض یاب نہیں کرنا ان کی نظر میں پردہ ڈال دیا باقی جس کو اعتراض نہ اٹھایا وہ باطن سے واقف ہو گیا وہ فیض یاب ہو گیا۔ کوئی ضروری نہیں کہ کسی بزرگ سے سب فیض یاب ہی ہوں البتہ پیغمبر سے فیض پانے کے زیادہ راستے کشادہ رہتے ہیں وہاں بھی جن کو فیض یاب نہ کرنا ہو گو ان کے کسی قصور فہم و استعداد کی بنا پر ایسا ہوتا ہے وہ محروم رہتے ہیں ان حکمتوں پر ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔

۴، رمضان المبارک ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۰ جون ۱۹۵۱ء رائے پور

مولانا عبد اللہ صاحب نے دریافت کیا کہ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ دو دن اگر ایسے گزر جائیں کہ یکساں ہوں اور دوسرے میں پہلے دن کی نسبت کچھ ترقی نہ ہو تو خسارہ سمجھنا چاہیے تو یہ ترقی اعمال میں ہے یا کسی اور بات میں حضرت والا نے فرمایا کہ ہاں اعمال میں بھی مثلاً آج دو رکعت پڑھیں تو کل کو چار پڑھنے کا دلولہ ہو اور کیفیات و قرب بھی مراد ہو سکتا ہے مگر آپ ان فکروں میں نہ پڑیں اپنا کئے جائیں۔

۱۱، ۱۰، رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۶، ۱۷ جون ۱۹۵۸ء رائے پور

لکھنؤ کے ایک مولوی صاحب نے تصرف کے متعلق دریافت کیا کہ تصرف سے کچھ بچا جائے بعض سہلے شرع لوگ اور دعوت تبلیغ سے اتفاق نہ رکھنے والے جب ان سے دعوت پر بات کی جائے تو تصرف سے کام لیتے ہیں جس کا اثر ہوتا ہے حضرت نے فرمایا کہ بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ اللہ سے نہ ملا جائے یا ان سے زیادہ قوی خیال آدمی کا ہو۔ مولانا حبیب الرحمن صاحب نے عرض کیا کہ بعض اوقات آدمی اپنے توہمات کا شکار ہو جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مجھ پر تصرف ہوا حالانکہ مخاطب نے تصرف نہیں کیا ہوتا حضرت نے فرمایا ایسا بھی ہوتا ہے راؤ علی الرحمن صاحب نے کہا کہ ذرا آدمی مضبوط ہو کر جم جائے پھر تصرف والا پاس ہے کتنا کوڑا لٹیکے نے ذکر کیا کہ اگر نہ ملا جائے تو پھر دعوت کیسے دے حضرت نے فرمایا کہ ایسوں کو دعوت دینے والا کوئی اور اثر کا بندہ ہو جائے گا کوئی مزدوری نہیں کہ آپ ہی دعوت دیں۔ کسی نے ذکر کے آثار کے متعلق دریافت کیا فرمایا یہی کہ فضول خوش کسپیل اور اثر کے ذکر کے سوا اور کچھ نہیں ہے جی چھوٹ کر ذکر میں گھسے گئے۔ ذکر کے بعد اگر اثر پڑے اس صاحب سبب سے جو ذکر ہے کوئی کام لیتا ہوتا ہے تو طبیعت میں اس کے لیے میلان یا الہام وغیرہ ہوتا ہے ورنہ ناکر تلاوت یا اور کسی عبادت میں لگے رہتے ہیں دراصل وہی وقت تبلیغ کا ہوتا ہے جب اثر ذکر سے لوٹا کر لوہر کو میلان ڈال لیا الہام فرماتے جیسے حضرت خواجہ معین الدین امیری یا بعد حضرات کو حکم فرمایا یا میلان ڈالا تو انہوں نے جم کر قیام کیا اور لوگ ان سے فیض یاب ہوئے

۱۵، رمضان المبارک ۱۳۷۷ء مطابق ۲۱، جنوری ۱۹۵۷ء

راؤ عطاء الرحمن خالص صاحب نے حضرت والا کی خدمت میں عرض کیا کہ ان الذین امنوا والذین ہادوا والنصری والشمسین من امن بالله الخ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ یہودی و مسلمان ہیں وہ بھی اگر اللہ اور قیامت پر ایمان لے آئیں اور نیک کام کریں تو ان کی نہایت ہر جہت سے گئی اور گاندھی جی کے متعلق مشہور ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی منجھلائے بغیروں کے سچا پیغمبر اور قرآن پاک کو خدا کا کلام سمجھتے تھے تو ان کی نہایت پر کیا اشکال ہے اس پر حضرت اقدس منہ یہ فرمایا کہ اگر دوسری آیات ان عام معنی کو مستحیدہ کرتیں تو اس آیت کے یہ معنی ہو سکتے تھے

اس آیت میں جو سطلق ہی پایا جاتا ہے اور دوسری آیات میں ایسا مضمون ہے جس سے اس پر قیہ لگانی پڑتی ہے اس لیے اس آیت پاک کے یہی معنی بنتے ہیں کہ یہودی و عیسائی، صابی و ایمانی لائے اپنے زمانہ شریعت میں ایمان لے کے متعلق یہ جو اللہ قیامت اور پیغمبروں پر سب پر ایمان لانا مراد ہے اور اس کے بغیر سب کچھ ٹھیک ہوتا یہ اسلام کا مسئلہ نہیں ہے اور یہ بھی قرآن پاک میں آیا ومن یتبع غیر الاسلام ینافلون یقبل منه وهو فی الآخرة من الخاسرین (الایہ)

۲۸، رمضان المبارک ۱۳۷۷ء مطابق ۴، جولائی ۱۹۵۷ء رات

حضرت والا کی خدمت میں روضہ کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ جو انسان کھانا

اس میں سے موٹے اجزاء تو بول و براہین جلتے ہیں اور باقی میں سے جیسا الطباء نے تشریح
کی ہے پتہ، سودا، بلغم اور سب سے زیادہ اچھا جز خون بنتا ہے اور خون کی بجا پ کھجور
ایک روح ہے جس کو روح حیوانی کہتے ہیں یہ اصل انسانی روح کا گھوڑا ہے انسانی روح
کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ وہ جزئیات و کلیات کا ادراک کرتی ہے یوں کہہ لو کہ حیوانات
کو جو خصائص ملتے ہیں وہ حیوانی روح کے باعث ہیں مگر عیالات اپنے دائرہ خصائص سے
آگے ترقی نہیں کر سکتے مگر انسان جزئیات سے کلیات کا استنباط کرتا اور ہر میدان میں ہمیشہ
ترقی کرتا رہتا ہے روح انسانی جو ہر طاقت سے ہے بکریوں کے لیے کہ سب مخلوقات میں سب
سے زیادہ جامع ہے اور یہی اس کی تفصیلت اور خصوصیت ہے۔
